

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ

مقالات القرآن

اذا فادات

فقيه العصر حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی مدظلہ

تحقیق و تدوین

مولانا خلیل احمد تھانوی

ناشر
ادارہ اشرف التحقیق دائر العلوم الاسلامیہ

کامران ہلاک حلائے اقبال ٹاؤن لاہور۔ فون: ۵۳۱۳۳۸۵-۵۳۱۳۳۱۳

بسم الله الرحمن الرحيم
ولقد يسرنا القرآن للذكر فهل من مدكر

مقالات القرآن

از اقادات فقیر احقر حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی قدس سرہ
تحقیق و تدوین

مولانا قاری ظلیل احمد تھانوی

ناشر

ادارہ اشرف التحقیق دارالعلوم الاسلامیہ

کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور فون: ۵۴۱۴۳۸۵

نام کتاب: مقالات القرآن

نام مؤلف: فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ قدس سرہ

تحقیق و تدوین: مولانا قاری خلیل احمد تھانوی

طباعت اول: ۱۳۲۲ھ / ۲۰۰۱ء

کمپوزرز: علی کمپوزر اینڈ ڈیزائنرز۔ فون: 5414385

باہتمام: ادارہ اشرف التحقیق دارالعلوم الاسلامیہ

۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهُ لَحَافِظُوْنَ ﴾

القرآن

(بے شک ہم نے ہی قرآن پاک کو نازل کیا اور ہم ہی اسکی حفاظت کرنے

والے ہیں۔)

﴿ خَيْرُكُمْ مَنْ نَعِمَ الْقُرْآنَ وَحِلَمَ ﴾

الحديث

(تم میں بہترین شخص وہ ہے جو قرآن پاک سیکھے اور سکھائے)

فہرست مقالات قرآنی

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱	عرض مرتب	۲۵
۲	نظم (کلام الہی)	۲۹
	ایک قرن کا خاتمہ	۳۱
۳	حالات	۳۲
۴	انداز تدریس	۳۷
۵	تحریری خدمات	۳۸
۶	افتاء کے کام کی ابتداء	۳۹
۷	انداز فتویٰ	۴۱
۸	فتویٰ میں احتیاط	۴۲
۹	اکابر کے عمل پر نظر	۴۲
۱۰	فتویٰ میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب پر اعتماد	۴۳
۱۱	انداز تحریر	۴۵
۱۲	مسکنت اور بے نفسی	۴۷
۱۳	شگفتگی اور زندہ دلی اور ہمت	۵۰
۱۴	احقر پر خصوصی شفقت اور احسان	۵۱

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱۵	نظم (بروفات حضرت مفتی جمیل احمد تھانوی)	۵۵
۱۶	(پہلا مقالہ) قرآن اور ہم	۵۹
۱۷	نعمت عظمیٰ	۶۱
۱۸	صرف ترجمہ کلام الہی نہیں ہو سکتا	۶۱
۱۹	انجیل و توریت وغیرہ کے ترجمہ کی حقیقت	۶۲
۲۰	قرآنی تراجم کے صحیح ہونے کی وجہ	۶۲
۲۱	قرآن کے علاوہ کسی آسمانی کتاب کی صحت کا ثبوت ممکن نہیں	۶۲
۲۲	کتاب الہی کے ثبوت کی شرائط	۶۳
۲۳	صرف قرآن سب شرائط پر پورا اترتا ہے	۶۳
۲۴	اعجاز قرآن	۶۴
۲۵	تشریحات قرآن کی حفاظت کے لئے مختلف علوم کی ایجاد	۶۵
۲۶	دین صرف اسلام ہی ہے	۶۵
۲۷	لمحہ فکریہ	۶۶
۲۸	الفاظ و معنی کی خدمت کیلئے ہم نے کیا کیا؟	۶۶
۲۹	اغیار کی تحریف سے بچانے کیلئے کیا کیا؟	۶۶
۳۰	قیام مدارس میں کیا کوشش کی؟	۶۷
۳۱	صحیح تلفظ میں قرآن پڑھنے اور عملی زندگی میں جاری کرنے میں ہمارا کیا کردار ہے؟	۶۷

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۶۷	حفاظت قرآن میں ہمارا کیا کردار ہے؟	۳۲
۶۸	نعمت عظمیٰ کی ناقدری	۳۳
۶۸	ناقدری کے عذاب سے بچنے کی ترکیب	۳۴
۶۹	(دوسرا مقالہ) تحریف قرآن کی مہم	
۷۳	قرآن کی تشریح کون کر سکتا ہے؟	۳۵
۷۳	قرآنی تشریح صرف نبی کا منصب ہے	۳۶
۷۴	نبی تشریحات خدا سے لیتے ہیں	۳۷
۷۴	تشریح قولی بھی ہے فعلی بھی	۳۸
۷۵	غیر نبی کی تشریح تکذیب و انکار ہے	۳۹
۷۵	کیا صحابہ کو بھی ان علوم کی ضرورت تھی؟	۴۰
۷۶	تشریحات نبویہ کا ثبوت	۴۱
۷۸	خود تراشیدہ مفہوم کو خدائی حکم کہنا خدائی کا دعویٰ یا خدا پر بہتان ہے	۴۲
۷۸	پھر نئے تقاضوں کا کیا علاج؟	۴۳
۷۹	کیا مسلمان نئی تشریح مان سکتے ہیں؟	۴۴
۸۰	ناواقفوں کو تشریح کا حق کہیں نہیں	۴۵
۸۱	نئی تشریحات تکمیل دین کا انکار ہیں	۴۶
۸۳	نئی تشریح کفر تک پہنچاتی ہے	۴۷
۸۶	عالمی قوانین کے نقصانات	۴۸

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
	(تیسرا مقالہ) قرآن مجید میں لفظی تحریف	۸۹
۴۹	سوال	۹۱
۵۰	جواب	۹۲
۵۱	قرآن کو غیر عربی میں لکھنا تحریف ہے	۹۳
۵۲	انگریزی میں قرآن لکھنے سے بعض شکلوں میں معنی بدل کر کفر لازم آتا ہے	۹۴
۵۳	انگریزی تلفظ فساد نماز کا سبب ہوگا	۹۴
۵۴	انگریزی میں اعراب نہ ہونے کی وجہ سے اشتباہ ہوگا	۹۴
۵۵	غیر عربی میں لکھا ہوا قرآن وحی نہیں کہلا سکتا	۹۵
۵۶	حروف کی کمی لازم آئے گی	۹۵
۵۷	فتحہ کا الف سے بدل جانا	۹۵
۵۸	O اور W کے استعمال سے بھی کبھی تحریف لازم آتی ہے	۹۶
۵۹	مخرج اور صفت کی تبدیلی سے معنی بدل جاتے ہیں	۹۶
۶۰	حرف کی تبدیلی	۹۷
۶۱	اجماع کی مخالفت لازم آئے گی	۹۷
۶۲	ترک تعظیم کا گناہ لازم آئے گا	۹۷
۶۳	کلام عربی نہ رہے گا	۹۸
۶۴	قرآن کا مہمل ہونا لازم آئے گا	۹۸

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۶۵	عدم ادغام کی وجہ سے تحریف لازم آئے گی	۹۸
۶۶	قرآن کا حضور ﷺ کے لہجہ میں پڑھنا ضروری ہے	۹۹
۶۷	غیر عربی میں لکھنا حفاظت خداوندی کے خلاف ہے	۹۹
۶۸	تحریف قرآن لازم آئے گی	۱۰۰
۶۹	ثواب سے محرومی	۱۰۰
۷۰	عظیم خسارہ	۱۰۱
۷۱	جنتی زبان سے دشمنی	۱۰۱
۷۲	قرآن عربی میں پڑھنا لازم ہے	۱۰۱
۷۳	اللہ تعالیٰ پر تہمت	۱۰۲
۷۴	غیر عربی حروف کو کلام اللہ نہیں کہہ سکتے	۱۰۲
۷۵	لوح محفوظ میں عربی الفاظ محفوظ ہیں	۱۰۳
۷۶	غیر عربی میں لکھا ہوا قرآن عربی قرآن کے برابر نہیں ہو سکتا	۱۰۳
۷۷	ایک عظیم خطرہ	۱۰۳
۷۸	خطرناک سازش	۱۰۴
۷۹	تحریف لفظی و معنوی کا لزوم	۱۰۵
۸۰	قواعد عربیہ کا خیال نہ رکھنے سے تحریف لازم آئے گی	۱۰۶
۸۱	بعض عربی الفاظ کا مترادف دوسری زبان میں ہے ہی نہیں۔	۱۰۷

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۸۲	غیر عربی میں ادغام ممکن نہیں	۱۰۸
۸۳	مشدد حروف کی تبدیلی سے معنی میں تحریف	۱۰۸
۸۴	عین کو A سے لکھنے سے معنی میں تغیر ہو کر حرام ہوگا	۱۰۸
۸۵	اللہ پر بہتان	۱۰۹
۸۶	قرآن عربی مسبین کی مخالفت	۱۰۹
۸۷	الف کی مختلف شکلیں	۱۰۹
۸۸	رسم قرآن میں تحریف	۱۱۰
۸۹	وقف و وصل میں تحریف	۱۱۰
۹۰	اہتمام وقف و وصل	۱۱۱
۹۱	راء کے قواعد سے زہول	۱۱۱
۹۲	ادغام کے قواعد سے زہول	۱۱۲
۹۳	غیر عربی میں قواعد کا اہتمام ممکن نہیں	۱۱۲
۹۴	اتباع جبرئیل کا ترک لازم آئے گا	۱۱۳
۹۵	شبہ اور اس کا جواب	۱۱۳
۹۶	تغیر معنی کی مثال	۱۱۴
(چوتھا مقالہ) ملحدین اور قرآن کی طباعت و فروخت		
۹۷	سوال	۱۱۷
۹۸	الجواب	۱۱۸
۹۹	کفار کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات کی مختلف اقسام	۱۱۹

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۱۲۲	اگر اہانت کا خوف ہو تو قرآن کفار کے ملک میں بھیجنا بھی جائز نہیں	۱۰۰
۱۲۳	جہاد میں چھوٹے لشکروں میں قرآن لے جانے کی ممانعت	۱۰۱
۱۲۴	اجماع امت	۱۰۲
۱۲۴	کفار کو قرآن پاک فروخت کرنا منع ہے	۱۰۳
۱۲۵	کفار کو دینی کتابیں فروخت کرنا منع ہے	۱۰۴
۱۲۵	کسی کافر کو قرآن شریف مس کرنے دینا جائز نہیں	۱۰۵
۱۲۷	کافر کو قرآن پڑھانا جائز نہیں	۱۰۶
۱۲۸	شبہ	۱۰۷
۱۲۸	جواب	۱۰۸
۱۲۹	دوسرا شبہ	۱۰۹
۱۳۰	جواب	۱۱۰
۱۳۰	تیسرا شبہ	۱۱۱
۱۳۱	جواب	۱۱۲
۱۳۲	حضرت عمرؓ کو حالت کفر میں قرآن چھونے اور پڑھنے کی اجازت دینے کی وجوہات	۱۱۳
۱۳۳	چوتھا شبہ	۱۱۴
۱۳۳	جواب	۱۱۵

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۱۳۵	پانچواں شبہ	۱۱۶
۱۳۵	جواب	۱۱۷
۱۳۵	قرآن پاک کی تصحیح اور رسم الخط کی حفاظت فرض ہے	۱۱۸
۱۳۶	کافر کو اجازت طباعت دینے میں بے حرمتی یقینی ہے	۱۱۹
۱۳۶	ممبران اسمبلی اور سربراہان کی ذمہ داری	۱۲۰
۱۳۷	عوام کی ذمہ داری	۱۲۱
۱۳۷	حکومت وقت کی ذمہ داری	۱۲۲
۱۳۸	شبہ	۱۲۳
۱۳۸	جواب	۱۲۴
۱۳۹	شبہ	۱۲۵
۱۳۹	جواب	۱۲۶
۱۴۳	(پانچواں مقالہ) عالمی مجلس قرأت	
۱۴۵	اعتراض نمبر ۱	۱۲۷
۱۴۵	جواب	۱۲۸
۱۴۵	قرآن الفاظ اور معنی کے مجموعہ کا نام ہے	۱۲۹
۱۴۶	الفاظ قرآن بھی مقصود ہیں	۱۳۰
۱۴۷	قرآن کے الفاظ و حرکات کی صحیح ادائیگی فرض ہے	۱۳۱
۱۴۷	تلاوت میں خوش آوازی مطلوب ہے	۱۳۲
۱۴۸	الفاظ و معنی دونوں کی رعایت ضروری ہے	۱۳۳

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱۳۴	اعتراض نمبر ۲	۱۴۸
۱۳۵	جواب	۱۴۹
۱۳۶	قاری کی تلاوت میں چار احتمال	۱۴۹
۱۳۷	بدگمانی سے بچو	۱۵۰
۱۳۸	مسلمان کا دل خوش کرنے لئے عمدہ آواز سے پڑھنا	۱۵۰
۱۳۹	محفل قرأت کے فوائد	۱۵۱
۱۴۰	قرأت سننے والوں کا فائدہ ہی فائدہ	۱۵۲
۱۴۱	اعتراض نمبر ۳	۱۵۳
۱۴۲	جواب	۱۵۳
۱۴۳	تلاوت میں خوش آوازی اختیار کرنے کا حکم	۱۵۳
۱۴۴	گانے اور تجوید میں فرق	۱۵۵
۱۴۵	خوش آوازی کی دو صورتیں	۱۵۶
۱۴۶	اعتراض نمبر ۴	۱۵۶
۱۴۷	جواب	۱۵۷
۱۴۸	مجلس قرأت میں شرکت کی دعوت کا ثواب ہے	۱۵۷
۱۴۹	اعتراض نمبر ۵	۱۵۷
۱۵۰	جواب	۱۵۸
۱۵۱	تجوید کے ساتھ قرآن پاک کا لوگوں تک پہنچانا واجب ہے	۱۵۸
۱۵۲	پوری تجوید منزل من اللہ ہے	۱۵۹

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۱۶۰	قرأت قرآن عملی تبلیغ ہے	۱۵۳
۱۶۰	حضور ﷺ کا لوگوں کو جمع کر کے قرآن سنانا	۱۵۳
۱۶۱	اعتراض نمبر ۶	۱۵۵
۱۶۱	جواب	۱۵۶
۱۶۱	تبلیغی اجتماعات کی اہمیت	۱۵۷
۱۶۲	مجلس قرأت کے فوائد	۱۵۸
۱۶۲	اعتراض نمبر ۷	۱۵۹
۱۶۳	جواب	۱۶۰
۱۶۳	محفل قرأت کو کھوکھلے مظاہرے کہنا غلط ہے	۱۶۱
۱۶۳	قرآن کے شمع ہدایت ہونے اور سنوار کر پڑھنے میں کوئی تعارض نہیں	۱۶۲
۱۶۵	اعتراض نمبر ۸	۱۶۳
۱۶۵	جواب	۱۶۴
۱۶۵	مجلس قرأت کو لہو و لعب کا سبب قرار دینا درست نہیں	۱۶۵
۱۶۶	اعتراض نمبر ۹	۱۶۶
۱۶۶	جواب	۱۶۷
۱۶۶	محفل قرأت میں قدر ضرورت روشنی کی اجازت	۱۶۸
۱۶۶	محفل قرأت کیلئے گیٹ بنانا، جھنڈیاں لگانا اسراف ہے	۱۶۹
۱۶۷	قراء کے لئے اسٹیج کی حقیقت	۱۷۰

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱۷۱	صدر مجلس کی حقیقت	۱۶۷
۱۷۲	مجلس قرأت میں تالی بجانا منع ہے	۱۶۸
۱۷۳	مجلس قرأت میں اچھل کود کر دودینے کی ممانعت	۱۶۸
۱۷۴	حسن قرأت پر دود دینے کا عمدہ طریقہ	۱۶۸
۱۷۵	قاری کی آمد پر نعرہ بکیر اللہ اکبر کہنا جائز نہیں	۱۶۹
۱۷۶	اعتراض نمبر ۱۰	۱۶۹
۱۷۷	جواب	۱۷۰
۱۷۸	محفل قرأت میں تلاوت پر اجرت حرام ہے	۱۷۰
۱۷۹	قاری کیلئے کرایہ آمد و رفت لینا جائز ہے	۱۷۰
(چھٹا مقالہ)	صدق اللہ العظیم بعد تلاوت مستحب ہے	۱۷۱
۱۸۰	سوال	۱۷۳
۱۸۱	الجواب	۱۷۳
۱۸۲	نمبر ۱	۱۷۵
۱۸۳	نمبر ۲	۱۷۵
۱۸۴	نمبر ۳	۱۷۵
۱۸۵	نمبر ۴	۱۷۵
۱۸۶	نمبر ۵	۱۷۶
۱۸۷	نمبر ۶	۱۷۶
۱۸۸	صدق اللہ العظیم پڑھنے کے دلائل	۱۷۷

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱۸۹	صدق اللہ العظیم بدعت نہیں	۱۷۷
	(ساتوں مقالہ) فلم قصص القرآن	۱۸۱
۱۹۰	تصاویر کا حکم	۱۸۳
۱۹۱	عورت کی آواز عورت ہے	۱۸۳
۱۹۲	قرآن پاک کے اجزاء کو لہو و لعب بنانا	۱۸۳
۱۹۳	توہین قرآن کا سبب	۱۸۳
۱۹۳	قرآن کی عظمت مجروح ہوتی ہے	۱۸۳
۱۹۵	قرآن کے قصص میں احکام مضمین ہیں	۱۸۵
۱۹۶	فلم قصص القرآن کا عظیم نقصان	۱۸۶
۱۹۷	اسلام دشمنی	۱۸۶
۱۹۸	اللہ و رسول ﷺ پر تہمت	۱۸۷
۱۹۹	اسلام و مسلمان دشمنی	۱۸۷
۲۰۰	ایک عظیم خطرہ	۱۸۷
	(آٹھواں مقالہ) مسائل القرآن	۱۸۹
۲۰۱	یل کذبوا بلا لہم یحیطوا بعلمہ الخ	۱۹۲
۲۰۲	بلا تحقیق کسی کے بارہ میں رائے قائم کرنا	۱۹۳
۲۰۳	صحابہ کے بارہ میں لب کشائی ظلم ہے	۱۹۳
۲۰۴	ائمہ کے اجتہاد پر آج کل کے ایک عالم کی نکتہ چینی	۱۹۳

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۱۹۳	محققین صوفیاء پر طعن کرنا درست نہیں	۲۰۵
۱۹۴	بہتان و غیبت کی برائی	۲۰۶
۱۹۴	حقیقت تنقید	۲۰۷
۱۹۵	قاعدہ کلیہ	۲۰۸
۱۹۵	کس کی رائے معتبر ہے	۲۰۹
۱۹۵	اسباب کفر	۲۱۰
۱۹۶	صفات الہی، انبیاء علیہم السلام اور احادیث متواترہ کی تکذیب و توہین کفر ہے	۲۱۱
۱۹۷	ترجمہ قرآن کیلئے علوم متعارف کی ضرورت	۲۱۲
۱۹۷	احاطہ علم کے معنی	۲۱۳
۱۹۷	علم الصرف اور علم لغت کی ضرورت	۲۱۴
۱۹۸	علم نحو کی ضرورت	۲۱۵
۱۹۸	علم معانی کی ضرورت	۲۱۶
۱۹۸	علم تجوید کی ضرورت	۲۱۷
۱۹۹	مفہوم قرآن کی وضاحت کی صورتیں	۲۱۸
۱۹۹	علم حدیث و تفسیر و اصول فقہ کی ضرورت	۲۱۹
۲۰۰	قرآن فہمی کیلئے آیت سے مندرجہ ذیل علوم کی ضرورت کاثبات	۲۲۰
۲۰۰	علم کلام، علم فقہ اور علم تصوف کا قرآن سے ثبوت	۲۲۱

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۲۰۱	مذکورہ بالا علوم کی مہارت کے بغیر ترجمہ اور تشریح کرنا سب گمراہی ہے	۲۲۲
۲۰۱	علوم متعارفہ حاصل کیے بغیر درس قرآن کا نقصان	۲۲۳
۲۰۲	غیر عالم کے درس قرآن کا حکم	۲۲۴
۲۰۲	غیر عالم کی تفسیر قرآن کا حکم	۲۲۵
۲۰۳	آیت سے درس نظامی کے حصول کا ثبوت	۲۲۶
۲۰۴	آیت کی تشریح	۲۲۷
۲۰۵	غیر منقول تفسیر کے جواز کی شرائط	۲۲۸
۲۰۷	غیر منقول تفسیر کے جواز کے دلائل	۲۲۹
۲۰۸	غیر منقول تفسیر کے عدم جواز سے متعلق احادیث	۲۳۰
۲۰۹	مذکورہ آیات واحادیث میں تطبیق	۲۳۱
۲۱۰	کن آیات میں غیر منقول تفسیر بشرائط معتبر ہے	۲۳۲
۲۱۱	تفسیر کی نکات	۲۳۳
۲۱۲	کافر ایک ملت ہیں	۲۳۴
۲۱۲	حضور ﷺ کے لئے قیاس کی اجازت	۲۳۵
۲۱۲	ظلم کی تعریف	۲۳۶
۲۱۳	فقہ میں مذکور وہ کلمات جن سے کفر لازم آتا ہے کاثبات	۲۳۷
۲۱۵	جمیل اللطائف (نکات القرآن)	
۲۱۷	تمحید برائے جمیل اللطائف	۲۳۸

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۲۱۸	جمیل اللطائف	۲۳۹
۲۱۹	آداب ضیافت	۲۴۰
۲۱۹	مہمان کو زیادہ دیر انتظار نہ کرائے	۲۴۱
۲۱۹	مہمان کی خدمت خود کرے	۲۴۲
۲۲۰	ماہر پیش کرے	۲۴۳
۲۲۰	مہمان کے لئے کھانا دافر ہونا چاہئے	۲۴۴
۲۲۰	کھانے پر درجہ تو سطر کالجا نظر رکھے	۲۴۵
۲۲۰	کھانا غذا بیت سے بھر پور ہونا چاہئے	۲۴۶
۲۲۰	گوشت بہترین غذا ہے	۲۴۷
۲۴۱	قرض ادھار کر کے مہمانی کرنا ضروری نہیں	۲۴۸
۲۴۱	ذات و صنعت دونوں اعتبار سے کھانا بہتر ہو	۲۴۹
۲۴۲	حضرت ابراہیم کے ٹھنڈا ذبح کرنے کی وجہ	۲۵۰
۲۴۲	سنت کی اقسام	۲۵۱
۲۴۲	نمائش نمود کی ایک صورت	۲۵۲
۲۴۳	قربانی	
۲۴۳	قربانی جان کا فدیہ ہے	۲۵۳
۲۴۳	شکار کردہ جانور کی قربانی درست نہیں	۲۵۴
۲۴۴	مال و رقم بجائے قربانی دینا درست نہیں	۲۵۵
۲۴۴	حلال جانوروں کی قربانی	۲۵۶

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۲۲۴	قربانی میں بکرا وغیرہ اور ساتواں حصہ مقرر ہونے کی وجہ	۲۵۷
۲۲۴	مرغی وغیرہ کی قربانی درست نہیں	۲۵۸
۲۲۵	قربانی نبی کی جان کا فدیہ	۲۵۹
۲۲۵	قربانی کے بجائے صدقہ خیرات درست نہیں	۲۶۰
۲۲۶	قربانی میں ذبح ضروری ہے	۲۶۱
۲۲۶	قربانی کے فدیہ عظیم ہونے کی وجہ	۲۶۲
۲۲۷	قربانی کا انکار موجب عذاب ہے	۲۶۳
۲۲۷	قربانی کس پر واجب ہے؟	۲۶۳
۲۲۷	صاحب ثروت پر وجوب	۲۶۵
۲۲۸	قربانی کے لئے خرید کردہ جانور ایام قربانی کے بعد خیرات کرنا	۲۶۶
۲۲۸	بجائے قربانی بچہ کو ذبح کرنا حرام ہے	۲۶۷
	رضاعت (دودھ کا رشتہ)	
۲۲۹	مسئلہ رضاعت کی وضاحت	۲۶۸
۲۳۱	رضاعت (دودھ کا رشتہ)	۲۶۹
۲۳۱	دودھ پلانے والی ماں ہے	۲۷۰
۲۳۱	مرضعہ کے رشتہ داروں سے رشتہ داریوں کا قیام	۲۷۱
۲۳۲	مرضعہ کے دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ حرمت کی حد	۲۷۲
۲۳۲	جورشتے نسب میں حرام، رضاعت میں بھی حرام	۲۷۳

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۲۷۳	رضاعی بہن بھائیوں کی اولاد میں کون کون محرم ہے	۲۳۳
۲۷۵	رشتہ رضاعت کی حقیقت	۲۳۵
	فہرست اعجاز کوثر	
۲۷۶	ما قبل سورۃ سے تقابل	۲۳۴
۲۷۷	تفسیر اعجاز کوثر	۲۳۵
۲۷۸	تحقیق معنی الکونثر	۲۳۶
۲۷۹	لفظ اعطاء اور اس کے مترادفات کی لغوی تحقیق	۲۵۱
۲۸۰	اعطینا کہنے کی وجہ	۲۵۲
۲۸۱	مختلف قابل الاستعمال صیغے	۲۵۷
۲۸۲	نحر کے معنی	۲۶۲
۲۸۳	فصل کے معنی	۲۶۳
۲۸۴	فصل لربك وانحر	۲۶۹
۲۸۵	لربك	۲۶۸
۲۸۶	وانحر	۲۶۸
۲۸۷	قوله تعالیٰ وانحر	۲۶۹
۲۸۸	ان شانئك هو الابتر	۲۶۹
۲۸۹	شنانۃ اور اس کے مترادفات کی تحقیق	۲۶۹
۲۹۰	دلائل اعجاز قرآن بصورت تحدی	۲۷۲

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۲۷۷	اعطاء کوثر کے فوائد	۲۹۱
۲۷۹	نماز و قربانی کے حکم کے فوائد	۲۹۲
۲۸۰	قولہ ان شانتک فیہ خمس فوائد	۲۹۳
۲۸۲	قرآن ہزاروں معجزات پر مشتمل ہے	۲۹۴
۲۸۳	قرآنی معجزات ہمیشہ کے لئے ہیں	۲۹۵
۲۸۴	ساری دنیا کے لئے چیلنج	۲۹۶
۲۸۶	نظم ختم القرآن پر مبارک باد	۲۹۷

عرض مرتب

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ
عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ
اَجْمَعِیْنَ ☆

گذشتہ کئی برس سے جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ کاشعبر اشرف التحقیق مختلف تحقیقی
تصنیفی و تالیفی خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ اب تک ۸۰ سے زائد مواعظ حکیم الامت
مولانا اشرف علی تھانویؒ عنوانات اور حواشی کے اضافہ کے ساتھ طبع کر چکا ہے جمیل الفتاویٰ
اور احکام القرآن کی ترتیب و تصحیح کا کام بھی اس ادارے میں ہو رہا ہے، اور جب سے فقیہ
الامت حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانویؒ نور اللہ مرقدہ کا انتقال ہوا ہے ہماری یہ
کوشش ہے کہ حضرتؒ کے اُن علمی شاہ پاروں کو جو مختلف اخبارات و رسائل میں بکھرے
ہوئے ہیں یکجا کر کے عنوانات و حواشی کے اضافہ کے ساتھ کتابی شکل میں ہدیہ قارئین کئے
جائیں۔

چنانچہ اس سلسلے کی پہلی کڑی حضرتؒ کا ایک طویل مضمون دلائل وجوب قربانی
کتابی شکل میں مرتب کر کے پیش کیا گیا اس کے بعد سیرت طیبہ پر مشتمل چارہاں مقالے،
نبی کل کائنات، ذکر رسول، عصمت انبیاء، حیات النبیؐ مقالات سیرت کے نام سے پیش
کئے گئے۔

اور اب مقالات القرآن کا ایک مجموعہ آپ حضرات کے ہاتھوں میں ہے اس
مجموعہ کا پہلا مقالہ قرآن اور ہم اب سے کئی برس قبل خدام الدین میں طبع ہوا تھا جس میں اس
بات کو ثابت کیا گیا ہے کہ دنیا میں صرف مسلمان ہی ایک واحد قوم ہے جس کے پاس اللہ کا

کلام اپنی اصل شکل و صورت میں موجود ہے اور ساتھ ہی اس بات کا گلہ بھی ہے کہ ہم نے اس نعمت کی قدر نہیں کی۔

دوسرا مقالہ جو ترجمان اسلام میں طبع ہوا تھا جس میں ادارہ ثقافت اسلامی کے ایک اجلاس میں یہ بات کہی گئی تھی کہ قرآن پاک کی تشریحات ہر زمانے میں حالات کے تقاضوں کے مطابق کی جاسکتی ہے حضرتؑ نے اس کا رد کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ قرآن پاک کی وہی تشریح معتبر ہے جو حضور ﷺ اور کبار صحابہ سے منقول ہو۔

تیسرا مقالہ ماہنامہ الاشرف کراچی میں طبع ہوا تھا جس میں اس بات پر پچاس عقلی دلائل دئے ہیں کہ قرآن کریم عربی کے علاوہ کسی بھی زبان مثلاً رومن انگلش وغیرہ میں لکھنا درست نہیں۔

چوتھا مقالہ ماہنامہ الخیر میں طبع ہوا جس میں اس بات کو انتہائی تحقیق کے ساتھ بیان کیا گیا کہ قرآن پاک کی طباعت و فروخت کی اجازت کسی غیر مسلم کو دینا ہرگز جائز نہیں۔ یہ مقالہ ۱۳۹۰ھ میں حضرت تھانویؒ کے سامنے تحریر کیا گیا تھا اور حضرتؒ نے بھی اس پر اپنی پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔

پانچواں مقالہ ہفت روزہ خدام الدین میں طبع ہوا جس میں محافل قراءت جو منعقد کی جاتی ہیں ان کی شرعی حیثیت کو ثابت کیا گیا ہے اور اس پر کئے گئے اعتراضات کے جوابات ہیں۔

چھٹا مقالہ دراصل ایک صاحب کے اس اعتراض کے جواب میں لکھا گیا کہ بعد تلاوت ”صدق اللہ العظیم“ پڑھنا بدعت ہے۔

ساتواں مقالہ کچھ بے دین لوگوں نے ایک قلم قرآن پاک میں مذکور قصص پر بنائی تھی جس کے رد میں حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی مدظلہ نے البلاغ میں ایک

اداریہ لکھا تھا مفتی صاحب نے اس کے تکملے کے طور پر مزید اس بات کے رد میں دلائل لکھے کہ قرآن میں مذکور قصص پر فلم بنانا ہرگز جائز نہیں ہے یہ البلاغ میں طبع ہوا تھا۔

آٹھواں مقالہ: مسائل القرآن کے نام سے ہے مفتی صاحبؒ نے حضرت تھانویؒ کے حکم سے جو احکام القرآن عربی میں لکھی تھی اس کا اردو ترجمہ شروع کیا تھا اور اس کا نام مسائل القرآن رکھا تھا لیکن افسوس کہ وہ مکمل نہ ہو سکا اور اسکی صرف پہلی قسط ہی خدام الدین میں چھپی تھی جس میں مدارس دینیہ میں درس نظامی کے تحت جو علوم و فنون پڑھائے جاتے ہیں ان کا اثبات قرآن حکیم کی آیت سے کیا گیا ہے قابل دید ہے۔

نواں مقالہ: حضرت مفتی صاحبؒ نے آخر عمر میں نکات کو جمع کرنا شروع کیا تھا اور اس کا نام ”جملہ ملطائف“ رکھا تھا افسوس کہ یہ سلسلہ جو کہ بالکل آخر عمر میں شروع کیا تھا پورا نہ ہو سکا اگر مکمل ہوتا تو عجیب و غریب تفسیر ہوتی۔ اس میں میزبانی، قربانی اور رضاعت کے مسائل کو قرآن پاک کی ایک ایک آیت سے عجیب انداز میں مستنبط کیا ہے جو قابل دید ہے احقر نے ان تمام مقالات کو مرتب کر کے ان پر عنوانات قائم کئے اور کہیں کہیں حواشی کا اضافہ بھی کیا ہے۔

دسواں مقالہ: مفتی صاحبؒ قدس سرہ نے اس بات کے اثبات کے لئے کہ قرآن حکیم میں جہاں جو لفظ استعمال کیا گیا ہے اور اس کو جس معنی میں استعمال کیا گیا ہے عربی لغت و معنی کے اعتبار سے وہ سب سے بہتر ہے، اس سے بہتر الفاظ اور تعبیر اختیار نہیں کی جاسکتی۔ یہی قرآن کا اعجاز ہے کہ اس کی مثل لانے سے قیامت تک ہر شخص عاجز رہے گا اس مضمون میں مفتی صاحبؒ نے قرآن کریم کی سب سے چھوٹی سورۃ ”الکوثر“ کی تفسیر لکھی ہے جس میں اس سورۃ میں مذکور الفاظ کے مترادف الفاظ ذکر کر کے قرآن میں مذکور الفاظ کی خوبی کو ظاہر کیا ہے۔

قرآن پاک کی اس تعبیر میں جو نکات ہیں ان کا بھی اظہار کیا ہے جو قابل دید ہے۔ یہ مضمون مفتی صاحبؒ نے عمر کے آخری ایام میں تحریر فرمایا تھا پھر کتابوں میں رکھ کر بھول گئے اور طبع نہ ہو سکا اس کی گمشدگی کا حضرتؒ کو بہت افسوس تھا مقالات القرآن کی جب ٹریسنگ بھی نکل چکی تھی تو اچانک ایک روز کتابوں میں سے مل گیا، حضرت مولانا مشرف علی صاحبؒ تھانوی مدظلہ العالی نے فرمایا اس کو مقالات القرآن کا حصہ بنا کر طبع کر دیا جائے تاکہ حضرتؒ کی خواہش کی تکمیل ہو جائے اور علماء و عوام اس سے مستفید ہو سکیں۔ اس مضمون پر احقر نے عنوانات قائم کئے اور کچھ حواشی لکھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نافع بنائے۔

اس کتاب کے شروع میں استاد مکرم حضرت مولانا مفتی محمود اشرف عثمانی مدظلہ کا مضمون ”ایک قرن کا اختتام“ بھی شامل کیا گیا ہے جس میں حضرت مفتی صاحبؒ کی زندگی کے مختصر حالات اور آپ کی شخصیت کا ایک عکس قارئین کو نظر آئے گا۔

شروع میں مفتی صاحبؒ کی ایک نظم ”کلام الہی“ اور آخر میں مولانا محمود اشرف صاحبؒ کے ختم قرآن پر لکھی گئی ایک نظم بھی شامل کی گئی ہے اس کے بعد ان شاء اللہ مفتی صاحبؒ کے فقہی مقالات اور سیاسی مقالات کو بھی پیش کرنے کا ارادہ ہے احباب سے درخواست ہے کہ وہ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ جلد اس کام کی تکمیل بھی کروادیں۔

اللہ تعالیٰ سے میری دعا ہے کہ وہ میری اس کوشش کو قبول فرما کر ذخیرہ آخرت بنائے اور میرے والدین کے لئے اس کو بلندی درجات کا باعث بنائے۔ آمین۔

خلیل احمد تھانوی
خادم ادارہ اشرف التحقیق

کلام الہی

(از جناب مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مفتی جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور)

حضور محمد علیہ السلام

نبوت کہ سرمایہ اختتام

ہو ان پہ نازل جو تاد کلام

ہے وحی الہی کا مسک الختام

نبی آخری اور وحی آخری

چلیں تا پہ آخریہ دونوں نظام

وہ اوصاف معجز کے میزان کل

یہ احکام اللہ کی جمع تمام

رسالت کا جن و بشر تک عموم

تو قرآن کا ہر حکم ہر اک کو عام

نبوت ہے جب تا ابد دائمی

ہے قرآن بھی معجزہ بالعدم

وہ قصر نبوت کی خشت آخری

اخیروں کو یہ آخری اک پیام

وہ ختم المذہب یہ ختم الامم

وہ ختم رسالت یہ ختم کلام

نبی از ازل تا ابد بے مثل

کلام ازل بے بدل لا کلام

نہ مخلوق خالق کبھی بن سکے
نہ پھر لے سکے مثل کا کوئی نام

حفاظت کا وعدہ ہے اس کے لئے
کہ اس پر ہے بنیاد دین مدام

وہ ہر حرف پر نیکیاں دس ثواب
وہ ہر لفظ میں کیف ہر صبح و شام

پاسِ حبیب اتنا لطف و کرم
کہ ہیں بندہ بندہ سے خود ہمکلام

زہے قسمتِ راہ غارِ حرا
وہ آغازِ اقراء کا اول مقام

وہ عرفات و عرفہ وہ جمعہ کا دن
کہ "الیوم اکملت" تھا اختتام

ہر اک وصف کی انتہا وصفِ حق
کلامِ خدا انتہائے کلام

ہر آیت ہے جب دائمی معجزہ
ہزاروں ہیں یہ معجزاتِ عظام

کہاں اور ہے اب خدائی کتاب
کہ ہو بالیقین حرف حرف اس کا عام

نہیں کوئی بھی اتنی لمبی کتاب
کہ حفظ اس کو کر پائے ہر خاص و عام

حضرت مولانا مفتی محمود اشرف عثمانی مدظلہ

مفتی و استاذ الحدیث دارالعلوم کراچی

زیر نظر مضمون نہ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کی سوانح حیات ہے، نہ ان کے غیر معمولی کمالات و صفات کا آئینہ دار۔ ان سب کے لیے مستقل تصنیف کی ضرورت ہے یہ آئندہ سطور تو محض اپنے محسن و شفیع استاذ کے ساتھ تعلق خاطر کی چند یادداشتوں کا مجموعہ ہے امید ہے کہ یہ مضمون اس حیثیت سے پڑھا جائیگا۔ محمود عثمانی عنہ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی صاحب کا انتقال

ایک قرن کا اختتام

۲۱ رجب ۱۴۱۵ھ بروز اتوار مطابق ۲۵ دسمبر ۱۹۹۴ء کی صبح بعد نماز فجر استاذ محترم مربی و مشفق، فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا کیا انتقال ہوا ایک نسل، ایک پورے قرن کا خاتمہ ہو گیا۔ ”انا للہ وانا الیہ راجعون“ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ غالباً اس وقت برصغیر کے وہ واحد عالم دین تھے جنہوں نے شیخ وقت، محدث بے بدل استاذ الاکابر حضرت مولانا ظلیل احمد سہارنپوریؒ اور حکیم الامت مجدد المملکت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ سے نہ صرف باقاعدہ علمی استفادہ اور کسب فیض کیا تھا بلکہ ان دونوں جلیل القدر شخصیات کی صحبت بابرکت اور فیض تربیت سے اپنے آپ کو متاثر کیا تھا۔

حالات

حضرت مفتی صاحبؒ غالباً ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۳ء کے لگ بھگ تھانہ بھون میں پیدا ہوئے، مدرسہ کی ابتدائی تعلیم راجوپور ضلع سہارنپور میں شروع ہوئی جہاں آپ کی انخیال مقیم تھی پھر اسکول کی ابتدائی تعلیم علی گڑھ میں حاصل کی جہاں والد صاحب ملازمت کے سلسلے میں مقیم تھے، مگر اسکول کی تعلیم سے جلد ہی دل اچاٹ ہو گیا اور مدرسہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون آ کر ابتدائی فارسی اور عربی کتب پڑھنا شروع کیں، مولانا اشفاق احمد صاحبؒ نے جلال آباد میں مدرسہ قائم کیا تو شرح جامی اور اعلیٰ کتب وہاں پڑھیں۔ مگر پھر حضرت سہارنپوری قدس سرہ کے ارشاد کے مطابق مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور تشریف لے آئے اور بقیہ ساری تعلیم یہیں مکمل کر کے ۱۳۴۲ھ میں سند فراغت حاصل کی۔ دورہ حدیث میں تمام طلباء میں سب سے اول رہے جس پر حضرت سہارنپوریؒ نے انعام میں کئی کتابیں اور ایک گھڑی عطا فرمائی اور کتب حدیث کی خصوصی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔

حضرت سہارنپوریؒ کی آپ پر خصوصی توجہ اور شفقت تھی، ایک مرتبہ انگریزی جوتے پہنے ہوئے دیکھا تو فرمایا ”کیا کھوسڑے سے پہن رکھے ہیں؟“ فرماتے تھے کہ اس کے بعد انگریزی طرز کے جوتے ایسے دل سے اترے کہ پھر پہننے کو دل ہی نہ چاہا۔ چنانچہ عمر بھر ویسی جوتے ہی استعمال کئے۔

فراغت کے بعد حضرت سہارنپوریؒ ہی کے حکم سے کچھ عرصہ کے لئے حیدرآباد دکن کے مدرسہ نظامیہ میں نائب شیخ الادب کے منصب پر خدمت کے لئے تشریف کے گئے مگر جلد ہی وہاں کے ماحول سے ایسے برگشتہ ہوئے کہ حضرت سہارنپوریؒ کو لکھا کہ آپ مجھے واپس بلا لیجئے۔ فرماتے تھے کہ وہاں پیری و مریدی کا ایسا زبردست ماحول تھا کہ آدمی کا اس سے بچنا ممکن نہ تھا۔ جب وہاں تدریس کے لئے گیا تو لوگوں نے میرے ساتھ عظمت

و عقیدت کا وہ برتاؤ شروع کیا جو غلو رکھنے والے مریدین اپنے پیر کے ساتھ کرتے ہیں، تو مجھے کچھ ہی عرصہ میں یہ احساس ہو گیا کہ اگر میں مزید کچھ وقت یہاں ٹہرا رہا تو سارا علم غت رہود ہو جائیگا اور میں صرف ایک پیر بن کے رہ جاؤنگا چنانچہ میں نے حضرت سہارنپوریؒ سے واپس بلانے کی درخواست کی، چنانچہ حضرتؒ نے مجھے واپس بلا لیا اور مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں بحیثیت مدرس میرا تقرر فرما دیا اور تدریسی کام شروع ہوا۔

مظاہر العلوم میں تدریس کا یہ سلسلہ ۱۳۵۰ھ تک جاری رہا اس عرصہ میں آپ نے ہر علم و فن کی کتابیں طلباء کو پڑھائیں اور تشنگان علوم کو سیراب کیا مگر حضرتؒ کی زیادہ شہرت ادب میں تھی اور طلباء و ذرؤہ دور سے استفادہ کے لئے حاضر ہوتے تھے۔

اسی دوران ۱۳۴۶ھ میں سہارنپور سے رسالہ ”المظاہر“ اور پھر ۱۳۶۸ھ میں رسالہ ”دیندار“ جاری فرمایا جس کے مدیر اعلیٰ، مضمون نگار، طابع، ناشر اور خادم سب کچھ خود حضرتؒ ہی تھے اور بے سروسامانی کے باوجود بہت استقلال اور ہمت کے ساتھ تدریسی مصروفیات کے ہمراہ ان رسائل کے ذریعے دعوت و تبلیغ اور علم و حکمت کی خاموش خدمت انجام دیتے رہے۔ آپ حضرت سہارنپوریؒ کے خاص شاگرد اور مرید باصفا تو تھے ہی مظاہر العلوم کے قیام کے دوران حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب ناظم مدرسہ مظاہر العلوم سے خصوصی عقیدت و ارادت کا اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ سے خاص محبت و مودت کا تعلق بھی قائم ہوا۔ حضرتؒ اپنی مجلسوں میں حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب کی ذہانت و ذکاوت، حسن انتظام اور تقویٰ و تواضع کے واقعات بھی ذکر فرماتے تھے اور پریشانی کے زمانے میں حضرت مولانا زکریا صاحبؒ نے آپ کے ساتھ جو خصوصی تعلق رکھا اس کا بھی کئی بار ذکر فرمایا۔

بہر حال ۱۳۶۰ھ میں حضرت مفتی صاحبؒ مظاہر العلوم سہارنپور سے تھانہ

بھون کی ”دکان معرفت“ پر منتقل ہو گئے جہاں حکیم الامت مجتہد الملت حضرت تھانویؒ کا آفتاب عالمساب چار سو علم و معرفت کی کرنیں بکھیر رہا تھا۔ یہ حضرت تھانویؒ کی علالت کا زمانہ تھا۔ حضرت مفتی صاحبؒ چونکہ حضرت تھانویؒ کے ایک طرح سے داماد تھے اس لئے خلوت و جلوت میں حضرت تھانویؒ کی صحبت کا شرف حاصل رہا۔ اس زمانہ میں حضرت تھانویؒ اپنے ضعف کی بناء پر نہ صرف خطوط کے جوابات بطور املاء حضرت مفتی صاحبؒ سے لکھواتے تھے بلکہ آنے والے استفتاء بھی آپ کے سپرد کرتے تھے، جن کے جوابات مفتی صاحبؒ لکھ کر حضرتؒ کی نظر سے گزارتے تھے اور پھر وہ فتاویٰ روانہ کئے جاتے، یہ زمانہ حضرت مفتی صاحبؒ کی انتہائی مصروفیت کا زمانہ تھا، حضرت تھانویؒ کی شب و روز خدمت کے ساتھ مدرسہ ادا العلوم میں تدریس، اہم فتاویٰ کی تحریر اور قابل تحقیق مسائل کے حل کے ساتھ حضرت تھانویؒ کی خدمت میں آنے والے حضرات کی دیکھ بھال اس پر مستزاد تھی۔ اسی دوران احکام القرآن عربی کی دو منزلوں کی تصنیف آپ کے سپرد ہوئی، جس کا قصہ حضرت مفتی صاحبؒ خود سناتے تھے کہ اولاً ”احکام القرآن“ کی تصنیف کا کام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحبؒ کے سپرد ہوا تھا مگر جب وہ ڈھاکہ تشریف لے گئے اور کام میں تعویق ہوئی تو حضرتؒ نے ارادہ فرمایا کہ یہ کام اپنے احباب میں تقسیم کر دیا جائے۔ چنانچہ آپ نے قرآن مجید کی ایک آیت کا انتخاب کیا جس پر حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحبؒ پہلے ہی قلم اٹھا چکے تھے، آپ نے وہ آیت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور مولانا اوریس صاحبؒ کا نسخہ حلوئی کو لکھ کر بھیجی کہ بطور نمونہ اس سے عربی زبان میں احکام قرآن مستطیع کر کے بھیجیں، اس زمانہ میں چونکہ میں (حضرت مفتی جمیل احمد تھانویؒ) حضرت (تھانویؒ) کے خط املاء کروا کے روانہ کرتا تھا جب حضرتؒ نے یہ خطوط ان حضرات کو بھیجے تو مجھ سے بھی فرمایا کہ: مولوی جمیل تم بھی اس پر لکھو! چنانچہ میں نے بھی حسب احکام اس پر کچھ لکھا، ادھر ان

حضرات کی طرف سے بھی جوابات آئے۔

حضرتؒ نے وہ سب تحریریں ملاحظہ فرمائیں اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی کی سابقہ تحریر بھی ملاحظہ کی اور پھر فرمایا کہ بحمد اللہ سب حضرات یہ کام کر سکتے ہیں، چنانچہ حضرتؒ نے قرآن مجید کی پہلی دو منزلیں حسب سابق مولانا ظفر احمد صاحبؒ کے پاس رہنے دیں، تیسری چوتھی منزل میرے سپرد کی، پانچویں چھٹی منزل مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے سپرد ہوئی اور ساتویں منزل مولانا اور لیس صاحبؒ، کاندھلویؒ کو دی گئی۔

فرماتے تھے کہ حضرت تھانویؒ قدس سرہ کی زندگی میں یہ کام شروع ہو گیا تھا مگر ابتدائی مراحل میں تھا کہ حضرت کا انتقال ہو گیا۔ میں نے اپنے حصہ کی ایک جلد تحریر کی تھی کہ آنکھ کی تکلیف شروع ہو گئی چنانچہ کام روکنا پڑا۔ تحریر شدہ جلد شروع میں میرے پاس رکھی رہی مگر جب حضرت مولانا ظفر احمد صاحبؒ اور دیگر حضرات کے اجزاء طبع ہونے شروع ہوئے تو میں نے بھی اپنا تحریر شدہ حصہ ان حضرات کو روانہ کیا تا کہ وہ اسے ملاحظہ فرمالیں۔ لیکن ان حضرات کی رائے یہ ہوئی کہ میرے تحریر شدہ مسودہ کا انداز چونکہ باقی حضرات کے تحریر شدہ مسودات سے مختلف ہے اس لئے فی الحال اس کی اشاعت نہ کی جائے (حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانویؒ کا مسودہ باقی حضرات کے مسودہ سے طویل بھی تھا نیز اس میں فقہی احکام پر اکتفاء کرنے کے بجائے دوسرے علوم و نکات بھی مفصل ذکر کئے گئے تھے جو حضرت مولانا ظفر احمد صاحبؒ اور حضرت مفتی شفیع صاحبؒ کے خیال میں کتاب کے اصل موضوع ”دلائل القرآن علی مسائل النعمان“ سے باہر کی چیز تھے) اس طرح اس مسودہ کی (۱) وقتی ضرورت کے تحت اس کی طباعت موخر کی گئی تھی بعد میں مزید تعطل کا شکار اس لئے ہوئی کہ یہ نسخہ بہت بار یک لکھا ہوا تھا کاتب کے لئے اس کا پڑھنا مشکل تھا جب تک کہ کوئی اسکو مکمل نقل نہ کر لے الحمد للہ کہ یہ سعادت اس ناکارہ کے حصہ میں آئی اقرآن نے تین سال کی محنت شاقہ کے بعد اس کو مکمل نقل کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے (خلیل احمد تھانوی)

اشاعت ممکن نہ ہو سکی۔ (۱) یہاں تک کہ حضرتؒ نے آخری زمانہ میں اپنا مسودہ حاصل کر کے اس کی تہذیب اور تکمیل کا کام خود شروع فرمایا۔ دارالعلوم الاسلامیہ لاہور کے مہتمم اور آپؒ کے صاحبزادے اور جلیل القدر عالم حضرت مولانا مشرف علی تھانوی صاحب مدظلہم نے اس مقصد کے لئے دارالعلوم میں آپ کے معادن میں کا تقرر فرمایا اور کئی سال کی محنت شاقہ کے بعد بحمد اللہ احکام القرآن کی یہ تیسری اور چوتھی منزل حضرت مفتی صاحبؒ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں مکمل کر لی۔ جواب زیر اشاعت ہے۔ (۱)

پاکستان بننے کے بعد حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانویؒ اپنی اہلیہ اور اہلیہ کی حقیقی والدہ حضرت چھوٹی پیرانی صاحبہ کے ہمراہ پاکستان تشریف لے آئے، جہاں حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب نور اللہ مرقدہ نے حضرت پیرانی صاحبہ کے خصوصی احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے انہیں وہ کوٹھی الاٹ کر دیا کہ وہ جو حکام بالانے حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ کو دی تھی اور جو انکے نام الاٹ ہونے والی تھی (۲)۔ اس طرح حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ قدس سرہ نے شیخ کے کمال عشق میں ان کی اہلیہ محترمہ کے لئے ایک وسیع رہائش کا انتظام فرمایا اور حضرت مفتی جمیل احمد صاحبؒ کا بحیثیت استاذ اور مفتی جامعہ اشرفیہ میں تقرر فرمایا۔

جامعہ اشرفیہ لاہور اس وقت چار بڑے اکابر کا مرکز تھا، حضرت مفتی محمد حسن

(۱) احقر نے سورۃ یونس سے سورۃ نمل تک تیسری منزل مکمل نقل کر کے حضرت مفتی صاحب کو دکھائی جس میں الحمد للہ سورۃ یونس پر مشتمل ایک جلد طبع ہو گئی اور سورۃ صافات سے سورۃ نمل تک دوسری جلد بھی کچھ نہ ہو گئی جس کے بعد مقرب طبع ہو جانے کی چوتھی منزل حضرت مفتی صاحب نے ادارہ میں پیش کر رکھی تھی ابھی کچھ نہیں ہوئی اس پر کام جاری ہے۔ مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی کی دوسری منزل لکھنے سے روک لی تھی مولانا مشرف علی تھانوی صاحب نے حضرت اقدس مفتی سید عبدالغفور صاحب قندلوی سے اس کی بھی تکمیل کرائی جو کچھ نہ ہو چکی ہے آؤ کل جس کے مراحل میں ہے مولانا اور میں صاحب کا مدظلوی کی ساتویں منزل کا ایک عملہ بھی مفتی عبدالغفور صاحب سے نکھوایا ہے کچھ نہ تک کے مراحل میں ہے۔ (۲) مفتی صاحب قدس سرہ اور پیرانی صاحبہ قدس سرہ کی ہندوستان میں جو کٹائی زمین تھی اس کے تعلیم میں یہ کٹھی آدمی آدمی دونوں کو الاٹ ہوئی تھی جس کی قیمت انہوں نے تقریباً ۶۰ ہزار حکومت وقت کو ادا کی تھی۔ پھر جب ۱۹۷۹ء میں حکومت نے توسیع گنگارام کے تحت اس کو اکوان کیا اور ان دونوں اکابرین کو رقم دی تو پیرانی صاحب نے مبلغ پچاس ہزار روپیہ جامعہ اشرفیہ کو دے کر اس میں ادارہ تالیفات اشرفیہ قائم کیا جس کا سرپرست مولانا مہدی اللہ صاحب اور مولانا ملک صاحب کو بنایا گیا۔

صاحب، حضرت مولانا رسول خان صاحب، حضرت مولانا محمد اور لیس صاحب کا ندھلوئی اور حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی۔ ان چاروں اکابر کی محنت، اخلاص، فنائیت، وسعت علم اور تقویٰ کی بدولت جامعہ اشرفیہ پورے پاکستان میں جلد ہی علم دین کا اہم ترین مرکز بن گیا۔

حضرت مفتی صاحب کو شروع سے عربی اردو ادب کا خاص ذوق تھا۔ مظاہر العلوم سہارنپور میں بھی ان کے دیوان متنتی حماسہ وغیرہ کے درس کا شہرہ تھا، جامعہ اشرفیہ لاہور میں بھی وہ شہرت برقرار رہی اور اس کے ساتھ فقہ، تفسیر اور حدیث کی بڑی کتابوں کی تدریس رہی جس سے بلا مبالغہ سینکڑوں طالب علموں نے استفادہ کیا۔ تدریس کے آخری دور میں ابوداؤد شریف اور بیضاوی کا درس کافی عرصہ حضرت کے پاس رہا (جس کے ساتھ دارالافتاء کی مکمل ذمہ داری بھی حضرت ہی کے سپرد تھی) اس زمانہ میں اگر کوئی حضرت سے پوچھتا کہ حضرت کیا پڑھاتے ہیں تو فرماتے الف۔ با (یعنی الف سے ابوداؤد اور ب سے بیضاوی)۔

اس کے بعد آخر میں صرف ابوداؤد شریف حضرت کے پاس رہ گئی اور بحمد اللہ ۱۳۸۹ھ میں احقر کو بھی حضرت سے ابوداؤد شریف پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

۱۳۸۹ھ میں دل کی تکلیف اور دوسرے عوارض کی وجہ سے تدریس کا سلسلہ جو تقریباً ۳۸ سال تک قائم رہا موقوف ہو کر صرف دارالافتاء کا مشغلہ رہ گیا جو آخری سانس تک جاری رہا۔

انداز تدریس

حضرت کا انداز تدریس مظاہر العلوم سہارنپور کے رنگ پر تھا، طویل بحثیں یا

محققانہ کلام کے بجائے حل کتاب پر زور ہوتا۔ چھوٹے چھوٹے جملوں کے ذریعے الجھے ہوئے مسائل حل فرماتے، اور سوال کی تشریح کے بجائے حدیث کی تشریح اس انداز سے فرماتے کہ سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ اسی لئے حضرتؒ کے درس سے صحیح استفادہ کرنے اور اسکا لطف اٹھانے کے لئے ضروری ہوتا کہ آدمی ہمہ تن متوجہ ہو کر بیٹھے حضرتؒ کے کلمات کو غور سے سنے تاکہ اندازہ ہو کہ کس جملہ سے کس تحقیق کی طرف اشارہ ہے اور کس جملہ سے کون سا سوال دور ہوا ہے؟۔

حضرتؒ کے اسی انداز تدریس کی بناء پر ان کے درس میں کتاب کی رفتار حیرت انگیز حد تک تیز ہوتی تھی، حضرتؒ بالعموم کتاب کے صفحات کو پورے سال کے درسی ایام پر تقسیم فرما کر ہر روز کی مقدار متعین کر دیتے اور کوشش کرتے کہ وہ مقدار روزانہ لازماً پوری ہو جائے۔ اسی لئے حضرتؒ کے یہاں جلالین اور ابو داؤد جیسی کتب کے روزانہ کئی کئی صفحات پڑھے جاتے اور بالعموم کتاب سال سے پہلے ہی ختم ہو جاتی۔

تحریری خدمات

حضرت مفتی صاحبؒ شروع میں فتویٰ کے آدمی نہ تھے۔ مظاہر العلوم سہارنپور میں طویل عرصہ تک حضرتؒ تدریس ہی سے وابستہ رہے۔ مگر تحریر کا خاص ذوق و شوق تھا اسی لئے ۱۳۳۶ھ رسالہ ”المظاہر“ اور ۱۳۶۸ھ میں رسالہ ”دیندار“ کا اجراء فرمایا جس کے طابع ناشر تاجر سب خود ہی تھے ان رسالوں کے لئے طویل طویل مضامین اور نظمیں حضرتؒ خود تحریر کرتے جن کے ذریعے مختلف جہات سے دین کی دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دیا جاتا۔ تحریر میں حضرتؒ کا خاص رنگ تھا کسی بھی موضوع پر دلائل کا انبار لگا دینا حضرتؒ کے لئے کوئی مشکل نہ تھا حضرتؒ بالعموم تحریر شروع کرتے وقت ہی طے فرما لیتے کہ مجھے اس میں

اتنے مثلاً میں یا تیس یا چالیس دلائل ضرور دینے ہیں (اور عام طور سے دلائل کی تعداد چالیس سے کم نہ ہوتی) اور پھر حضرت مختلف جہات سے دلائل کی وہ مقدار پوری فرما دیتے تھے۔

لہذا حضرت کی تحریر میں عام اور سامنے کے موضوعات پر بھی دلائل کی خوب کثرت ہوتی تھی۔ جن میں نقلی دلائل بھی ہوتے اور عقلی بھی، آیات بھی ہوتیں اور احادیث بھی، اور ان میں قارئین کے لئے بالعموم اور بعد میں آنے والوں کے لئے بالخصوص علم و حکمت کا بڑا سامان ہوتا۔

پاکستان آنے بعد بھی مضامین کا یہ سلسلہ مسلسل ہی جاری رہا 'خدام الدین' 'صوت الاسلام' 'پیام اسلام' ترجمان اسلام وغیرہ رسائل میں حضرت کے بیسیوں مضامین مختلف موضوعات پر طبع ہوئے مگر افسوس کہ وہ مضامین طبع ہو کر منتشر ہو گئے، حضرت نے تو کمال تواضع اور فنائیت کے پیش نظر اس کی نقل رکھنی بھی گوارا نہ کی، اُدھر اس زمانہ میں فوٹو اسٹیٹ کا بھی رواج نہ تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ سب مضامین حضرت مفتی صاحب کے لئے ذخیرہ آخرت بن گئے مگر آنے والوں کے لئے اب ان مضامین کا حصول ایک کٹھن مرحلہ ہے (وفق الله تعالى له من يشاء)۔

افتاء کے کام کی ابتداء

۱۳۶۰ھ میں حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی علالت کا آغاز ہوا تو ان کی ایماء پر حضرت مفتی صاحب تھانہ بھون تشریف لے گئے، حضرت مفتی صاحب کی اہلیہ حضرت چھوٹی پیرانی صاحبہ کی صاحبزادی اور مجدد الملت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی رپیہ تھیں اس لئے حضرت مفتی صاحب کی حیثیت داماد کی بھی تھی اور صاحبزادہ کی بھی۔ اور اس عرصہ میں حضرت مفتی صاحب حضرت تھانوی قدس

سرہ کے خدمت گزار رہے خلوت اور جلوت میں ان کے دست و بازو رہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے نام آنے والے خطوط کے جوابات حضرت مفتی صاحب کو املاء کراتے نیز بہت سے فقہی مسائل کے جوابات مفتی صاحب سے تحریر کرواتے جو حضرت کی نظر ثانی کے بعد روانہ کئے جاتے تھے۔ (۱) حضرت سہارنپوری کی طویل صحبت کے بعد حضرت تھانوی کی اس خدمت اور صحبت نے مفتی صاحب کو دو آتشہ کر دیا۔

تدریسی اور تحریری صلاحیت کے ساتھ اب فقہ اور تصوف کی صلاحیتیں بھی اجاگر ہونی شروع ہوئیں۔ ۱۳۶۲ھ میں حضرت تھانوی کا انتقال ہوا جس کے بعد تحریک پاکستان میں بھی حضرت مفتی صاحب کی علمی اور تحریری شرکت رہی۔ پاکستان بنا تو ۱۳۶۰ھ میں حضرت مفتی صاحب پاکستان تشریف لائے پھر تادم زیست ۲۵ سال تک جامعہ اشرفیہ کے دارالافتاء میں مسلسل اور انتھک طور پر فتویٰ کی خدمت انجام دی جو بلاشبہ جامعہ اشرفیہ کے لئے باعث برکت و شہرت بنی اور سینکڑوں نہیں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں افراد نے کسب فیض کیا۔

حضرت مفتی صاحب بہت متواضع غریب المزاج ہونے کے ساتھ انتہائی درجہ کے خوددار تھے، ہمیشہ غرباء فقراء کی طرح زندگی گزاری لیکن خودداری اور استغناء کا عالم یہ تھا کہ اگر کسی شخص کی طرف سے ذرا سی لاپرواہی اور بے اعتنائی دیکھتے تو اس کے ساتھ دگنے استغناء کا معاملہ کرتے۔ اسی تواضع اور خودداری بلکہ ان دونوں باتوں سے بھی بڑھکر فتائیت کاملہ اور ثواب عند اللہ کے گہرے جذبات کے تحت انہوں نے اس بات کی بھی کوشش نہیں

(۱) اس زمانے میں لکھے گئے فتاویٰ کو حضرت مفتی صاحب نے خود ایک رجسٹر میں نقل کیا جو ایک معتد بہ مجموعہ بن گیا جس کا نام حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی نے حیدرآباد دکن میں فرمایا۔ احقر کے پاس وہ محفوظ ہے اور احقر آج کل اس کی ترتیب و تخریج میں مشغول ہے جو الحمد للہ تکمیل کے مراحل میں ہے۔ خلیل احمد

کی کہ ان کے لکھے فتاویٰ کا ریکارڈ قائم کیا جائے اور وہ محفوظ ہوتے چلے جائیں، اسے مفتی صاحبؒ کی تواضع کہیں یا ارباب مدرسہ کا استغناء کہ جامعہ اشرفیہ میں حضرت مفتی صاحبؒ کے فتاویٰ کا مطلقاً کوئی ریکارڈ نہیں رکھا گیا۔ اور اب جو لوگ مفتی صاحبؒ کے فتاویٰ کو جمع کرنے کی خواہش رکھتے ہیں ان کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ مختلف ذرائع سے ان فتاویٰ کو مختلف اشخاص اور مختلف رسائل سے حاصل کریں۔ البتہ حضرت مفتی صاحبؒ نے کچھ عرصہ دارالعلوم الاسلامیہ لاہور میں افتاء کی خدمت انجام دی تو اس زمانہ کے فتاویٰ غالباً ایک رجسٹر میں محفوظ ہیں۔ (۱)

انداز فتویٰ

حضرت مفتی صاحبؒ عام مسائل کا جواب مختصر عطا فرماتے جس سے مسائل کو مسئلہ معلوم ہو جائے، دلائل اور حوالوں کی فکر نہ فرماتے، لیکن جن مسائل میں سوال کرنے والے کو تحقیق ہی مطلوب ہوتی یا حضرت مفتی صاحبؒ اس میں تفصیل مناسب سمجھتے تو پھر وہ فتویٰ خوب شرح و بسط کے ساتھ لکھتے جن میں بالعموم دلائل سات، دس، بیس اور چالیس کی تعداد میں ہوتے تھے۔ ان دلائل میں عقلی اور عقلی دلائل دونوں قسم کے دلائل ہوتے۔ شرعی دلائل کو عقلی حکمتوں اور مصالح سے ثابت کرنے کا مفتی صاحبؒ کو خاص ملکہ تھا اور فتویٰ کے اندر اس معاملہ میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا چنانچہ ان کے مبسوط فتاویٰ عقلی حکمتوں اور مصالح سے بھرپور ہوتے تھے۔

(۱) احقر نے اس سلسلے میں مختلف احباب کو خطوط لکھے ہیں کہ اگر کسی کے پاس حضرت کے کچھ فتاویٰ موجود ہوں تو ارسال کر دیے جائیں اس سلسلے میں الحمد للہ احباب نے خاطر خواہ تعاون کیا ہے۔ اور پانچ پانچ سو صفحات پر مشتمل تقریباً دو جلدوں کا مواد جمع ہو چکا ہے جس کی ترمیم میں احقر مشغول ہے۔ تھانہ بھون کے مجموعہ کے بعد انشاء اللہ اس کو بھی طبع کیا جائے گا۔

فتویٰ میں احتیاط

حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی قدس سرہ فتویٰ لکھنے اور مسئلہ بتانے میں غیر معمولی احتیاط فرماتے احقر سے بار بار فرمایا کہ میں مقلد ہوں اور سلف صالحین کی تحقیق کا پابند ہوں۔ یہ فرماتے کہ ہم مفتی نہیں ہیں ہم ناقل فتویٰ ہیں۔ اکابر نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اُسے آگے نقل کر دینا اور مستفتی کو اس سے آگاہ کر دینا ہمارا کام ہے اور بس۔

اس کمال احتیاط کی وجہ سے حضرت مفتی صاحب ”فقہی کتب کی عبارات سے سر مو انحراف نہ فرماتے نا بالغہ کے نکاح میں سوء خیار کا مسئلہ درجیش ہوا تو مفتی صاحب نے شامی کی عبارت سے ہٹا پسند نہ فرمایا حالانکہ علامہ شامی نے اُسے بطور اصول نہیں بلکہ جزئیہ تحریر فرمایا تھا لیکن حضرت مفتی صاحب کا خیال تھا کہ شامی کے اس جزئیہ کی مخالفت بھی کم از کم میرے لئے درست نہیں۔

اکابر کے عمل پر نظر

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ بار بار اس کی بھی تاکید فرماتے کہ کتابوں کے ساتھ اپنے اکابر علماء اور فقہاء کے عمل پر لازماً نظر ڈینی چاہئے، حضرت مفتی صاحب پورے جزم، مکمل اعتماد اور بھرپور یقین کے ساتھ یہ بات ارشاد فرماتے کہ ہمارے اکابر کا عمل ہمیشہ رائج پر رہا ہے اگر اکابر کا عمل بظاہر عام کتابوں میں ذکر کردہ مسئلہ پر نظر نہیں آ رہا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کتابوں میں ذکر کردہ مسئلہ مرجوح ہے۔

حضرت مفتی صاحب اس کی مثال دیتے ہوئے ارشاد فرماتے کہ اقامت میں جیلین (۱) کے وقت دائیں بائیں جانب منہ کا نہ پھیرنا رائج ہے اور اسی پر ہمارے اکابر کا

(۱) تکبیر میں حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کہتے وقت۔

عمل رہا ہے (۱) اور زیلعی علی الکنز کے حاشیہ میں اس کی تصریح بھی ہے۔

اسی لئے حضرت مفتی صاحب قدس سرہ ان مفتیان کرام کی تحقیق پر اعتماد نہ فرماتے جن کا مبلغ علم صرف کتب ہوتیں اور جو اپنی تحقیقات کے سامنے اکابر کا تعامل باسانی زد کر دیتے ہیں۔ مفتی صاحبؒ نے اپنے اسی طرز فکر کی بناء پر اپنے سے کم عمر ایک معاصر صاحب فتویٰ کے فتاویٰ کی جلدوں پر صاف لکھ رکھا تھا کہ عبارات کے معاملہ میں ان صاحب کے حوالہ پر اعتماد کیا جاسکتا ہے لیکن ان کی اپنی تحقیق پر فتویٰ دینا درست نہیں۔ مفتی صاحبؒ ان صاحب فتویٰ کے بارے میں یہ بھی فرماتے کہ صاحب کی فتویٰ کی کتابوں پر خوب نظر ہے مگر ان کا جو فتویٰ اکابر کے خلاف ہوتا ہے وہ ہرگز قابل اعتماد نہیں (اوکا قال)

فتویٰ میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ پر اعتماد

حضرت مفتی جمیل احمد صاحبؒ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ کا بہت احترام فرماتے۔ کئی بار احقر سے فرمایا کہ حضرت مفتی صاحبؒ کی کتابیں کورٹ تھیں۔ ادھر ادھر سے جو مسئلہ لکھا جاتا آخری فیصلہ حضرت مفتی صاحبؒ کے یہاں ہوتا تھا۔

مفتی صاحبؒ اپنے ذاتی مسائل اور ذاتی معاملات میں بھی اپنے آپ سے فتویٰ لینے کے بجائے اس قسم کے معاملات میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ کو خط لکھتے اور جو جواب آتا اس پر عمل فرماتے (۲) (یہ حضرت مفتی صاحبؒ کی بے نفسی، دین میں احتیاط

(۱) اس مسئلہ کے بارے میں میں نے حضرت سے یہ بھی سنا ہے کہ مظاہر العلوم بہار پور، تھانہ بھون اور دوجند میں ہم نے اپنے سب اکابر کو ایسی پر عمل کرتے دیکھا ہے۔ غلیل (۲) چنانچہ گولڈ ٹکس، روڈ کی کوئی جو کلیم میں الٹ ہوئی تھی اور حکومت نے توسیع گنگرام کے تحت جبراً اکوڑ کی تھی اس سلسلے میں ایک دو سال حکومت کے خلاف عدالت میں کیس بھی کیا حکومت نے رقم بینک میں جمع کرادی کیس چلتا رہا جب فیصلہ ہوا تو اس وقت تک اس رقم پر ستر ہزار انٹرسٹ کے نام سے مزید اضافہ ہو چکا تھا مفتی صاحب کو اشکال ہوا کہ یہ رقم پتھر پر اصل قیمت سے زیادہ ہے میرے لئے اس کا لینا جائز نہیں۔ مختلف مدارس سے اختلاف کیا گیا سب نے ہوا کا فتویٰ دیا کہ جب آپ نے لی نہیں تو آپ اس کے مالک نہیں اس پر اضافہ سو نہیں مفتی شفیع صاحبؒ نے لکھا کہ احتیاط نہ لینے میں ہے آپ نے مفتی صاحبؒ کے فتویٰ پر عمل کرتے ہوئے ستر ہزار کی غلط رقم کو چھوڑ کر اپنے آپ کو شہہ حرام سے بچایا۔ غلیل

اور اپنے اکابر پر اعتماد کی ایک ادنیٰ مثال ہے)

جب حضرت مفتی شفیع صاحب قدس سرہ کا انتقال ہوا تو پورے ملک بلکہ پورے عالم اسلام میں اس سانحہ کو محسوس کیا گیا لیکن حضرت مفتی صاحبؒ نے اس حادثہ کی خاص تکلیف محسوس کی۔ ان دنوں میں احقر کی موجودگی میں ایک صاحب نے حضرت مفتی جمیل احمد صاحب کے سامنے اپنے تاثرات کا ذکر کیا کہ حضرت مفتی شفیع صاحبؒ کے انتقال سے بڑا نقصان ہو گیا ہے۔ حضرت مفتی جمیل احمد صاحبؒ کچھ دیر تو سنتے رہے پھر ایک خاص کیفیت میں فرمایا

”تمہارا کیا نقصان ہوا؟ تمہیں کوئی مسئلہ معلوم کرنا ہو ہم سے معلوم کر لینا، نقصان تو ہمارا ہو ہے کہ ہمیں اب مسئلہ معلوم کرنا ہو گا تو کس سے کریں گے؟“

صدر ایوب خان مرحوم کے زمانہ میں ایک مرتبہ رویت ہلال کا مسئلہ پیش آیا آخر شب میں حکومت نے چاند کا اعلان کر دیا۔ شہادتیں نا کافی تھیں۔ فجر کی نماز کے بعد احقر اپنے والد ماجد مولانا زکی کیفی مرحوم کے ہمراہ جامعہ اشرفیہ حاضر ہوا تو مدرسہ کے دفتر میں جو اُس وقت مسجد کے حوض کی بالائی سطح پر تھا علماء جمع تھے، حضرت مولانا عبید اللہ صاحب مدظلہم، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی نور اللہ مرقدہ اور حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی تشریف رکھتے تھے، لوگوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ باہر سے ٹیلی فون کی بھر مار تھی لوگ مہتمم صاحب سے مسئلہ پوچھتے تو مہتمم صاحب حضرت مولانا ادریس صاحبؒ کی طرف اشارہ کر دیتے حضرت مولانا ادریس صاحب فرماتے کہ بھائی یہ تو شرعی مسئلہ ہے اس میں تو مفتی صاحب کی بات چلے گی اور مفتی جمیل احمد صاحب کی طرف اشارہ فرما دیتے۔ مفتی صاحبؒ فرماتے کہ حکومت جانے اور اس کا مسئلہ میں بہر حال روزہ سے ہوں (یعنی آج عید نہیں ہے) اسی دوران کراچی حضرت مفتی شفیع صاحبؒ قدس

سرہ سے بات ہوئی اور پھر بالآخر مسئلہ کا صاف اعلان کر دیا گیا۔

اندازِ تحریر

حضرت مفتی صاحب کی تحریر اور زبانی عبارت بالعموم مختصر اور حشو و زوائد سے خالی ہوتی تھی بلکہ بعض مرتبہ اختصار کی بناء پر مخاطب کے لئے بات سمجھنا مشکل ہو جاتا تھا۔ ۱۹۳۶ء میں آنکھ میں موتیا ہو جانے کی وجہ سے آنکھ بنوانی پڑی اور اس کے بعد بینائی کا موٹا چشمہ لگنا پڑا اس کی وجہ سے مفتی صاحب کو اپنی تحریر شدہ عبارت موٹی نظر آتی مگر وہ باریک ہوتی تھی۔ کچھ تو حضرت مفتی صاحب کی عبارت مختصر، نیز شروع سے مفتی صاحب طبعی طور پر باریک خط میں تحریر کرتے تھے جس کے الفاظ قریب قریب ہوتے بعد میں آنکھ بنوانے کی وجہ سے خط اور زیادہ خفی ہو گیا علاوہ ازیں ضعف کی وجہ سے نقطے اور شوٹے بکثرت رہ جاتے تھے اس لئے مفتی صاحب کی تحریر کردہ عبارت پڑھنا مشکل ہو جاتا تھا۔

احقر ایک مرتبہ حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانویؒ کی کوئی تحریر حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ کی خدمت میں لاہور سے کراچی لیکر حاضر ہوا۔ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے سر پر ہاتھ رکھ کر فرمایا۔ ارے بھائی میں یہ تحریر کیسے پڑھوں؟

آخر حیات میں حضرت مفتی صاحبؒ نے برادر عزیز مسعود اشرف سلمہؒ کو ”اصلی نماز“ کے نام سے ایک تحریر لکھ کر دی اور تاکید فرمائی کہ اسے جیسی سائز میں چھاپ دو اس کے استن (غالباً دو یا تین ہزار) نسخے میں خود خرید کر تقسیم کرونگا۔ مسعود میاں سلمہؒ نے پڑھنے کی کوشش کی مگر نہ پڑھی گئی کاتب نے کوشش کی مگر اس کے قابو بھی نہ آئی نتیجہ یہ کہ حضرت مفتی صاحبؒ کی یہ تحریر ان کی خواہش اور اصرار کے باوجود طبع نہ ہو سکی انتقال کے بعد احقر نے کوشش کی اور اسے صاف کاغذ پر منتقل کیا جہاں احقر کو بھی کچھ سمجھ نہ آیا تو قریب ترین

الفاظ سے اس تحریر کو مکمل کیا۔ یہ رسالہ بحمد اللہ زیر طبع ہے اللہ تعالیٰ اسے حضرت مفتی صاحبؒ اور احقر کے لئے صدقہ جاریہ بنادے۔ آمین۔

عجیب بات یہ ہے کہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی میں مسلسل تحریری کام کیا۔ وہ تقریر کے نہیں تحریر کے آدمی تھے، ان گنت فتاویٰ ان کے قلم سے جاری ہوئے بے شمار مضامین اور عربی اردو فارسی نظمیں انہوں نے لکھیں جو معروف دینی رسائل میں طبع ہوئیں اور جیسا کہ شروع میں تحریر کیا ”المظاہر، دیندار“ تو خود ان کے اپنے جاری کردہ رسائل تھے جو ان کے اپنے مضامین سے پُر ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ پاکستان میں ”خدام الدین، ترجمان اسلام، صوت الاسلام، پیام مشرق، البلاغ“ اور متعدد دینی رسائل میں ان کے علمی مضامین چھپتے رہے۔ مگر جب حضرت مفتی صاحب کا انتقال ہوا تو ان کے پاس نہ اپنے مضامین کے اصل مسودات تھے اور نہ مطبوع رسائل۔ سلف کیسی عہدیت و فنائیت، اپنے کمال تواضع اور بے نفسی کی وجہ سے انہوں نے ان مضامین کو محفوظ رکھنے کی ضرورت نہ محسوس کی۔ انہوں نے جو لکھا اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے لکھا۔ اور پھر اللہ ہی کے سپرد کر دیا۔

ان الله ما اخذ وله ما اعطى (۱)

احقر نے ان کی خواہش پر ان کی زیر نگرانی سلمان رشدی کے فتنہ ارتداد کے سلسلہ میں توہین رسالت اور اس کی سزا پر ستر اسی صفحات کا ایک مضمون مرتب کیا تھا جس کی عبارات احقر نے جمع کی تھیں ان کا ترجمہ بھی احقر ہی نے کیا تھا اور باقی مضمون حضرت مفتی صاحب کا تھا۔ احقر کی حیثیت ناقل کی تھی اصل فتویٰ حضرت کا تھا۔ یہ مضمون ماہنامہ ”الحسن“

(۱) احقر نے اب تک حضرت مفتی صاحبؒ کے بہتر مقالات و مضامین اور دعائی جزار سے زائد اردو اشعار اور چار سو سے زائد عربی اشعار جمع کر لئے ہیں جو ان شاء اللہ کتابی شکل میں شائع کئے جائیں گے۔ جن میں سے کچھ چھپ چکے ہیں، الکل وجوب قربانی مقالات بہت چار مقالے۔ اور ذرا نظر کتاب مقالات قرآنی کے آٹھ مقالے۔ عربی اشعار پر ایم۔ اے کا مقالہ مولوی رشید احمد سلیمان قادری احمد مہاں تھانوی نے لکھا ہے۔

کی ایک اشاعت میں طبع ہوا تھا۔ حضرت کے انتقال سے کچھ عرصہ قبل احقر نے چاہا کہ کم از کم حضرت مفتی صاحب کا یہ ایک مضمون ہی کتابی شکل میں طبع ہو جائے چنانچہ احقر نے اسے ترتیب دے کر ”توہین رسالت اور اس کی سزا“ کے نام سے طبع کرنے دیا۔ مگر قدرت کا کرشمہ کہ یہ کتاب بھی حضرت کے انتقال کے ایک ہفتہ بعد ہی طبع ہو کر آئی۔ احقر کو ایسا معلوم ہوا کہ جیسے حضرت مفتی صاحب نے اپنی زندگی میں اس دنیائے دنی سے کوئی جزاء نہ لینے کا تہیہ کیا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے حق تعالیٰ شانہ نے ان کے سب کاموں کا پورا پورا اجر آخرت کے لئے ذخیرہ فرمادیا۔ جزاء اللہ تعالیٰ من عندہ خیر الجزاء بما هو ابلہ

حضرت مفتی صاحب کے انتقال کے بعد ان کے سب سے بڑے صاحبزادہ استاذ محترم حضرت مولانا مشرف علی تھانوی صاحب مدظلہم اور سب سے چھوٹے صاحبزادہ عزیزم مولانا غلیل احمد تھانوی سلمہم اللہ نے حضرت کے مآثر کو جمع کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے اور جناب غلیل میاں بہت تندہی سے یہ کام کر رہے ہیں۔ امید ہے کہ انشاء اللہ حضرت کے یہ مآثر و معارف جمع ہو کر سامنے آئیں گے تو امت کے لئے بہت نفع کی چیز ہوگی۔ غلیل میاں کو یہ سعادت بھی حاصل ہے کہ وہ مفتی صاحب کے آخری سالوں میں ان کے دست و بازو بنے رہے بلکہ بلا مبالغہ انہوں نے مکمل ادب پوری سعادت مندی اور حکمت و دانائی سے اپنے والد کی ایسی خدمت کی ہے جس کی مثال کم از کم احقر کے سامنے نہیں۔ امید ہے کہ اپنے والد کی یہ محبت بھری جسمانی خدمت انشاء اللہ اب ان کیلئے روحانی اور علمی خدمت کا پیش خیمہ ثابت ہوگی۔

مسکنت اور بے نفسی

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے احقر کو محض اپنے فضل و کرم خاص سے اولیاء اللہ اور اپنے

زمانہ کے اکابر علماء کی خدمت میں حاضری اور صحبت سے بلا استحقاق نوازا اور حضرت مفتی صاحبؒ کی خدمت میں تو بہت حاضری رہی۔ بلکہ حاضر باش رہا۔ احقر نے حضرت مفتی جمیل احمد تھانوی صاحبؒ (اور حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ) کے یہاں بے نفسی مسکنت اور دنیا سے دل اٹھ جانے کی خاص کیفیت عجیب و غریب محسوس کی ہے۔ حضرت مفتی صاحب کے والد کا بچپن میں انتقال ہو گیا تھا۔ والدہ، بہنوں اور چھوٹے بھائی مولانا محمد احمد تھانویؒ (مہتمم وبائی جامعہ اشرفیہ سکھر) کی کفالت انہیں کے سر تھی پھر غربت و افلاس کا دور دورہ رہا۔ اس لئے مفتی صاحب نے بڑی مشقت کی زندگی برداشت کی اور بہت تکلیفیں اٹھا کر علم دین کا پرچم تھامے رکھا۔

شادی کے بعد بھی بعض اقرباء و متعلقین کی طرف سے نگوینی طور پر دل ٹوٹنے کے ایسے واقعات پیش آئے جس سے حضرت مفتی صاحب کی طبیعت پر غیر معمولی اثرات پڑے، پھر جن اداروں سے ان کا تعلق رہا وہاں بھی ان کی ہمت افزائی کم ہوئی بلکہ عدم تعاون کا عمل زیادہ جاری رہا اس طرح انہوں نے تقریباً پوری زندگی تنہا گزاردی اس تنہائی میں ان کی غمگسار و مونس وہ ذات باری تعالیٰ تھی جس کی پناہ ہر مسکین و غریب کیلئے سرور قلب و نظر ہے۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ رسول اللہ ﷺ کی اس دعا کا مظہر تھے اللھم احببنی مسکینا و امتنی مسکینا و احشرنی فی زمرۃ المساکین اے اللہ مجھے مسکین زندہ رکھے، مسکنت کی موت عطا کیجئے اور مساکین کے گروہ میں مجھے اٹھائیے۔

حضرت مفتی صاحب آخر شب میں تین چار بچے اٹھ بیٹھتے تھے بس وہ ہوتے اور ان کا پروردگار بعد میں دن بھر وہ ہوتے اور مسلسل دینی کام۔ مفتی صاحب روزانہ پیدل یا

بس کے ذریعے پہلے گولڈنگ روڈ نزد گنگارام کے گھر سے جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد تشریف لاتے، پھر جب ماڈل ٹاؤن تشریف لے گئے تو وہاں سے مسلم ٹاؤن جامعہ اشرفیہ بس کے ذریعہ تشریف لاتے اور بس کے ذریعہ ہی واپس جاتے تھے۔ ایک پرانے کپڑے کے بنوہ میں چند سکے ان کے پاس ہوتے تھے جن کے ذریعے وہ بس کا کرایہ ادا کرتے تھے۔ شدید گرمی کے زمانہ میں وہ ساری دوپہر دارالافتاء میں گزارتے تھے۔ ایسی گرمی میں چند بیسوں کا برف منگوا کر ایک پرانے تھرماس میں وہ برف رکھتے تھے اس تھرماس میں تھوڑا سا پانی ڈال کر نکالتے ایک اجلے کنورہ میں پانی نکال کر اس ٹھنڈے تچ بست پانی کو گھونٹ گھونٹ پی کر ختم کرتے۔ یہ غالباً ان کی سب سے بڑی عیاشی تھی۔ جس کے وہ عادی تھے۔ ورنہ چائے یا اور دوسری چیزوں سے انہیں کوئی خاص رغبت نہیں تھی۔ عصر کے بعد واپس بس کے ذریعے ہی گھر روانہ ہوتے۔ کبھی کبھار کوئی صاحب اسکوٹر پر حضرت کو ماڈل ٹاؤن لے جاتے تو مشقت کچھ کم ہو جاتی آخر حیات میں ضعف زیادہ ہو گیا تو جامعہ اشرفیہ کے منتظمین کو حضرت کو لانے اور لیجانے کیلئے مدد کی کار کا بندوبست کر دیا جو حضرت کو لاتی اور لے جاتی تھی جس کے بعد حضرت مفتی صاحب کی یہ مشقت ختم ہوئی۔

ابتدائی زندگی میں حضرت کے ذرائع آمدنی نہ ہونے کے برابر تھے بچے بھی زیر تعلیم تھے اس لئے مفتی صاحب کا ہاتھ تنگ تھا البتہ بعد میں صاحبزادگان ماشاء اللہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے تو وسعت ہو گئی۔

آخر حیات میں فرماتے کہ ”مجھے زندگی بھر یہ خواہش رہی کہ میں شامی کا ایک نسخہ ذاتی طور پر اپنے لئے خریدوں اس کی اس طرح جلد بندی کرواؤں کہ ہر صفحے کے بعد ایک صفحہ سفید کاغذ لگا ہو۔ پھر ہر مسئلہ سے متعلق شامی کے علاوہ دوسری کتابوں میں جو کچھ لکھا ہو وہ شامی کے سامنے نقل کر دوں تاکہ اس مسئلہ سے متعلق تمام پہلو ایک جگہ جمع ہو جائیں مگر

افسوس کہ زندگی بھراتے پیسے ہی نہ ہوئے کہ اپنی شامی خرید سکوں پھر فرمایا کہ اب بحمد اللہ وسعت ہوگئی ہے مگر اب صحت ہی ختم ہوگئی ہے۔ (۱)

شگفتگی اور زندہ دلی اور ہمت

مسکنت، بے نفسی اور مشقت کی اس زندگی کے ساتھ حضرت مفتی صاحب کا دل زندہ تھا۔ ان کی ہمت بلا کی تھی اور ان کی شگفتہ طبعی اور چکلی اپنی مثال آپ تھے۔

جامعہ اشرفیہ لاہور کے دارالافتاء میں ایک دن ایک تاجر جن کا حضرت سے محبت کا پرانا تعلق تھا حاضر ہوئے، دروازہ ہی سے اپنی کمزوری اور بیماریوں کی شکایت کرنے لگے کہ حضرت میں کمزور ہو گیا ہوں اب مجھ سے زیادہ چلانٹیں جاتا۔ حضرت نے پوچھا کہ ارے بھائی اب تمہاری عمر کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ حضرت ساٹھ سال سے زیادہ ہوگئی ہے۔ (حضرت مفتی صاحب کی اپنی عمر اس وقت ۸۷ سال تھی) حضرت ان کی بات سن کر سیدھے کھڑے ہو گئے فرمایا تم بڑھے ہو گئے ہو مگر میں تو ابھی جوان ہوں ابھی میری عمر ہی کیا ہے؟ ۴۳ اور ۴۴ سال تو کل میری عمر ہے۔

$$(۸۷ = ۴۳ + ۴۴)$$

ایک مرتبہ احقر حاضر ہوا عرض کیا حضرت طبعیت کیسی ہے کیا حال ہے؟ فرمایا بس اب میں دکاندار نہیں رہا۔ احقر نے عرض کیا کہ حضرت تو پہلے بھی دکاندار نہ تھے۔ فرمایا نہیں پہلے میں ”دوکان دار“ تھا میرے دونوں کان صحیح کام کرتے تھے آج کل ایک کان بند ہے دوسرا کام کر رہا ہے اس لئے اب میں ”ایک کان دار“ ہو گیا ہوں۔

پھر فرمایا کہ دکاندار کو بھی دوکاندار اسلئے کہا جاتا تھا کہ اس کے دونوں کان اور

(۱) حضرت یہ بھی فرماتے تھے کہ دکاندار شامی۔ سامنے بٹنی آتا ہیں، دی ہیں وہ کسی دکاندار کے سامنے نہیں رہیں اس لئے شامی کی تحقیق سب سے زیادہ قابل قبول ہے لہذا اگر کچھ کتابیں ان کی نظر سے نہ گذری ہوں یا کوئی تحقیق کسی اور کتاب میں موجود ہو اور وہ شامی کے حاشیہ پر درج کر دی جائے تو مقتبان کرام کے لئے بہت نفع صورت ہو جائیگی۔ محمود غنی حد

دونوں آنکھیں گاہکوں کی بات سننے اور انہیں دیکھنے میں منہمک رہتی ہیں۔ کبھی ایک گاہک کی بات سنتا ہے کبھی دوسرے گاہک کی۔

ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحب کراچی تشریف لائے۔ کراچی وسیع شہر ہے ملنا ملنا مشکل ہے۔ ایک صاحب حضرت مفتی صاحب کے ساتھ ہوئے ایک کار کا بندوبست کیا اور مختلف جگہوں میں حضرت مفتی صاحب کو ملایا۔ حضرت مفتی صاحب کی اپنے بھتیجے مولوی راحت علی صاحب سے ملاقات ہوئی تو فرمایا بھائی آدمی کراچی آئے اور سب سے ملنا چاہے تو دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک کار اور دوسرا بے کار (یعنی ایک تو کار ہو اور دوسرا کوئی ایسا شخص جو فارغ ہو اور سب سے ملاقات کرادے)

حضرت مفتی صاحب کی عام گفتگو میں یہ لفظی اور علمی لطائف بکثرت ہوتے تھے غالباً حضرت کے صاحبزادہ مولانا غلیل احمد صاحب نے انہیں جمع کرنا بھی شروع کر دیا ہے۔

احقر پر خصوصی شفقت اور احسان

اس ناچیز پر حضرت والا کی شفقت بجز اللہ بچپن ہی سے بلا استحقاق رہی۔ احقر کی عمر دس سال تھی جب حفظ قرآن مکمل ہو۔ احقر کے دادا حضرت اقدس مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ نے اس موقع پر فارسی میں ایک نظم تحریر فرمائی جس کے ابتدائی دو شعر یہ تھے۔

اے کہ نعمتجائے تو بالا ترا از حسابان ما ہم بتو فریاد ما از تنگی دامن ما
ما نبودیم و نقاضا ما نبودہ اے کریم خود ز جود تو وجود ما و ہم ایمان ما

اور آخری شعر تھا

بہر سال حفظ قرآنش دعا یم یاددار عالم قرآن گر دو حافظ قرآن ما

اس موقع پر حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانویؒ نے بھی اردو میں ایک طویل نظم تحریر فرمائی تھی جو اس شعر سے شروع ہوئی تھی۔

خدائے وحدہ کا خاص جب احسان ہوتا ہے تو پتلا خاک کا یوں حافظ قرآن ہوتا ہے
اور درمیان کے شعر یہ تھے:

مبارک ہو میاں محمود تم کو اس قدر نعمت کہ تم پر حق تعالیٰ کا بڑا احسان ہوتا ہے
خدائے آج تو حافظ بنایا تم کو قرآن کا مگر حافظ وہ ہے جو ماہر قرآن ہوتا ہے
خدا وہ دن کرے تم حافظ و قاری ہو عالم ہو وہ عالم ہو کہ جس پر سایہ رحمان ہوتا ہے
کہو تم نام روشن خاندان علم و تقویٰ کا وہ رتبہ پاؤ جو علم و عمل کی جان ہوتا ہے

اردو میں ایک قطعہ تاریخ لکھا جس کا دوسرا شعر یہ تھا

ہاں ہاں مبارک آپ کو سب اقربا احباب کو
تاریخ اگر پوچھے کوئی کہہ ”حفظ قرآن ہو گیا“

۱۳۸۱ھ

ایک قطعہ تاریخ فارسی زبان میں تحریر فرمایا جو یہ تھا

محمود تو حافظ شدی عالم کناد اللہ ہم
تاریخ می پر سنداگر گو حافظ قرآن ام

۱۳۸۱ھ

احقر کی شادی ہوئی تو تاریخ نکالی ”شغف بہا حباً“

احقر کو بھگد لہ حضرت سے جلالین شریف اور ابوداؤد شریف پڑھنے کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔ جامعہ اشرفیہ لاہور سے دورہ حدیث کرنے کے بعد جامعہ دارالعلوم کراچی میں اپنے جد مشفق حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ کی خدمت میں

تخص فی الافاء کے عنوان سے رہنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ جس کے بعد واپس جا کر جامعہ اشرفیہ میں بحیثیت استاذ تقرر ہوا تو حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب کے پاس دارالافتاء میں بیٹھنے اور کام کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ حضرت مفتی صاحب کے بارے میں عام تاثر یہ تھا کہ دارالافتاء لاہور میں حضرت کے پاس بیٹھنا اور حضرت سے استفادہ کرنا بہت مشکل ہے۔ لیکن حق تعالیٰ کا کیسے شکر ادا ہوا اور حضرت مفتی صاحب کے احسانات کا کیسے شکریہ ادا کروں کہ حضرت نے اس ناکارہ و آوارہ پر بہت ہی شفقت فرمائی۔ اور اپنے ساتھ لگائے رکھا۔ البتہ دو سال بعد فرمایا: بحمد اللہ تمہیں مناسبت ہے اور تم یہ کام کر سکتے ہو۔ مگر میرا مشورہ ہے کہ تم کتابیں پڑھاؤ اور جب تک موقوف علیہ کی کتابیں پڑھاؤ تو پھر یہ کام کرو تو انشاء اللہ بہت فائدہ ہوگا۔ (۱) چنانچہ حسب ارشاد احقر کتب کی طرف متوجہ رہا اور مدرسہ کا سارا وقت تدریس میں لگانے لگا۔

احقر کے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کی وجہ سے بہن بھائیوں اور ادارہ اسلامیات کی ذمہ داری احقر پر بڑھ گئی تو خاصے طویل عرصہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے دارالافتاء کے باضابطہ تعلق میں انقطاع رہا اور دارالافتاء میں باقاعدہ بیٹھنے کی سعادت سے محروم رہی۔ یہاں تک کہ چھوٹے بھائی بڑے ہو گئے اور احقر کی گھریلو ذمہ داریوں میں کچھ تخفیف ہو گئی تو ادھر آہستہ آہستہ نیچے کی تمام کتابیں پڑھانا ہوا بحمد اللہ احقر موقوف علیہ تک پہنچ گیا تو حضرت مفتی صاحب احقر کو تاکید کرنے لگے کہ اب تم دارالافتاء میں کام شروع کر دو۔ کئی مرتبہ احقر کو دیکھ کر فرمایا: کہ سب کو دیکھ کر خوشی ہوتی ہے مگر تمہیں دیکھ کر رنج ہوتا ہے احقر نے عرض کیا کہ حضرت کیوں؟ فرمایا تم کام کر سکتے ہو مگر اب آتے

(۱) حضرت مفتی صاحب یہ بھی فرماتے تھے کہ یہی مفتی صحیح طور پر فتویٰ کا کام سرانجام دے سکتا ہے جس نے کم از کم موقوف علیہ تک کی تمام کتب (فنون سمیت) پڑھ لی ہوں اور ایک عرصہ کسی جید مفتی کی زیر نگرانی فتویٰ کا کام کرتا رہا پھر نہ اس کا فتویٰ کچھ بڑا ہے۔ محمود علی ع

الحمد للہ کہ آخر میں پھر پابندی کے ساتھ دارالافتاء جانے لگا اور حضرت کے پاس بیٹھنے لگا۔ اپنی غفلت کی بناء پر گو حضرت سے وہ حاصل نہ کر سکا جو کرنا چاہتے تھا مگر حضرت کی زیارت اور صحبت کی برکات سے بحمد اللہ محرومی نہ رہی۔

میخانہ کا محروم بھی محروم نہیں ہے

البتہ اب پچھتاوا ہوتا ہے کہ عرضائع کردی (۱) اور ایسی بے مثال شخصیت کی قدر کی نہ ان سے صحیح طور پر استفادہ کیا۔ ان کی شفقتیں یاد آتی ہیں تو دل مسوس کر رہ جاتا ہے۔ لیکن اب پچھتانے سے کیا حاصل انا للہ وانا الیہ راجعون۔ غفر اللہ تعالیٰ لہ ورحمہ رحمة واسعة واعلی اللہ تعالیٰ درجاتہ فی الجنة وجزاہ اللہ تعالیٰ عنا خیر الجزاء۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائیں اور اپنی بارگاہ سے انہیں اجز جزیل عطا کریں۔ آمین

احقر

(۱) یہ سوانح کی عاجزی ہے ورنہ الحمد للہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے استاد مکرم حضرت مولانا مفتی محمود اشرف صاحب مدظلہ العالی سے باوجود یکہ والد صاحب کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور کچھ نے بھائیوں کی سرپرستی کے علاوہ ادارہ اسلامیات کی ذمہ داری بھی کندھوں پر آ پڑی ان اکابرین مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ اور والد صاحب قدس سرہ کی خصوصی توجہ اور دعاؤں کی برکت سے اس مقام پر فائز کر دیا کہ آج اپنے دادا مکرم کی جگہ دارالعلوم کراچی میں مستد افتاء پر فائز ہیں اور اپنے علوم سے ایک عالم کو فیض یاب کر رہے ہیں اپنے استاد مفتی جمیل احمد تھانویؒ کی نثر غنوی کے ساتھ احادیث کی کتب بھی پڑھا رہے ہیں۔ ذلک فضل اللہ یزیدہ من یشاء۔ غلیل احمد تھانوی

بروفات حسرت آیات حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی نور اللہ مرقدہ

تاریخ وفات ۲۲ رجب ۱۴۱۵ھ، مطابق ۲۵ دسمبر ۱۹۹۴ء

کون امت کے دکھوں کا اب بتائے گا علاج
 آہ رخصت ہو گئے وہ مفتی اعظم بھی آج
 نبض امت پر رکھے گا کون انگشت شفاء
 کون بیمار ان ملت کے لئے دے گا دوا
 کون شفقت سے سنے گا سب کے اشکالات کو
 حل کرے گا کون اہل دین کے شبہات کو
 راہ رو کو منزل مقصود تک لائے گا کون
 قوم کو ظلمت کدہ میں راہ دکھلائے گا کون
 ہر عمل میں ہوگا خود قرآن کی تفسیر کون
 بن کے دکھلائے گا اب اسلاف کی تعبیر کون
 کس سے ہوگا عام اب یہ درس فقہ و اجتہاد
 کس کے فتوؤں پر کریں گے اہل دانش اعتماد
 اٹھ گیا ہے اجتہاد و فقہ کا دُرِ عظیم
 ہوئی ہے بالیقین اب مسند افتاء یتیم
 جارہا ہے کون یہ اشکوں کا طوقاں چھوڑ کر
 قلب حیران، روح بریاں، چشم گریاں چھوڑ کر

کس کی میت ہے یہ کاندھوں پر بتاے بخودی
دیکھتے ہیں حسرتوں سے جس کو علم و آگہی

کس مے دم سے تھی بہار جاوداں کی رونقیں
اٹھ گیا ہے کون لے کر گلستاں کی رونقیں
وہ سراپا علم و دانش زہد و تقویٰ کا علم
یاد کر کے رو رہے ہیں جس کو قرطاس و قلم

وہ سراپا دین کا پیکر تھی جس کی زندگی
سنت اسلاف کا منظر تھی جس کی زندگی
ہر ادا تھی جس کی دین حق کا پیغام ثبات
ہر عمل تھا جس کا ملت کے لئے درس حیات

وہ سراپا مسلک اسلاف دیوبند کا ثبوت
وہ سہارنپور کے درس مظاہر کا سپوت
مسلک تھانہ بھون کی ایک تابندہ شناخت
زندگانی جس کی تھی سنت کی اک زندہ شناخت

اسعد اللہ اور خلیل احمد کا تلمیذ رشید
خانقاہ اشرف و امداد اللہ کا حنفیہ
وہ سعید احمد کا داماد اور سعید احمد کا پوت
خاندان اشرف و امداد اللہ کا سپوت

اب کہاں سے لائیں گے وہ پیکر علم و عمل
کب ملے گا امت مرحوم کو نعم البدل

علم و دانش کے در و دیوار سب افسردہ ہیں
جامعہ کے یہ گل و گلزار سب افسردہ ہیں

ہر جگہ افسردہ ہے ہر آنکھ ہے آج انگبار
کون اٹھا ہے کہ جس پر آسمان ہے سو گوار

مسند تحقیق لگتی ہے کوئی افسانہ آج
یہ ادارہ اشرف التحقیق ہے ویرانہ آج

ہر افق پر آج کس کے علم و دانش کی ہے دھوم
یاد کرتا ہے کسے ہر گوشہ دار العلوم

میکدہ سے اٹھ گیا ہے وہ حسین وہ خوب رو
عمر بھر روئیں گے جس کو جام و مینا و سیو

کون لے کر چل دیا یوسف کو اس بازار سے
سکیاں سنتا ہوں عارف ہر درود یوار سے

عارف ان کے نقش پا اک جادہ جمشید ہیں
اپنی سیرت سے وہ اب بھی زندہ جاوید ہیں

(حضرت مولانا مشرف علی تھانوی عارف دامت برکاتہم)

ary.blogspot.com

zoolun-elibrary.blogspot.com



ary.blogspot.com

zoolun-elibrary.blogspot.com

قرآن اور ہم^(۱)

نعت عظمیٰ

دنیا بھر میں صرف مسلمانوں کو ہی یہ نعت عظمیٰ حاصل ہے کہ ان کے پاس اللہ کی کتاب اس شان سے موجود ہے کہ جس کا حرف حرف یقینی ہے۔

دوسروں کے پاس یا تو خدائی کتاب ہی نہیں۔ مذہب نام سے ایک ڈھونگ ہی ڈھونگ ہے۔ یا برائے نام ہے۔ تو چند لوگوں کے لکھے ہوئے ترجمے جن کی اصل نایاب اور یہ معلوم کرنا ناممکن ہے کہ ترجمہ صحیح بھی ہے یا نہیں اور صحیح ہے تو کونسا صحیح ہے۔

صرف ترجمہ کلام الہی نہیں ہو سکتا

پھر خدائی کتاب کا ترجمہ انسان سے ہونا ہی محال ہے۔ اگر صحیح بھی مل جائے تو اس کو خدائی کتاب نہیں کہا جاسکتا۔

محال اس لئے کہ الفاظ مضامین کی ادائیگی کا آلہ ہیں۔ خدائی ایک ایک لفظ، ایک حرف، بلکہ ایک ایک نقطہ اپنے اندر بہت بہت معانی کو لئے ہوتا ہے، اور ترجمہ کا مطلب یہ ہے کہ ان تمام معانی کا احاطہ کرنے والا، اپنی زبان کا لفظ خدائی لفظ کی جگہ رکھ دیا جائے، نہ انسان کا علم خدا کے برابر، نہ انسان کی قدرت خدا کے برابر، نہ ہر انسان کو ان تمام معانی کا علم، نہ ایسا کوئی لفظ انسان کی قدرت میں ہے جو ان تمام معانی کا احاطہ کر سکے۔ اس لئے انسان سے الفاظ الہی کا ترجمہ ہی ممکن نہیں۔

(۱) حضرت مفتی صاحب کا یہ مقالہ ۵ اپریل ۱۹۵۷ء کو خدام الدین میں طبع ہوا۔

انجیل و توریت وغیرہ کے ترجمہ کی حقیقت

ہاں بہت بہت احتمالات و معانی میں سے ایک ایک لے کر اس کے مقابل اپنی زبان کا لفظ رکھ دینا مجازاً برائے نام ترجمہ، اور حقیقت میں الفاظ خداوندی کی اپنے ناقص علم کے مطابق ایک مختصر تشریح کہلا سکتی ہے۔ اور دینا جانتی ہے کہ اصل اور چیز ہے اور تشریح اور چیز، اب اگر کسی خدائی کتاب کی اصل موجود نہ ہو اور یہ مختصر تشریحات جن کا نام ترجمہ رکھ دیا گیا ہے ملتی ہوں تو کون کہہ سکتا ہے کہ وہ خدائی کلام ہو سکتا ہے۔ سوائے دھوکہ اور پروپیگنڈہ کے اس کی کوئی حقیقت نہیں بن سکتی (۱)۔ بلکہ یہ تشریحات بھی غیر نبی سے ہونے کی وجہ سے ناقابل اعتبار ہوں گی جن کو خدائی کتاب تو کیا مذہبی بات بھی کہنا مشکل ہے۔

قرآنی تراجم کے صحیح ہونے کی وجہ

تشریحات کے معتبر ہونے کا فخر بھی صرف مسلمانوں ہی کو حاصل ہے۔ کہ ان کی خدائی کتاب کی تشریحات حضرت نبی ﷺ سے معتبر سندوں سے ثابت ہیں۔

قرآن کے علاوہ کسی آسمانی کتاب کی صحت کا ثبوت ممکن نہیں

اول تو سوائے قرآن شریف کے کسی مذہب کی بنیاد یعنی کتاب الہی کی آج اصل ہی نہیں ملتی، اگر کوئی شخص کسی کتاب کے متعلق دعویٰ بھی کر دے تو اس کا ثبوت یقینی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہزاروں برس کے بعد آج کسی ایسی کتاب کے متعلق جس سے دنیا قطعاً نا آشنا (۲) ہے یہ دعویٰ ہوگا تو بالکل بلا سند اور قطعاً ناقابل قبول ہوگا۔ پھر کسی لفظ پر بھی اطمینان نہیں ہو سکتا۔ کہ اصل کیا ہے؟ تبدیلی کیا ہے؟

(۱) اس لئے کہ جب وہ الفاظ جن میں یہ کلام نازل ہوا تھا سامنے موجود نہیں تو اس بات کی کوئی دلیل نہیں کہ مذکورہ ترجمہ صحیح ہے اور انہی الفاظ کا ہے جو نازل ہوئے تھے۔ اس لئے یہ صرف دھوکہ ہے (۲) تاواقف۔

کتاب الہی کے ثبوت کی شرائط

کسی کتاب کے کتاب الہی ثابت ہونے کیلئے کئی باتوں کی ضرورت ہے۔

- ۱۔ کس پر نازل ہوئی۔
- ۲۔ وہ نبی تھا یا نہیں اور اس کی نبوت پر کیا دلیلیں ہیں۔
- ۳۔ کب نازل ہوئی۔
- ۴۔ اس نزول کے واقعات کو اس شخص کے علاوہ اوروں نے بھی جو اس زمانہ میں موجود تھے کچھ نہ کچھ آثار سے دیکھا یا نہیں۔
- ۵۔ اس وقت کے لوگوں میں کسی نے اس کو کتاب الہی تسلیم کیا یا نہیں۔
- ۶۔ اور پھر ہر بات کی سند کیا ہے اور وہ سند کیسی ہے۔ یقینی ہو سکتی ہے یا نہیں اور دنیا جانتی ہے کہ نقل کے واسطے یقینی دلیل صرف ایک دلیل ہوتی ہے کہ ابتدائے زمانہ سے لے کر آج تک اس کے نقل و بیان کرنے والے ایسی کثیر تعداد میں ہوں کہ عقل ان کے جھوٹ پر جمع ہونے کو محال سمجھتی ہو۔
- ۷۔ پھر اس کتاب کا حرف حرف بے کم و کاست (۱) اول سے آج تک ویسے ہی ہو اور اسی قدر نقل کیساتھ محفوظ آ رہا ہو۔
- ۸۔ اور جب تک دنیا میں کاغذ اور تحریر کا رواج نہ تھا۔ کم سے کم اس وقت تک تو اتنے لوگ منہ زبانی حرف بحرف یاد رکھنے والے ہوں کہ سرمود (۲) تغیر و تبدل نہ ہوا ہو۔
- ۹۔ پھر بعد میں صرف تحریر پر مدار نہ ہو۔ کہ ممکن ہے جس کے پاس وہ تحریر موجود ہو اس نے کوئی ردو بدل کر دیا ہو۔
- ۱۰۔ پھر تحریریں بھی اول سے جب سے شروع ہوئی ہوں اس قدر تعداد میں ہوں کہ

(۱) بغیر کمی زیادتی کے ابتدا نزول سے آج تک محفوظ ہو (۲) بال برابر بھی تبدیلی نہ ہوئی ہو۔

کوئی عقل ان کو غلط، جھوٹ یا رد و بدل کیا ہوا تسلیم نہ کر سکے۔ (۱)

۱۱۔ پھر جس پر نازل ہوا ہو اسی سے اس کی ہر تشریح و کیفیت معتبر ذرائع سے ثابت ہو۔ اس قدر پکا پختہ ثبوت ہو تو اس وقت وہ کتاب کتاب الہی ثابت ہو سکتی ہے۔

صرف قرآن سب شرائط پر پورا اترتا ہے

اب آپ خود انصاف سے غور کر کے دیکھ لیں کہ کیا آج ساری دنیا میں سوائے ایک قرآن مجید کے کوئی اور خدائی کتاب کہیں ایسی موجود ہے جس کو ہر عقل و انصاف والا اس پختہ ثبوت کی کسوٹی پر پرکھ کر خدائی کتاب اور اس سے متعلق مذہب کو خدائی مذہب کہہ سکے۔ بجز (۲) اس کے کہ خود قرآن مجید نے جس کے متعلق جتنا بتایا ہے وہ اس کا ثبوت ہے لہذا اگر کسی کتاب کے نام کے نفس کتاب الہی کے نام ہونے کا پھر کوئی ثبوت ہے تو وہ بھی مسلمانوں کے پاس (۳) ہے دوسرا کوئی اس نام کی کتاب کو کتاب الہی ہونا ثابت نہیں کر سکتا۔

اعجاز قرآن

ساری دنیا میں یہ نعمت عظمیٰ صرف اور صرف مسلمانوں کو ہی حاصل ہے کہ ہر زبان میں اول سے لے کر آج تک سینکڑوں نہیں بلکہ لاکھوں اور کروڑوں وہ حافظ رہے ہیں کہ حرف تو حرف نقطہ نقطہ اور زیر و بر تک اس قدر محفوظ کہ سارے عالم میں اس کی کوئی مثال نہیں ہے۔ آج کوئی لکھنے چھاپنے والا ذرا بھی بھول چوک کر جاتا ہے تو اتنے عالم اس کا چیچھا لیتے ہیں کہ جان چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے۔

(۱) یعنی تحریر میں بھی تو اترا ہو (۲) سوائے (۳) مطلب یہ ہے کہ توریت، انجیل، زبور، نامی کتابوں کو جو اللہ کا کلام کہا جاتا ہے تو ان ناموں کی کتابوں کا کلام الہی ہونا بھی صرف قرآن ہی سے ثابت ہے غیر مسلموں کے پاس تو اس کا بھی ثبوت نہیں۔

تشریحات قرآن کی حفاظت کے لئے مختلف علوم کی ایجاد

بلکہ حضرت نبی ﷺ سے پختہ ثبوت و سند سے اس کی تشریحات و تفصیلات اور پھر ہر ہر جز کیلئے پورے فن کے فن بنادئے ہیں۔

مفرد لفظ کے مادہ کے لیے علم لغت اور صورت کیلئے علم صرف، باہمی ربط قریب اشکل کیلئے علم الاشتقاق، مرکبات کے باہمی تعلق کے لیے علم نحو، دلالت پر معنی کے تفاوت کے لیے معانی و بیان، عمدگی سمجھنے کیلئے علم بدیع، معانی اخذ کرنے کیلئے اصول فقہ، مسائل ماخوذہ کے لیے علم عقائد و فقہ و تصوف، طرز استدلال کیلئے منطق، رفع شبہات کیلئے فلسفہ تشریحات کیلئے علم تفسیر تفصیلات کیلئے علم حدیث مع علوم متعلقہ۔ (۱)

اس لئے اس گئے گزرے زمانہ میں بھی آج سارے عالم میں اس باب میں کوئی شخص عالم سے آنکھ ملانے والا نہیں ہے۔ یوں حیاء و غیرت کو بالائے طاق رکھ کر چھوٹا سا دعویٰ کر دینا انصاف کا خون کرنا عقل والوں کو دیوانہ بنانا اور ساری دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنا ہے

دین صرف اسلام ہی ہے

لاریب۔ ”ان الدین عند اللہ الاسلام“ (۲) (بیشک دین تو خدا کے نزدیک اسلام ہی ہے) ”ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه“ (۳) (اور جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی دین لائے گا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائیگا)

(۱) گو یا قرآن پاک کی حفاظت کیلئے نہ صرف یہ کہ مذکورہ بالا علوم ایجاد کیے گئے بلکہ ان کی حفاظت کی گئی تاکہ اللہ پاک کی صحیح مراد کو سمجھنے اور ترجمہ میں غلطی نہ ہو (۲) سورۃ ال عمران آیت ۱۹ (۳) سورۃ ال عمران آیت ۸۵

لمحہ فکر یہ

اب ذرا ہم میں سے ہر شخص اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھے کہ اس زمانہ میں ایسی عظیم الشان اور یکتا نعمت (۱) کی کیا قدر کی ہے اور اس قدر شناسی کے اہم ترین فرض کی ادائیگی میں کتنا حصہ لیا ہے (۲) اور اپنے دل و دماغ سے، جسم و جان سے، اولاد و اقرباء سے، عزت و جاہ سے، دولت و ثروت سے کتنی حق شناسی کی ہے۔

الفاظ و معنی کی حفاظت کیلئے ہم نے کیا کیا؟

کئی بیشی سے بچانے کیلئے ہم نے خود یا بذریعہ اولاد و اعزہ، احباب، اس کے لفظ لفظ کو محفوظ کرنے میں کیا کوشش کی ہے مفہم قرآن کا کتنا کام کیا۔ کتنے دھڑ سے قائم کرائے کتنے آدمی اس میں لگائے کتنی امداد اس کیلئے منظور کی کتنے قدم اس کیلئے اٹھائے کتنے لوگوں کو اس طرف توجہ دلائی۔

قرآن شریف کے مضامین و احکام مع تشریحات نبویہ و تابعین نبی کس کس نے کتنے کتنے حاصل کیے اور اس کے کتنے انتظامات کئے؟ اگر کیے تو معتبر اہل علم و اہل حق کے ذریعے کس نے کئے اور گمراہ لوگوں کے ہاتھ کتنے بکے۔

اغیار کی تحریف سے بچانے کیلئے کیا کیا؟

یورپ سے متاثر ہو نیوالے طبقہ نے جو تحریفات معنوی کر کر کے یورپی نظریات کو خدائی احکام بنانے کی کوششیں جاری کر رکھی ہیں ہم نے قرآن کی حفاظت کیلئے ان کا کیا تذکرہ کیا کونسا ادارہ قائم کیا۔ اور کس طرح ان دوست نما دشمنوں کے حملوں سے قرآنی احکام کی حفاظت کی اور کہاں تک یورپ کے اور دوسرے کفار کے اثرات سے مسلمانوں کو

(۱) یعنی قرآن حکیم (۲) اس کی قدر و منزلت کو پہچاننے کے فریضہ کو ہم نے کتنا ادا کیا ہے۔

بچانے اور اثر کی مکافات کے ادارے قائم کئے۔

قیام مدارس میں کیا کوشش کی؟

قرآن مجید کے اشارات اور کنایات اور اجمالوں کی تفصیلات (۱)، حدیث شریف، اجماع امت اور فقہ سے حاصل شدہ احکامات کے درس تدریس میں ہم نے کتنا حصہ لیا، اس کے حقیقی اور کل احکام کی اشاعت اور تحصیل میں کیا کیا کوششیں کیں، اور اپنی مادری زبان میں ان کی کتنی درسگاہیں قائم کر کے مسلمانوں کو پکا پختہ مسلمان اور خود اور سب کو قرآنی رنگ میں رنگنے کی سعی کی، کتنے شعبہ مدرسہ بنائے کتنوں کو دین سکھایا۔

صحیح تلفظ میں قرآن پڑھنے اور عملی زندگی میں جاری کرنے میں ہمارا کیا کردار ہے؟

ہم نے اپنی پوری زندگی کو اس سرمایہ ہدایت کے کس قدر مطابق بنایا اور اس مطابقت کی سہولت کیلئے کسی استاد یعنی سچے پیر کی دستگیری حاصل کی اور کتنے لوگوں کو اس راہ پر چلنے کی دعوت دی۔

جس طرح قرآن شریف کے حرف حرف کو حضور ﷺ نے ادا کیا تھا ہم میں سے کتنوں نے اس کے حاصل کرنے اور دوسروں کو حاصل کرانے کی تدبیریں کیں۔ یعنی صحیح تجوید و قرأت کے مدرسے قائم کئے اور کتنوں نے تجوید حاصل کی۔

حفاظت قرآن میں ہمارا کیا کردار ہے؟

قرآن شریف کو پوری طرح حل کرنے اور لفظ لفظ کے تلفظ و معانی کو دلائل سے

(۱) قرآن حکیم میں جو احکام اشارۃ اور کنایۃ یا اجمالاً طور پر ذکر کیے گئے ہیں ان کی تفصیلات معلوم کرنے کیلئے کیا کوششیں کیں؟

سمجھنے اور سمجھا سکنے، تحریفات کا قلع قمع (۱) کرنے اور علوم متعلقہ میں مہارت پیدا کرنے کیلئے کس کس نے اپنی جان اپنی اولاد اپنے اعزہ و احباب پیش کئے کتنے اس کے اہل بنے یا بنائے کتنے ایسے درس نظامی کے مدرسے قائم کرائے یا چلائے یا کم از کم ان کی امدادیں ہی کیں۔ اسکولوں کالجوں میں تو اولاد بھیجی مگر کوئی اللہ کا بندہ ایسا بھی ہے جس نے کم سے کم ایک بچہ کو دین و قرآن کے لئے وقف کر دیا ہو اور اسی طرح کتنے ادارے اس کے احکام کو مسلم و غیر مسلم تک پہنچانے والے بنائے یعنی تبلیغی ادارے۔

نعمت عظمیٰ کی ناقدری

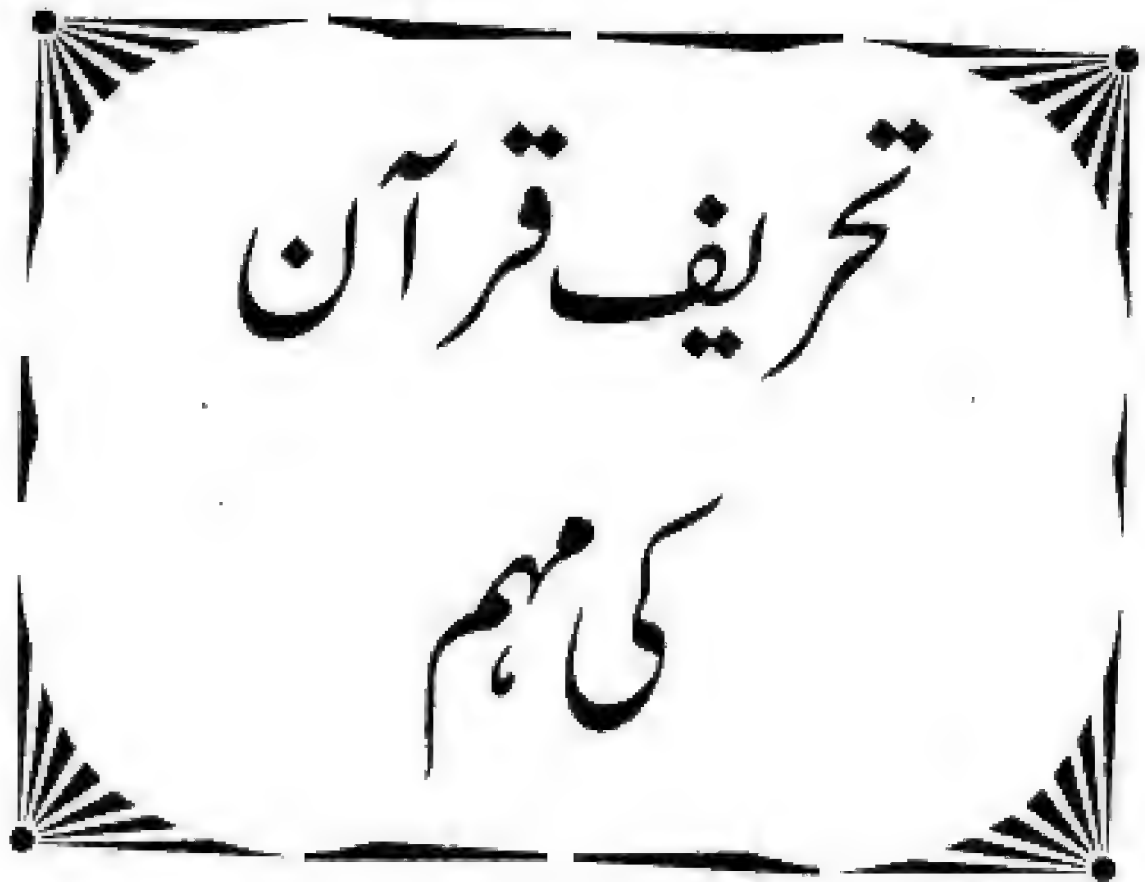
کیا ایسی عظیم المرتبت (۲) بے مثال نعمت کی یہ قدر ہوتی ہے کیا ہم ہی وہ مسلمان ہیں جن کو یہ نعمت عظیمہ عطا فرمائی گئی ہے مگر ہم نے اس کو بالکل پس پشت ڈال رکھا ہے کیا ہم اس کے مستحق نہیں کہ ہم پر اس ناقدر دانی کا وبال ہو اس کی کسمپرسی کا عذاب اور اس کی گستاخیوں کی سزائیں نازل نہ کی جائیں؟ اے اللہ ہماری آنکھیں کھول دے اور اپنے کلام کی قدر دانی کے ساتوں شعبوں (۳) کی خدمت کی ہمیں توفیق دے۔

ناقدری کے عذاب سے بچنے کی ترکیب

کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ فرض شناس ہو کر اپنی اولاد میں سے کم از کم ایک کو تو ضرور اس کتاب الہی کی حفاظت و اشاعت کے کسی ایک شعبہ کیلئے وقف کر دیں اگر قیامت میں ہم سے باز پرس کی گئی کہ اس قدر زبردست نعمت دے کر تم کو تمام عالم سے امتیاز بخشا گیا تھا تم نے اس نعمت کا شکر اس کی ہدایت پر عمل اس کی حفاظت و اشاعت کی کوشش میں اپنی اولاد کو لگایا یا کچھ وقت صرف کیا اور کچھ جان مال سے اعانت کی تو سوچ لیں ہمارے پاس کیا جواب ہے؟

وما علینا الا البلاغ

(۱) جڑے اکھاڑ بھینٹنے (۲) بڑے مرتبہ والی (۳) قرآن عظیم کے الفاظ و معانی کی حفاظت کے سات شعبے جن کا ذکر یہاں تک کیا ہے۔



ary.blogspot.com

zoolun-elibrary.blogspot.com

تحریف قرآن کی مہم

پاکستان صرف اس طلب و سعی (۱) کا نتیجہ تھا کہ ایک اسلامی ملک میں قرآنی قانون نافذ ہو سکے اور مسلمان آزادی کے ساتھ خدا اور رسول کی مرضی کے اصول پر زندگی گزار سکیں۔ مگر حیرت اور افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس طلب و سعی کا نتیجہ مایوس کن نظر آرہا ہے۔ یورپ سے مرعوب ذہنیت کے لوگ اسلامی اصول میں تحریف و تبدیل کے درپے ہو رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ قرآن کو اپنے مزعومات (۲) کے مطابق ڈھال لیں۔ کلام رسول ﷺ کو نظر انداز کر دیں اور اپنی خواہشات کے مجموعے کو اسلام قرار دے کر اہل پاکستان سے اسے تسلیم کرائیں۔ اس صورت حال کا سب سے افسوسناک پہلو یہ ہے کہ ایسے افراد اور گروہوں کی نیز ان کی اس مساعی بد کی سرپرستی حکومتی مشینری کی طرف سے ہوتی ہوئی نظر آرہی ہے جو ملت اسلامیہ میں مایوسی کے ساتھ بددلی کا موجب ہو رہی ہے۔

آپ بارہا سن چکے ہیں کہ اسلام دشمن لوگوں نے بہت جگہ اپنے کو مسلمان ظاہر کر کے مسلمانوں کی قیادت و امامت کی ہے اور اس خفیہ ہتھیار سے ان کے ایمان و اسلام کو ہلاک کر دیا ہے کچھ ایسی ہی صورت حال ان تحریفی مساعی کے پس پردہ بھی کارفرما نظر آتی ہے۔

ہماری حکومت کے بعض حکام کی سادہ لوحی ملاحظہ ہو کہ ان دشمنان اسلام کو ہی اسلامی طور سے قانون کی پرکھ کے لئے موقع دیا جا رہا ہے اور ان سے رپوٹیں لی جا رہی ہیں جو لوگ خود ہی غیر اسلامی چیزوں کو اسلام میں ٹھونسنے والے تھے انہی کو اس کا منصف بھی قرار دیا جاتا ہے۔ اور انہی سے پوچھا جاتا ہے کہ عملی قانون کی دفعات اسلام کے موافق ہیں یا خلاف۔

(۱) کوشش (۲) اپنے گمان کے مطابق

میر کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب

اسی عطار کے لڑکے سے دوا لیتے ہیں

کسی عمارت کے پختہ یا کمزور ہونے کی تشخیص اطباء اور ڈاکٹروں سے کرنا دق یا معمولی بخار کی تشخیص معماروں یا انجینئروں سے کرنا قانون کی موٹگافیوں کے لئے مزارعوں کو طلب کرنا مسجدوں کی اذان و امامت کے لئے ہندوؤں کو نامزد کرنا کیسی انصاف کی بات ہے۔ ذرا سب اس پر غور کر لیں۔

”اخبار مشرق لاہور“ ۳۰ جولائی ص ۲ کالم ۳، ۲ پر اسی طرح کے ایک ادارہ ”ثقافت اسلامیہ“ کی ایک کمیٹی کا کارنامہ بیان کیا ہے کمیٹی نے یہ اصول بیان کیا کہ قرآن خود نا قابل تغیر ہے لیکن اس کی تشریحات چونکہ انسانی عقل کے ذریعے ہوئیں اس لئے ہر زمانہ میں علم و تجربے کی وسعت اور حالات کے تقاضوں کے مطابق قرآنی احکام کی نئی تشریح کی جاسکتی ہے۔

اور صدر کمیٹی کی تقریر اس سونے پر سہاگہ ہے۔

”چونکہ اسلام نے قرآن کی تشریح و تعمیر کا حق کسی خاص طبقہ کے لئے محدود نہیں کیا ہے اس لئے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اسلام کی بنیادی تعلیمات پر غور کرے اور نئے حالات کے مطابق ان کی تشریح کرے یہ مجلس ماہانہ جلے منعقد کر کے اہم مسائل پر اسلامی نقطہ نظر سے اور جدید تقاضوں کی روشنی میں بحث کرے گی۔“

دونوں اقتباسات کو غور سے پڑھئے اور خود اپنے دل سے معلوم کر لیجئے کہ قرآن مجید کی تحریف کس زور شور سے کی جا رہی ہے اس کے لئے ادارہ قائم ہے اور ہر ماہ نئی نئی تحریضیں کرنے کے لئے جلے منعقد ہوا کریں گے اور پریس کے ذریعے اس کو ہر مسلمان کے دل و دماغ پر مسلط کریں گے اور حکومت و حکام ان کی سرپرستی کر کے اس طرح اسلامی حکومت

میں اسلام کے پرچے اڑانے کے کارنامے انجام دیئے۔ یہ بوالعجبی (۱) ملاحظہ کریں کہ ایک طرف اعتراف ہے کہ ”قرآن خود ناقابل تغیر ہے“ دوسری طرف اس کے مفہوم میں تغیر و تبدیلی کی عام دعوت ہے۔ کیا قرآن مجید صرف دعاؤں حرفوں اور معنی و مفہوم سے خالی لفظوں کا نام ہے کہ ان کو تو ناقابل تغیر تسلیم کر لیا گیا مگر مفہوم کو قابل تبدیل۔

قرآن کی تشریح کون کر سکتا ہے

یہ کہ اس کی تشریحات انسانی عقل کے ذریعہ ہوتی ہے اور تشریح اور تعبیر کا حق کسی خاص طبقہ کے لئے محدود نہیں کیا ہے دونوں دعوے بے اصل اسلام کے خلاف اور عقل صحیح سے بالکل مردود ہیں۔

قرآنی تشریح صرف نبی کا منصب ہے

حضور ﷺ کا ذکر قرآن مجید میں بار بار آیا ہے اور خصوصیت ارشاد فرمائی ہے:
ويعلمهم الكتاب والحكمة (۲) (اور نبی ان سب کو اللہ کی کتاب کی تعلیم دیتے اور سکھاتے ہیں) عرب اہل زبان تھے اور فصاحت و بلاغت میں طاق لیکن ان کو بھی یہ اجازت نہیں دی گئی کہ وہ خود کتاب الہی کا کوئی مفہوم اپنی رائے سے قرار دے لیں۔
حضور ﷺ کی خصوصیت اور فرض منصبی یہ قرار دیا گیا ہے کہ ان کو کتاب اللہ کی تعلیم دیں۔
اور تمام عالم کے لئے قرآن مجید کے معانی کا بیان کرنا حضور ﷺ کے فرائض

منصبی میں ہے وانزلنا اليك الذكر للبين للناس ما نزل اليهم (۳)
(ہم نے آپ پر قرآن اس لئے نازل کیا ہے کہ آپ لوگوں پر ان تمام احکام کو جو ان کے لئے نازل کئے گئے ہیں کھول کر بیان فرمائیں) اس لئے خود سے کوئی مفہوم تجویز کرنا قرآن

شریف کے نزول کے غرض کے خلاف اور بالکل حرام ہے۔

نبی تشریحات خدا سے لیتے ہیں

حضور ﷺ کا یہ تعلیم فرمانا اور احکام کو کھول کھول کر بیان کرنا بھی اپنی طرف سے اور اپنی رائے سے نہیں بلکہ یہ بھی حق تعالیٰ کی طرف سے دل میں پیوست کرنے سے ہے۔ فاذا قراناه فاتبع قرآنہ ثم ان علینا بیانہ (۱) (تو جب ہم) (بواسطہ فرشتہ) قرآن پڑھ دیں آپ اس کے بعد پڑھا کریں پھر ہمارے ہی ذمہ اس کا کھول کر بیان کرنا ہے) لہذا قرآنی مفہومات بھی حق تعالیٰ کی طرف سے نبی ﷺ اور نبی ﷺ کے صحابہ پر اور سلسلہ بہ سلسلہ آج تک آئے ہیں۔ یہاں خود رائی اور من گھڑت مفہومات کا دخل نہیں۔ ما اتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا (۲) (جو چیز یا حکم رسول دیں لے لو، جس سے روکیں رک جاؤ)

تشریح قولی بھی ہے فعلی بھی

تشریح و تفصیل حضور ﷺ کے ارشادات میں بھی ہوگی۔ جیسا کہ ان آیات سے معلوم ہوا ہے اور خود حضور ﷺ کے فعل مبارک اور منظوری سے بھی جیسے ارشاد ہے لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (۳) (قسم ہے کہ تمہارے لئے اللہ کے رسول میں ہی عمدہ نمونہ ہے) اور ارشاد ہے: قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحبکم اللہ (۴) (آپ کہہ دیجئے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو پھر اللہ تعالیٰ تم کو محبوب بنالیں گے)

غیر نبی کی تشریح تکذیب و انکار ہے

بلکہ علم کامل اور احادیث کے بغیر جو مفہوم تجویز کیا جائے وہ تکذیب (۱) قرآن، گمراہی اور کفر کا سبب ہو گا یہودیوں کے حال میں ارشاد ہے: **يَكْذِبُوا بِمَا لَمْ يَحِيطُوا بِعِلْمِهِ وَلَمَّا بَأْنَاهُمْ تَاوِيلَهُ** (۲) (بلکہ ان لوگوں نے ایسی چیز کی تکذیب کی جس کے علم کا احاطہ نہیں کیا۔ اور اب تک ان کے پاس اس کا صحیح مفہوم نہیں آیا) قرآن کو جھٹلانا اور تکذیب کرنا اس عنوان سے بیان فرمایا گیا ہے کہ ایسی چیز کی تکذیب کی جس کے علم کا احاطہ نہیں کیا اور اب تک ان کے پاس صحیح مفہوم نہیں آیا۔

آیت مبارکہ میں غور کرنے سے معلوم ہو رہا ہے کہ احاطہ علمی اگر کامل طریق سے بھی حاصل ہو جائے تو پھر بھی بغیر ان تشریحات نبویہ کے وہ کلام الہی کا صحیح مفہوم نہ حاصل کر سکتا ہے نہ تکذیب کی علت سے بچ سکتا ہے۔ ضروری ہے کہ تفسیر کا علم اور پھر حدیث شریف کا پورا علم حاصل کیا جائے۔

کیا صحابہؓ کو بھی ان علوم کی ضرورت تھی؟

حضرات صحابہؓ کو ماہر زبان ہونے کی وجہ سے وہ علوم خود حاصل تھے پھر براہ راست حضور ﷺ سے یہ سب بیانات میسر تھے۔ اس وجہ سے ان کیلئے تو تشریحات نبویہ بالکل مشاہدہ اور عینی چیز تھی۔ ان کو ضرورت نہ تھی لیکن ہم تک پہنچنے میں درمیان میں کچھ واسطے آگئے ہیں۔ اس لئے احادیث ان واسطوں کی وجہ سے چند قسم کی ہو گئی ہیں اس کیلئے اصول حدیث کے سننے کی ضرورت ہوگی پھر چونکہ اصل تفاوت راویوں کی تعداد و حالات کی بنا پر ہوتا ہے۔ اس لئے ان کے حالات کیلئے فن اسماء الرجال کی حاجت بھی ہوئی۔ اور پھر

تمام احادیث کے لفظ لفظ کو سمجھنے کے لئے ان تمام علوم و فنون کی بھی جو قرآن کے علمی احاطہ کیلئے ضروری ہیں۔

تشریحات نبویہ کا ثبوت

احادیث حضور سے نقل ہیں اور نقل شدہ بات کے یقینی ہونے کی دلیل سارے عالم میں صرف ایک ہی ہے۔ تواتر۔ یعنی اول سے آخر تک مسلسل روایت کرنے والے اتنی تعداد میں ہوں کہ عقل ان کے جھوٹ پر جمع ہونے کو محال قرار دے، تمام بے دیکھے شہر حکومتیں ریلیں جہاز وغیرہ اس وجہ سے یقینی معلوم ہیں کہ ان کے دیکھنے اور بیان کرنے والے ہر زمانہ میں اسی قدر تعداد میں رہے ہیں۔ اس لئے ہر وہ حدیث یقینی طور سے حضور ﷺ کا ارشاد یا فعل یا منظور ہوگی جو اس طرح نقل ہو کر آئی ہے یعنی متواتر۔ اور ہر ایسی حدیث براہ راست سننے دیکھنے کے مرتبہ میں ہو کر حضور کا یقینی ارشاد اور اس کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہوگی۔ اس کا انکار نہ صرف حضور ﷺ کی اطاعت کا بلکہ خدا تعالیٰ کی اطاعت کا انکار اور اسلام سے باہر ہونے کے معنی رکھے گا۔

اس سے کم درجہ کی حدیث کہ اگر صحابہ میں کم، بعد میں اس قدر راوی ہوں تو وہ بھی اسی درجہ میں ہوگی کیونکہ جن حضرات کو حق تعالیٰ نے اپنے نبی کیلئے منتخب فرمایا ان کو اپنی رضا کا تحفہ عطا فرمایا نبی کا یار و مددگار بنایا اور حضور نے ہر ایک کو قابل اقتدار دیا ہے۔ ان میں شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ اگر دودھ سے بھی روایت آتی ہو تو بھی جب دو کی گواہی ہر مذہب و حکومت میں قتل تک کے ثبوت کیلئے کافی (۱) ہے۔ حدیث کیلئے بھی کافی ہوگی بلکہ ایک ایک سے بھی ہو تو نیک کی روایت حجت ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وان جاءکم فاسق بنبأ فتبينوا (۲) (جب کوئی فاسق تمہارے پاس خبر لائے تو تحقیق کر لیا کرو)

(۱) اوستشهدوا شہیدین من رحمہم فان لم یحکموا رحمیں ورجل وامرأتان (۲) سورۃ الحجرات آیت ۶

فاسق کی روایت تحقیق طلب اور نیک کی خبر تحقیق شدہ قرار دی گئی۔ مگر اصول حدیث سے سب کے مراتب سامنے آئیں گے۔ دنیا کے کسی مذہب کو اس پختہ ثبوت کے ساتھ نہ وحی الہی حاصل ہے نہ تشریحات نبوی۔

ان احکام الہی و تشریحات نبویہ سے معہ احاطہ علمی جو مسائل اصول فقہ و اصول حدیث کی مدد سے رائج و قوی اختیار کر کے ایک جگہ جمع کئے گئے ہیں۔ اگر عقیدہ سے ان کا تعلق ہے تو علم العقائد۔ اگر جہادات و معاملات سے متعلق ہیں تو علم الفقہ۔ تہذیب و معاشرہ سے متعلق ہیں تو علم تصوف انتظام حکومت، کارخانہ، گھر وغیرہ سے متعلق ہے تو سیاست ہیں۔ یہ کام ہزار سال سے بنا بنایا تیار کیا ہوا رکھا ہے۔ اور قیامت تک کوئی مسئلہ انشاء اللہ ایسا نہیں ہوگا جو صاف یا اصولی طریقہ سے ان میں نہ ہو ہاں اگر کسی کی نظر میں ہی کوتاہی ہو تو اس کی ذمہ داری خود اس پر ہوگی۔ ہر ایک کو تشریح کا حق دینا غلط اور کلام الہی کی توہین ہے۔

غرض اس طرح علمی احاطہ اور مراد الہی کے بیان سے حاصل کئے بغیر جو مفہوم تجویز کیا جائے گا وہ آیت شریفہ کی رو سے تکذیب کی علت اور بجائے دین کے کام ہونے کے خلاف دین کا ذریعہ بنے گا۔ اس لئے اس کی تشریح حدیث میں سخت وعید کے ساتھ ممانعت آئی ہے۔ حیرت ہے کہ ایسے ہوشمند لوگ کس طرح یہ کہہ گزرتے ہیں کہ تشریحات انسانی عقل کے ذریعہ ہوتی ہیں اور حق کسی طبقہ کیلئے محدود نہیں ہر مسلمان کا فریضہ ہے کہ نئی تشریح کرے۔

ہر زمانہ میں نئی تشریح اور نئے حالات کے مطابق تشریح غور کیجئے کہ حضرت خاتم الانبیاء کی وحی اور دین کی ایسی تحریف اور طرفہ یہ کہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اس طرح قرآن مجید کو باز پچا اطفال بنالے پھر تو ہر شخص من مانی مرادوں پر تشریح کر کر کے ہر حکم الہی کو کچھ

سے کچھ بنا دیا کرے گا۔ کیا یہ خدائی وحی کی کھلی توہین نہیں؟ کیا یہ صاف تحریف اور بحکم آیت سبب تکذیب نہیں؟ کیا یہ حرام اور کفر کے درجہ تک نہیں؟

خود تراشیدہ مفہوم کو خدائی حکم کہنا خدائی کا دعویٰ یا خدا پر بہتان ہے۔

فرض کیجئے اس ادارہ نے یا کسی اور نے کوئی مفہوم تراش بھی لیا تو اس کو خدائی مفہوم قرار دینا کیسے ہو سکتا اس کو قرآنی حکم کیسے کہا جاسکتا ہے۔ کیا اس طرح اپنے خود ساختہ مفہوم کو خدائی حکم قرار دینے میں درپردہ خود ہی خدا ہونے کا تو دعویٰ نہیں ہو رہا ہے کہ خدا تعالیٰ کے سمجھائے ہوئے مفہوم اور پھر اس کو نبی ﷺ کے قول و عمل سے پہنچائے ہوئے مضمون کو بالائے طاق رکھ کر خود غلط سلط مفہوم گھڑ کر قرآنی لفظوں کی آڑ لے کر اپنی من گھڑت بات کو خدا کا حکم کہنا خود کو خدا ہی کہنے کے ہم معنی بن رہا ہے تو کیا مسلمان اس گئے گذرے زمانہ میں ایک دو کو نہیں ”ہر مسلمان کا فرض (۱)“ لفظوں سے لاکھوں کروڑوں خدا تسلیم کر لینے کیلئے آمادہ ہو جائیں گے۔

پھر نئے تقاضوں کا کیا علاج

سوال ہو سکتا ہے اور ہو رہا ہے کہ ”نئے حالات کے مطابق“ ”حالات کے تقاضوں کے مطابق“ آخر احکام الہی کیسے معلوم ہوں تو سوچئے اور سمجھئے کی بات یہ ہے کہ نئے حالات اور تقاضوں کا حکم آپ کو اسلام کا غلام بن کر معلوم کرنا ہے تو بحمد اللہ ہر چیز کا حکم اسلام کے قانون میں صاف صاف یا اشارات سے بہ تشریحات صاحب وحی موجود ہے۔ اگر یورپ کی عیارانہ چالوں سے یکسو ہو کر خود معلوم کریں یا دریافت کر لیں تو ہر ایک بات کا

(۱) یہ الفاظ ادارہ تحفۃ اسلامی کے صدوقی تقریر کے ہیں منسلک بات یہ ہے ”چونکہ اسلام نے قرآن کی تشریح و تفسیر کا حق کسی خاص طبقہ کے لئے محدود نہیں کیا ہے اس لئے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اسلام کی بنیادی تعلیمات پر غور کرے اور نئے حالات کے مطابق انکی توحیح کرے۔“

جواب ہے اور خدا سلامت رکھے علمائے دین کو ابھی کچھ ایسے دین کے ماہر موجود ہیں جو ہر بات کا حکم معتبر دلائل سے بیان کر سکتے ہیں مگر واقعی و حقیقی علمائے دین سے معلوم کریں نہ کہ ان کے لباس و شکل و صورت میں جاہل تاواقف دین سے۔

اور اگر یورپ کی بے دینی دلائل و بیہیت کو لانا ہے اور اسلام کو اس کا غلام بنانا مطلوب ہے تو یہ مسلمان سے گوارا نہ ہوگا۔ وہ دین جو تمام ادیان کیلئے میزانِ کل ہے تمام بھلائیوں اور نیکیوں کا جامع ہے اس میں یورپ کی بے ایمانیوں بد کرداریوں اور بد اخلاقیوں و غابازیوں حرام خوری و حرام کاری کو اسلام بنا کر وہ لانا چاہیں تو یہ اسلام دشمنی بھی ہے تہمت بھی ہے اور بے دین ہونا ہے۔ جن کو یہ باتیں پسند ہیں وہ فوائد و دنیا کے لئے اسلام کو بدنام نہ کریں خدائی احکام اور خدا کے نبی کو بدنام نہ کریں۔ ان پر تہمت نہ لگائیں۔ مسلمانوں کو بد دین و لاندہب نہ بنائیں خود جو چاہے کریں مسلمانوں کو ان کے خدائی اسلام پر رہنے دیں۔ جو چودہ سو سال سے الٰہی مفہومات و تشریحات الٰہیہ سے آیا ہوا ہے۔ ان کو خدائے وحدہ لا شریک لہ کا ہی بندہ رہنے دیں اپنا بنانے کی اور خود معبود بننے کی ہوس نہ کریں۔

کیا مسلمان نئی تشریح مان سکتے ہیں

آخر کون کس کا بندہ ہے سوچ سمجھ لے کہ ایسے پختہ ثبوت سے ہزار سالہ مفہومات اسلامی کو جو تشریحات الٰہیہ سے حاصل ہوئے ہیں ایسے کسی کے کہنے سے خلاف دلیل اور من مانی باتوں کو اسلام بنانا ہے دھوکہ بنا کر کیوں مسلمان اسلام کے حقیقی مفہومات سے الگ ہو کر بے دین بننے لگے ہیں ان لوگوں پر کون سی وحی آگئی ہے کہ یہ اس مفہوم کو صحیح اور چودہ سو سالہ مفہومات کو غلط قرار دینے لگے اگر کوئی شخص اس کو تسلیم کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود اسلام سے بے بہرہ ہے اور خود اپنے ایمان پر ڈاکہ ڈالوانے کیلئے تیار ہوا ہے۔

ناواقفوں کو تشریح کا حق کہیں نہیں

یہ بات جو یہ لوگ آج اسلام کے بارے میں پیش کر رہے ہیں اگر واقعی کوئی جاندار بات ہوتی اور یورپ سے متاثر و مرعوب ہو کر ان کے بے دینی کے نظریات کو اسلام میں داخل کرنا منظور نہ ہوتا تو ادارہ ثقافت اسلامی کے بنائے ہوئے یہ قواعد کہ ”تشریح و تعبیر کا حق کسی خاص طبقہ کیلئے محدود نہیں کیا ہے اس لئے ہر مسلمان کا فرض ہے یہ تشریحات چونکہ انسانی عقل کے ذریعہ ہوتی ہے اس لئے ہر زمانہ میں نئی تشریح کی جاسکتی ہے۔“ حکومت کے قوانین میں بھی جاری کیا جاتا اور ہر شخص کی اپنی تشریح وہاں بھی معتبر قرار دینی ضروری تھی بلکہ اس طرح انجینئری، زراعت ڈاکٹری اور ہر فن میں دوسرے ہر شخص کی تشریح بھی معتبر قرار پاتی لیکن معلوم نہیں کن اسرار کی وجہ سے یہ قاعدہ اسلام پر تو نافذ کیا جاتا ہے مگر دنیا بھر کے کسی معاملہ میں اس کو استعمال نہیں کیا جاسکتا۔

یہ کہاں کا انصاف ہے؟ اگر قاعدہ صحیح ہے تو سب جگہ نافذ کیا جائے اور غلط ہے تو اسلام پر کیوں اس کی مشق کی جاتی ہے اگر کچھ ہمت ہے تو حکومت کے ہی قانون کی تشریحات کا ہر شخص کو پہلے اختیار دلوا دیا جائے پھر کچھ کہنے کا منہ ہوگا۔ اور دونوں میں فرق بھی بہت ہے کہ یہ سب قوانین تو انسانی قوانین ہیں اور تشریحات کرنے والے بھی انسان، یہاں تو سہولت سے ہر شخص کو اختیار دینا چاہئے تھا یہ عجیب منطق ہے کہ خدائی قوانین میں تو ہر مسلمان کا فرض قرار دیا جاتا ہے اور حکومت کے قانونوں اور تمام فنون کے قاعدوں میں دوسروں کی تشریحات ممنوع، کیا یہ طرز عمل اس کی غمازی نہیں کرتا کہ مقصود کچھ اور ہے ورنہ جو عقل ہر جگہ اس قاعدہ کو مردود قرار دیتی ہے وہ یہاں کہاں چلی گئی۔

نئی تشریحات تکمیل دین کا انکار ہیں

اسلام تاحیات ایک مکمل دین ہے الیوم اکملت لکم دینکم (۱) (آج تمہارے لئے میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے) اس میں یہ کاٹ تراش تکمیل کا انکار اور ناقص ہونے کا دعویٰ کس قدر خطرناک طریق کار ہے۔

ادارہ ثقافت اسلامیہ کی قانونی سب کمیٹی نے عائلی قوانین کا جائزہ لینے کے بعد کہا ہے کہ قرآن نے اگرچہ تعدد ازواج کی ممانعت نہیں کی ہے لیکن چونکہ اس کا منشاء یہ ہے کہ مرد ایک وقت میں ایک سے زیادہ شادی نہ کریں اس لئے پہلی بیوی کی اجازت کے بعد دوسری شادی کرنے والے افراد کیلئے ایک سال کی موجودہ سزا کی بجائے دو سال کی قید کی سزا مقرر کی جائے۔

اس کمیٹی نے یہ سفارش بھی کی ہے کہ یتیم پوتوں کو دادا کی میراث میں حصہ دار بنانے کیلئے قانونیہ لازمی قرار دیا جائے کہ یتیم پوتوں کا دادا ان کیلئے ۳/۰ ورثے یا اپنے متوفی بیٹے کے حصہ کے برابر جائداد کی وصیت لکھ دے۔

کمیٹی کے اصول کہ قرآن مجید کی نئی تشریح ہر مسلمان کا فریضہ اس کی معروضہ بالا شاہکاریوں کے ساتھ ساتھ آیت کی پیشگوئی سے یہ خطرہ تھا کہ یہ اصول قرآن مجید کی تکذیب و انکار کا سبب بن کر رہے گا یہ خطرہ جو بچے کلام سے بالکل سچا تھا اس کا رٹامہ میں سامنے آگیا تشریحات تو ہیں ایک طرف یہاں تشریحات کو ہی غلط قرار دے کر قرآن کو جھٹلایا جا رہا ہے اور بدحواسی میں یہ خیال بھی نہیں ہو سکا کہ کلام کا اول و دوم حصہ باہم ایک دوسرے کے خلاف بن گئے۔

ایک طرف یہ اعتراف کہ قرآن نے تعدد ازواج کی ممانعت نہیں کی۔ دوسری

طرف ساتھ ساتھ یہ دعویٰ کہ اس کا منشاء یہ ہے کہ مرد ایک وقت میں ایک سے زیادہ شادی نہ کریں۔ کیا سارے ملک میں کوئی ایسا نئی سمجھ والا ہے جو ان دونوں باتوں کو جمع کر سکے کہ تعدد کی ممانعت نہیں اور ایک سے زیادہ نہ کریں۔ دیکھ لی آپ نے نئے حالات کے مطابق نئی تشریح۔ یہ اقرار ہوتے ہوئے کہ تعدد از دواج کی ممانعت نہیں تشریح یہ کہ ایک سے زیادہ نہ کریں۔ اب فرمائیے یہ صریح حکم الہی کی تغیر و تبدل اور اپنے اقرار کے ساتھ تحریف نہیں تو کیا ہے۔ ”تعدد کی ممانعت نہیں کی“ کی تکذیب نہیں تو کیا ہے۔

مولانا جعفر شاہ پھلواڑی نے اپنی تقریر میں یہ ثابت کیا کہ مصلحت امت کے پیش نظر ہر حکم کو بدلا جاسکتا ہے ان کے بیان کے مطابق ایک نہیں بیسیوں ایسی مثالیں ہیں کہ عہد نبوی کے احکامات خلافت راشدہ کے زمانے میں آکر بدل گئے۔ اور اس استدلال کے بعد انہوں نے قطعی الفاظ میں یہ اعلان کیا کہ مصالح امت کو ہر قانون پر فوقیت حاصل ہے۔ حنیف رامے نے سوال کیا ”قرآن پر بھی ہے“ مولانا چپ ہوئے پھر انہوں نے کہا کہ قرآن میں چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا نہیں ہے اور کیا حضرت عمر فاروقؓ نے قحط کے زمانہ میں اسے معطل نہیں کیا تھا۔“ (مشرقِ یکم اگست نمبر ۲۲ کالم ۸)

اسلام کی زبان سے سنئے کہ

من از بیگنا ننگاں بہر گز نہ نالم

کہ بامن بہر چہ کرد آن آشنا کرد (۱)

ان مولانا صاحب نے تو قصہ ہی ختم کر دیا کیسی تحریف کیسی تشریح کیسی تفصیل ہر حکم الہی کو بدل ڈالو، قرآن، حدیث، خدا اور رسول ﷺ اسلام کو ہر طرف کر دو، بس مصلحت کو معبود بنالو۔ کیسا دین، کیسا ایمان، ان کا سب کچھ ہے تو مصلحت، دین مصلحت،

(۱) مجھے غیروں کی شکایت نہیں ہے بلکہ انہوں سے گلہ ہے کہ مجھ پر ہمیشہ ایہوں نے ہی ستم ڈھائے ہیں۔

ایمان مصلحت، خدا مصلحت، رسول مصلحت، حنیف صاحب نہ مولوی نہ مولانا نہ علامہ مگر وہ بھی برداشت نہ کر سکے کہ مصلحت کیلئے ہر حکم بدلا جاسکتا ہو، اور وہ ہر قانون حتیٰ کہ خدائی قانون سے بھی فوق ہو۔ پھر ہو یہ رہا ہے کہ سب خاموش ہیں کوئی اس توہین خدا پرٹس سے مس نہیں ہوتا۔ تمام ملک ایک شہر خموشاں بنا ہوا ہے۔ دوسری دلیلیں تو وہاں ذکر نہیں صرف حضرت عمرؓ کا واقعہ دیا گیا مگر خیرت یہ ہے کہ ایک علمی آدمی ہوتے ہوئے ایسی حرکت کر دے جو کسی معمولی آدمی سے بھی نہیں ہو سکتی۔

حضور ﷺ نے شبہ کے وقت حدود کو جاری نہ کرنے کو فرمایا ہے اور قحط سالی میں بعض آدمی ایسے بھوکے رہ سکتے ہیں کہ کئی کئی وقت تک ایک دانہ ان کے منہ میں نہیں پہنچ سکتا ہو جس وقت کہ ان کو مردار تک کھانا جائز ہو جاتا ہے۔ دوسرے کا مال اس وقت کھا لینا اور یافت (۱) پر قیمت دے دینا بھی درست ہو جاتا ہے ایسے قحط شدید کے وقت جبکہ اس کے جائز ہونے کا شبہ ہو سکتا ہے اگر شبہ کا فائدہ ملزم کو دے دیا جائے تو یہ اس حدیث کا بھی اتباع ہے اور قرآن کا بھی، کیونکہ اس وقت سرقہ کو جس پر ہاتھ کاٹنے کی حد ہے یقینی طور سے نہیں پایا گیا۔ اس لئے قرآن و حدیث سے ہی انہوں نے یہ حکم دیا اور دین کا ہر عالم ایسے وقت یہی کہے گا یہی قرآن و حدیث کا حکم ہے۔ حضرت عمرؓ پر تہمت لگانا کہ انہوں نے قرآنی حکم کو بدل دیا غلط اور عقل سے باہر کی بات ہے۔

نئی تشریح کفر تک پہنچاتی ہے

ان حرکتوں سے اس آیت کا مضمون واضح ہو کر سامنے آ گیا کہ واقعی احاطہ علمی اور مراد الہی بہ تشریح نبی (۲) نہ ہونے سے تکذیب قرآن اور سلب ایمان تک نہ بت آ جاتی ہے۔ تشریح کا مطلب تمام دنیا کی نظر میں اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ لفظوں میں جس مفہوم کی

(۱) جب اس کے پاس مال آجائے تو قیمت دے دے (۲) نبی کی تشریح سے نہ ہونے کی وجہ سے

گنجائش ہو وہ پیش کر دیا جائے۔ اگر قرآن و دلائل کے مطابق ہو تو صحیح تشریح ہے ورنہ غلط اور تحریف۔

دوسری تشریح سنئے ”قیم پوتوں کو دادا کی میراث میں حصہ دار بنانے کیلئے قانوناً یہ لازمی قرار دیا جائے کہ قیم پوتوں کا دادا ان کیلئے ۱/۳ ورثے یا اپنے متوفی بیٹے کے حصہ کے برابر جائیداد لکھ دے“ گویا اسے بھی قرآن مجید کی تشریح قرار دیا ہے۔ کیا تمام دنیا کے شرق و غرب جنوب و شمال کے درمیان کوئی ایسا تنفس (۱) ہے جو پورے قرآن کے کسی لفظ میں اس کی گنجائش نکال سکتا ہو کہ یہ وصیت لازمی بن سکتی ہو۔ مسئلے کی پوری تفصیل کسی ایک بیٹے کی موجودگی میں پوتے کا حصہ نہ ہونے کی قرآن و حدیث اور اجماع سے تصریح، تمام خلاف باتوں کی حقیقت اور عقلی و نقلی دلائل کے انبار، تمام شبہات کے جوابات، احقر کی کتاب ”پوتے کی میراث“ میں ملیں گے جو ایم ثناء اللہ ریلوے روڈ لاہور ادارہ سے ملتی ہے۔ اور بیٹے کی عدم موجودگی میں پوتے کے حصوں کی تشخیص اور ثبوت بھی مکمل ملے گا۔ یہاں صرف اسکے تحریف بلکہ تبدیل و انکار قرآن ہونے کو پیش کرنا ہے۔

ہر شخص غور کر سکتا ہے کہ جو بات خدا تعالیٰ نے لازمی نہ قرار دی ہو اس کو لازمی قرار دینا تشریح ہے یا تحریف و تبدیل۔ اور پھر بالکل خلاف عقل اور ظلم عظیم الگ، سنئے قانون عام ہوتا ہے۔ سب کیلئے ہوتا ہے۔ اگر کسی کے پہلی بیوی سے لڑکا تھا۔ بڑے کاروبار اور بڑی جائیداد کا مالک تھا لاکھوں نقد رقم چھوڑ کر مرا ہے۔ اس کے بیٹے اس کے وارث اور قابض ہو گئے۔ مگر اس کے دوسری بیوی سے دو چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اور خود غریب معمولی جائیداد اور معمولی کاروبار کا مالک ہے۔ مرنے کا وقت آ گیا ہے تو آپ لازم قرار دیں گے کہ وہ ان رئیس پوتوں کیلئے تہائی کی وصیت لازماً کرے ورنہ حکومت چھوٹے چھوٹے بچوں کے

حلق میں انگلیاں ڈال کر نکال لے اور وہ کم سن بچے اپنے باپ کے معمولی ترکہ کے ۳/۱ حصہ سے محروم ہو جائیں گے جس کا اختیار خدا اور رسول نے ان کو دیا تھا۔ یہ کتنا ظلم ہوگا کہ اس قانون سے کہ یہ یتیم بچے روتے بلکتے رہیں گے، کسمپرسی میں رہیں گے اور زر زر میکشد (۱) میں ۳/۱ جاتا رہے گا۔ چاہے آگے چل کر یتیم بچے تعلیم و تربیت سے محروم ہو جائیں اور بھیک کا پیالہ ان کے ہاتھ میں آجائے مگر ۳/۱ انہیں بھیجنے کو دینا ہوگا۔ خواہ وہ عمر اور کاروبار کی اہلیت میں ان سے کہیں زیادہ بھی ہو۔ یہ ہوگا اس تجویز کا پس منظر جو کتنا خطرناک ہیبت ناک اور گھناؤنا ہے ہر چند کہ دادا اس انجام کو دیکھ کر اپنا کل اثاثہ ان چھوٹے بچوں کیلئے خدا و رسول کی مرضی کے موافق چھوڑنا چاہتا تھا مگر حکومت ان بچوں سے بھیک منگوانے اور تعلیم و تربیت سے محروم کرنے کی فکر میں رہے گی۔ ۳/۱ ضرور اور لازمی دلوائے گی۔

اگر مرحوم بیٹے کے بچوں کو ماں کی طرف سے خوشحالی ہو یا اس کی وراثت میں خوب دولت و جائیداد مل چکی ہو وہ اس کے پاس معمولی اثاثہ اور دوسری بیوی اور شیر خوار بچہ ہو۔ تو ان کے حلق میں سے نصف یا ۳/۱ نکلوا کر ان کی زندگی تلخ کی جائے گی اور بیوہ و یتیم کو درد رکنی ٹھوکریں کھلوائی جائیں گی۔ یہ نتیجہ ہوگا اس تجویز کا اور تا قیامت ان ظلموں اور تبدیلی احکام کا گناہ عظیم تجویز کرنیوالوں پر الگ رہے گا۔

جو صاحبان دوسری شادی کو بند کرنے کیلئے ایک یا دو سال کی سزا کی سفارش کر رہے ہیں جو قرآن شریف کے احکام کی تبدیلی و تحریف بلکہ ایک گونہ توہین ہے کہ گویا خدا تعالیٰ نے اس کی اجازت دیکر غلطی کی ہے۔ ہم صحیح قانون ان کی غلطی اصلاح کا بنا رہے ہیں تو ایسا اقدام دنیا و آخرت میں تباہ کن ہے وہ لوگ یہ بھی تو سوچ لیں کہ ایسے قانون سے وہ

بہت قسم کے فسادات کو ملک و قوم میں جنم دے رہے ہیں۔

عائلی قوانین کے نقصانات

(۱) اصل قانون بن جانے کے بعد سے ہی ہو چکا ہے اور ہو رہا ہے اور آئندہ اور سختی سے ہوگا کہ بیویاں بات بات پر شوہروں سے گھبرنگاڑ کر میکہ میں براجمان ہوں گی۔ نہ مرد دوسری شادی کر سکے گا نہ ان کو اس کا کوئی فکر لاحق ہوگا اس طرح اس قانون کی وجہ سے ہر گھر قیامت کا نمونہ بن کر رہے گا۔ روز فساد رہے گا۔

(۲) اگر مرد اپنے کو مرد ہی سمجھے گا اور اس کی پرواہ نہ کرے تو یہ قصہ بدکاریوں کا دروازہ کھول دے گا۔ سبب یہ قانون۔ بنے گا تو گویا یہ قانون بدکاریوں کا آلہ کار بنایا گیا ہے۔

(۳) جب مرد تنگ ہوگا اور بیوی جوڑتی ہے دوسری کی اجازت دے نہ سکے گی تو عند کو بھی چھوڑے ضرورتوں کیلئے وہ مجبور ہوگا کہ دوسری شادی کرنے کے ڈر سے یوں ہونہیں سکے گا تو لامحالہ پہلی بیوی کو طلاق دے گا۔ تو یہ قانون طلاقوں کا انتظام کر رہا ہے اور گھر کے گھر برباد کر رہا ہے۔ اگر بچے بھی ہو چکے ہوں گے تو ان کو تباہ کر رہا ہے۔

(۴) طلاق کا ہو جانا گو مرد کیلئے بھی تکلیف دہ ہے، مگر غور کیجئے تو عورتوں کیلئے طلاق سخت تکلیف دہ ثابت ہوتی ہے۔ اول تو آج کل کے ماحول میں کنواریوں کی بھی اچھی جگہ شادی مشکل نظر آرہی ہے۔ مطلقہ کی شادی تو اور زیادہ مشکل ہوگی اور اگر عمر بھی کچھ زیادہ ہو چکی ہوگی تو رسی سہی توقع بھی ختم ہو جاتی ہے اور اگر کچھ اولاد بھی ہوئی تو اور زیادہ وبال جان بن جاتی ہے۔

(۵) عورت کیلئے شوہر کا گھر اور اس کی آمدنی ہی اپنا گھر اور اپنی آمدنی ہوتی ہے۔ اگر بغیر طلاق کے ہی یا طلاق کے بعد تنہا یا مع اولاد کے اس کو باپ بھائی کا دست نگر بن کر رہنا پڑا تو کتنی ہی خاطر مدارات کی جائے یہ اس کے لئے انتہائی سوہان روح ہوتا ہے۔ اس کا

تجربہ اسی عورت کو ہوتا ہے جس پر یہ کیفیت گزرتی ہے شروع میں معمولی بات پر لڑ جھگڑا بیٹھتی ہے اور پھر تمام عمر وہ کیفیت ہوتی ہے کہ بس ان کا ہی دل جانتا ہے۔

یہ قانون ایسی صورتیں پیدا کر کے ان کی زندگی کو بالکل تلخ کر دے گا۔ یہ عورتوں کی خیر خواہی نہیں ہے سخت ترین بدخواہی ہے۔ اور جو عورتیں غور و خوض سے کام نہیں لیتیں وہ اس کو اچھا سمجھتی ہوں گی ورنہ سوچ بچار والی عورت کبھی اس قانون کو اپنے حق میں اچھا نہیں سمجھ سکتی۔ ممکن ہے اس کا علاج تجویز کیا جائے کہ ہم نے عورتوں کی تعلیم اور مخلوط تعلیم اس لئے جاری کی ہے کہ وہ کسی کی دست نگر بن کر نہ رہ سکیں اور اس طرح ان کی زندگی اجیرن نہ ہو سکے تو اس بے پردگی کی تعلیم اور ملازمتوں کے جو نتیجے سامنے آچکے ہیں ملک و قوم کی عزت و ناموس کا دیوالہ ٹکانے کے لئے وہ بھی کافی ہیں مگر خیر اس کا احساس تو نہ ملک والوں کو رہا نہ قوم کو نہ عزت و ناموس کی کوئی شے باقی ہے۔ نہ اس کی حفاظت کی اب حاجت ہوگی نہ گھروں کو قحبہ خانوں سے امتیاز دینے کی ضرورت۔

لیکن یہ بھی تو سوچنا چاہئے کہ اگر بچے بھی ساتھ ہوئے تو ان کی تربیت گھر پر و تربیت بیرونی اور ملازمت کا قصہ ایک جان سو جنجال کتنا کٹھن معاملہ ہے۔ بیماری، تندرستی، آفات، راحت ہر طرح کے دور اور اکیلی عورت کیا کیا کر سکتی ہے اور یہ ہونا ناممکن نہیں ہے کہ عورت تنہا ہی ہے۔

جب کسی مرد کی بیوی مر جاتی ہے اور چھوٹے چھوٹے بچے رہ جاتے ہیں تو خیال کیجئے اسے کیسی کیسی صعوبتیں درپیش ہوتی ہیں یہی حال اس عورت کا ہوگا جو اکیلی رہ جائے گی، مرد قوی المزاج بھی برداشت نہیں کر سکتا تو صنف نازک کا کیا حال ہوگا؟

ممکن ہے کہا جاسکے کہ طلاق پر خود قد غن قائم کر دیا گیا ہے کہ ایک نوٹس چیرمین کو ایک بیوی کو دیں۔ ۹۰ دن میں وہ مصالحت کی کوشش کریں گے پھر اگر صلح نہ ہوئی تو طلاق ہو سکتی ہے۔ مگر اول تو یہ بات ہی دین کے خلاف ہے کوئی طلاق دے اور نوٹس نہ دے تو طلاق تو ہو کر رہے گی کوئی

طلاق بائن دے دے یا طلاق مغلظہ دے دے تو صلح ہی حلال نہ ہوگی۔ اگر صلح کی گئی تو عمر بھر کی بدکاری ہوگی جیسے کہ آج ہو رہا ہے پھر یہ بھی خیال کرنے کی بات ہے کہ مقدمات میں بات ہوتی کچھ ہے اور ظاہر کچھ کی جایا کرتی ہے وہ طلاق کی وجہ حقیقی نہیں بیان کر سکتے۔ کچھ اور بیان کریں گے اور پھر صلح تو کرائی جب جاسکتی ہے جب کوئی کرنے کو تیار بھی ہو ورنہ بہانہ بسیار (۱) ہو کر ختم ہو جائے گی اور اگر صلح ہو بھی گئی تو پھر اصل وجہ اور کسی وقت رنگ لائے گی کون کس وقت تک صلح کرایا کرے گا۔

(۶) بیوی کی اجازت خود ایک بڑے فساد کا شاخسانہ ہے جو عورت بلا شرکت غیر خاوند کی حقدار اور کل آمدنی، مکان جائداد، کاروبار کی مع اپنی اولاد کے مستحق ہو رہی ہے وہ کب یہ گوارہ کر سکتی ہے، ہر چیز میں دوسری کو نصف کا مالک قرار دے دے خصوصاً جبکہ اس کو اس سے کوئی فائدہ کی بھی امید نہیں ہو سکتی بلکہ اور روز روز کی چپقلش کے اندیشے زیادہ ہوتے ہیں اس لئے اب دو صورتیں ہوں گی۔ یا مرد اس قدر تنگ اور مجبور کر دیں گے کہ وہ اپنی آرزوؤں کو خاک میں ملا کر اس کی ہاں میں ہاں ملائیں ورنہ روزانہ گھر کو دوزخ بنا لیں اور زندگی دشوار ہو جائے۔ صرف ایسی مجبوری میں وہ اجازت دے سکتی ہے یا پھر کوئی نشہ یاد دہانی کرائی جائے جس سے اس کے دماغی توازن میں فرق آجائے کوئی سفلی یا علوی بالکل ناجائز گناہ ایسا کھل کرایا جائے جس سے وہ جو اس باختہ ہو کر وہی کہہ دے جو خاوند کہلاتا چاہتا ہے اور ایسا ہو چکنے کے بعد جب اس کے ہوش و حواس بحال ہوں تو ساری عمر رویا کرے کہ خود کردہ راج نیست (۲)۔ اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی رسید کر لی تھی۔ اگر اس کی اجازت کا دخل نہ ہوتا تو صبر بھی آسکتا تھا مگر اب تو ساری عمر رونے دھونے کے سوا کوئی سبیل ہی نہیں ہو سکتی۔

یہ ہوگا اس قانون کا پس منظر۔ فرمائیے یہ عورتوں کی خیر خواہی ہے یا بدخواہی۔ ذرا عورتیں بھی اس پر غور کر لیں۔

(۱) صلح نہ کرنے کے بہت بہانے ہیں (۲) اپنے کئے کا علاج نہیں

قرآن مجید میں

لفظی تحریف

tools-library.blogspot.com

یہ مقالہ دراصل ایک استفتاء کا تفصیلی جواب ہے جس میں حضرت مفتی صاحبؒ نے قرآن پاک کو عربی کے علاوہ کسی بھی زبان میں لکھنے کے عدم جواز کو پچاس دلائل سے ثابت کیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ اس طرح قرآن پاک میں تحریف لازم آئیگی کیونکہ قرآن نام لفظ و معنی دونوں کا ہے۔ لہذا الفاظ کی حفاظت بھی اسی طرح ضروری ہے جس طرح معنی کی۔ احقر نے ان سب دلائل میں عنوانات قائم کر دیئے ہیں۔ اور جہاں ضرورت محسوس کی حواشی کا اضافہ کیا ہے۔

خلیل احمد تھانوی

قرآن مجید میں لفظی تحریف

۱

کیا ارشاد ہے علمائے کرام و ائمہ دین کا اس مسئلہ میں کہ قرآنی الفاظ کو غیر عرب یا نو مسلم کیلئے آسان کرنے کے واسطے (تاکہ انہیں قرآن کریم اپنی زبان میں پڑھنے کی آسانی ہو جائے) لاطینی وغیرہ حروف میں بدل لینا جائز ہے کہ نہیں؟ دلائل قویہ کے ساتھ فتویٰ مرحمت فرمائیں، تاکہ اللہ تعالیٰ کی کتاب لوگوں کے ہاتھوں میں رہے اور وہ اللہ کے احکام پڑھ لیں خصوصاً غیر اسلامی یورپی وطن والے فائدہ اٹھا سکیں۔ امید ہے کہ قرآن مجید کو غیر عربی میں لکھنے کے حکم کو ظاہر کریں گے اور جلد از جلد ہمیں ارسال کریں گے۔

مولانا عبدالرشید ربانی، امین عام

جمعیت علمائے برطانیہ

الجواب مبسلا و محملا و مصلیا و مسلما

جہاں تک مجھے معلوم ہے اور بات یہی ہے کہ قرآن مجید الفاظ اور معنی دونوں کا نام ہے۔ دونوں میں سے ایک کو بھی بدل دینا تحریف ہے اعادہ نا اللہ منہ (۱)

کتاب الاقان فی علوم القرآن جلد ۲ ص ۷۱ پر علامہ سیوطی تحریر فرماتے ہیں:

ترجمہ: کیا غیر عربی خط میں قرآن شریف کی کتابت جائز ہے؟ زکشیؒ فرماتے ہیں، میں نے اس بارے میں علماء میں سے کسی کا کلام نہیں دیکھا۔ پھر فرمایا اور احتمال ہے جواز کا، یعنی الفاظ بعینہ قائم رکھ کر حرف کی صورت کسی دوسرے خط کی کر دی جائے تو جائز ہے جیسے نستعلیق میں لکھ دینا کیونکہ اس کو بھی اچھی طرح پڑھ سکتا جو قرآن کو عربی زبان میں پڑھتا ہے اور صواب کے قریب اس سے بھی منع کرنا ہے جیسے کہ غیر عربی زبان میں تلاوت حرام ہے اور اسلئے بھی کہ عرب کا قول ہے کہ قلم بھی دو زبانوں میں سے ایک ہے۔ اور عرب غیر عربی قلم کو نہیں پہچانتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بلسان عربی مبین فرمایا یعنی عربی زبان و خط میں نازل فرمایا ہے۔ اور جلد دوم ص ۱۶۷ پر لکھا ہے:

اور امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں مصحف عثمانی کے خط کی مخالفت حرام ہے، واویا الف وغیرہ میں بھی۔ اور امام بیہقیؒ نے شعب الایمان میں کہا ہے اگر قرآن شریف کو لکھے پسندیدہ یہ ہے کہ ان حروف کی حفاظت کرے جن حروف سے انہوں (۲) نے یہ قرآن مجید لکھے ہیں اور لکھنے میں ان کے خلاف نہ کرے اور جو کچھ انہوں نے لکھا ہے اس سے ذرا سا بھی نہ بدلے۔ کیونکہ حضرات صحابہ کرامؓ بڑے علم والے سچے دل اور زبان والے اور عظیم امانت دار تھے اور ہمارے لئے گنجائش نہیں ہے کہ ہم اپنے دلوں میں اس پر کوئی اعتراض رکھیں۔

(۱) اللہ ہم کو اس سے بچا۔ ۲ (۲) یعنی صحابہ نے

دلائل

قرآن کو غیر عربی میں لکھنا تحریف ہے

اللہ تعالیٰ نے سورہ یوسف میں فرمایا ہے: (۱) اُنَّا اَنْزَلْنَاهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا (۱) ”یٰسٰلٰکَ ہم نے نازل کیا ہے اس کو عربی زبان میں“ لہٰذا یہ کُل کا کُل عربی ہے اور کلام الفاظ کے مجموعہ کا نام ہے اور لفظ حروف کے مجموعہ کا اگر حروف عربی ہوں گے تو کلام عربی ہوگا اور اگر حروف عربی نہیں ہوں گے تو کلام بھی عربی نہیں ہوگا۔ گویا قرآن، قرآن نہ رہے گا۔

اور سورۃ الشعراء میں ہے بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ (۲) ”اور ہم نے اس کو واضح عربی زبان میں نازل کیا ہے“

اور سورۃ ابراہیم میں ہے وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ اِلَّا بِلِسَانٍ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (۳) ”اور ہمیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اس کی قوم کی زبان میں تاکہ وہ ان کے واسطے خوب بیان کر سکے“

اور سورۃ بقرہ میں ہے قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرِ ذِي عِوَجٍ (۴) ”ہم نے قرآن عربی میں بنایا ہے وہ کجی والا نہیں ہے“

ان سب آیات کا مقصد یہ ہے کہ قرآن عربی ہے اور عربی زبان کلمات کا مجموعہ اور کلمات حروف عربیہ کا مجموعہ ہیں اگر الفاظ عربی ہوں گے تو کلام اور زبان عربی ہیں اور اگر کلمات و حروف غیر عربی ہو گئے تو کلام اور زبان بھی غیر عربی ہوں گے۔ اور اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے کلمات کو اپنی جگہوں سے تحریف کرنے اور اس کے حروف کی تبدیلی ان کی جگہوں سے اور ان کا جز ہونے سے تحریف و تبدیل ہے۔

(۱) سورۃ یوسف آیت ۲ (۲) سورۃ الشعراء، آیت ۱۹۵ (۳) سورۃ ابراہیم آیت ۴ (۴) سورۃ زمر آیت ۲۸

سورۃ مائدہ میں فرمایا ہے یجرفون الکلم من بعد مواضعہ (۱)
 ”یہودی کلمات کی تحریف کرتے ہیں ان کی جگہ مقرر ہو چکنے کے بعد سے“ اور ایسا ہی سورہ
 نساء میں بھی ہے۔

انگریزی میں قرآن لکھنے سے بعض شکلوں میں معنی بدل کر کفر لازم
 آتا ہے

یاد رکھ لینا چاہئے کہ عربی کے بعض حروف یورپی زبان میں نہیں پائے جاتے
 جیسے ث ص ض ظ ح خ د ط ع غ تو لامحالہ ایک کی جگہ دوسرا حرف رکھا
 جائے گا تو بہت مرتبہ معنی جواز سے حرام بلکہ کفر کی طرف بھی بدل جائیں گے۔ (۲)
 مثلاً اگر لکھا جائے گا اَیْنُ الْیَقِیْنِ بجائے غَیْنُ الْیَقِیْنِ کے تو یہ کفر ہوگا کیونکہ غَیْنُ
 الْیَقِیْنِ بعینہ یقین کو کہتے ہیں اور اَیْنُ الْیَقِیْنِ کے معنی کہاں ہے یقین۔ استفہام انکار ہو
 کر، یقین کا انکار بن کر، کھلا کفر ہو گیا۔

انگریزی تلفظ فساد نماز کا سبب ہوگا

ذ ز ظ ض انگریزی میں جب لکھے پڑھے جائیں گے تو ان کی جگہ Z استعمال ہوگا جو
 سب کے معنی بدل دے گا اور نماز تک فاسد کر دے گا۔

انگریزی میں اعراب نہ ہونے کی وجہ سے بھی اشتباہ ہوگا

حکمتوں کا تو کسی نامکمل زبان میں اعتبار ہی نہیں ہے مگر عربی زبان میں جواز سے گناہ کی
 طرف بلکہ کفر کی طرف پہنچا دیتے ہیں کیونکہ لَ زبر کے ساتھ اور اَنت زبر کے ساتھ مذکر

(۱) سورۃ المائدہ آیت ۴۱ (۲) تجوید کی سب کتابوں میں ہے کہ اگر حرف حرف سے بدل جائے تو محض جلی ہے جو
 حرام ہے۔

کیلئے ہیں اور زیر کے ساتھ مونث کیلئے ہیں۔ (۱)

جب دونوں میں فرق نہیں ہوگا مرد عورت سے اور عورت مرد سے مشتبہ ہو جائیں گے بلکہ اگر اللہ تعالیٰ کیلئے زیر کیساتھ کہہ دیا تو کفر بن جائیگا۔

غیر عربی میں لکھا ہوا قرآن وحی نہیں کہلا سکتا

جبکہ وحی الہی عربی ہے لفظ لفظ حرف حرف عربی ہے، تو بدلے ہوئے الفاظ کیلئے ممکن نہیں ہے کہ یوں کہا جائے وہ وحی الہی ہے کیونکہ یہ حروف اور بگڑی ہوئی حرکات انسانی ہیں۔ نہ عربی اور نہ وحی الہی ہیں تو انکو وحی الہی کہنا جھوٹ اور اللہ تعالیٰ پر تہمت ہے ومن اظلم ممن افتری علی اللہ کذباً (۲) ”کون زیادہ ظالم ہے اس شخص سے جو اللہ پر تہمت لگائے“ اس سے قرآن کا انکار لازم آئے گا تو تہمت کا گناہ الگ ہوگا۔

حروف کی کمی لازم آئیگی

حرف مشدوعربی میں تو ایک حرف لکھا جاتا ہے لیکن پڑھا جاتا ہے دو مرتبہ ایک مرتبہ ساکن اور ایک مرتبہ متحرک اور یورپی زبانوں میں تشدید ہوتا ہی نہیں تو ایک حرف باقی رہے گا اور دوسرا حرف غائب ہو جائے گا اور ایک حرف کا ترک کرنا بھی تحریف ہے اور غلط بنانے کی تہمت ہے۔ (۳)

فتحہ کا الف سے بدل جانا

بعض یورپی زبانوں میں بعض حروف فتحہ کی جگہ استعمال ہوتے ہیں کبھی الف کی

(۱) خَلَقْنٰكَ مِنْ قَبْلِ میں کاف مذکر کیلئے ہے مراد حضرت ذکر یا ہیں اگر کاف پر زیر پڑھیں گے تو معنی بدل جائیں جیسے وَمَا اَنْتَ عَلَيْهِمْ میں معنی بدل جائیں گے اس لئے کہ زیر والا کاف مونث کیلئے استعمال ہوتا ہے۔
(۲) سورۃ النعام آیت ۲۱ (۳) تجوید کی کتابوں میں لکھا ہے کہ کسی حرف میں کمی کرنا بھی لحن جلی ہے اور مشدود کو مشدود نہ پڑھنا بھی لحن ہے جو حرام ہے۔

جگہ مثلاً A کبھی یائے محمولہ کی صورت میں ہوگا اور اشتباہ پیدا کرے گا جیسے لفظ سہارنپور انگریزی میں لکھا جائے گا Saharanpoor جو ساہاراں پور بن گیا عربی کلمہ ان مختلف صورتوں سے مشتق ہو جاتا ہے اور یہ تحریف ہے کیونکہ یہ پڑھنے میں ساہاراں پور ہو جائے گا یا ساہارنپور ہو جائے گا (۱)۔

انگریزی حرف C کبھی کاف کی آواز دیتا ہے کبھی سین کی تو یہ تحریف ہوگی۔

O اور W کے استعمال سے بھی کبھی تحریف لازم آتی ہے

کبھی ان زبانوں میں ضمہ کی جگہ انگریزی میں O دو بار اور کبھی حرف W استعمال ہوتا ہے تو اللہ اکبر اللہ اکبر ہو جائیگا جس کے معنی ہو جائیں گے ”اکبر نام کے کھلاڑی لوگ“ اور یہ تحریف عظیم ہے کیونکہ اللہ اکبر (۲) سے اسم فاعل کی جمع ہے اور نون اضافت کی وجہ سے ساقط ہو گیا ہے اکبر نام کی طرف مضاف ہونے سے۔

مخرج اور صفت کی تبدیلی سے معنی بدل جاتے ہیں (۳)

انگریزی حرف S ”ث“ کے بدلے میں اور ”س“ کے بدلے میں اور ”ص“ کے بدلے میں لکھا جاتا ہے اور عربی کے ان تینوں حرفوں کا الگ الگ مخرج ہے اور الگ الگ صفت ہے مخرج اور صفت کی وجہ سے ہی وہ ایک دوسرے سے ممتاز ہوتا ہے اور غیر عربی حرف کی تبدیلی سے معنی بدل جائیں گے کیونکہ معنی ہر ایک کے علیحدہ علیحدہ ہیں جیسے ثوم یعنی لہسن جو سالن میں کھایا جاتا ہے اور صوم کے معنی ہیں زرخ یا جنگل میں جانوروں کا چرانا ہے۔ اور صوم کے معنی ہیں روزہ یعنی انسان کا کھانا پینا جماع کا فجر سے غروب تک نیت کے ساتھ چھوڑنا تو غور کرو کہ معنی کہاں سے کہاں تک پہنچ جائے گا کیسی زبردست تحریف ہوگی۔

(۱) اور یہ حرف کی زیادتی ہے جو کُن ہے اور حرام ہے (۲) لہو کے معنی کھیل کے آتے ہیں اس کے اسم فاعل کے معنی کھلاڑی ہو گئے۔ (۳) مخرج اور صفت کی تبدیلی بھی لُحْن جلی کا باعث ہے جو حرام ہے۔

حرف کی تبدیلی

بعض عربی حروف ایسے ہیں کہ جب ان قاصر زبانوں میں کوئی حرف اس کا بدل نہیں ملتا تو یہ لوگ اس کی ادائیگی کیلئے دو یا تین حرف بناتے ہیں جیسے حرف خ کی جگہ انگریزی میں KH استعمال ہوتے ہیں اور وہ ہو جاتا ہے کھ جیسے خراب کے بدلے میں ”کھراب“ تو قرآن شریف کا لفظ نہ رہا۔

اجماع کی مخالفت لازم آئیگی

قرآن شریف کا ایک نسخہ ہے جس کو کہا جاتا ہے امام اور وہ وہ نسخہ (۱) جو لغت قریش پر لکھا گیا ہے اور اس بات پر بھی اجماع کیا ہے کہ لفظ ایسے طریقے پر لکھے جائیں کہ ان کو دوسری قرأت پر بھی پڑھا جاسکے اور کوئی تغیر نہ ہو مثلاً مِنْ لَيْلٍ یَوْمِ الدِّینِ کو بغیر الف کے صرف میم پر کھڑا زبردے کر مِنْ لَيْلٍ یَوْمِ الدِّینِ لکھا جاتا ہے تاکہ اس پر دوسری قرأت مِنْ لَيْلٍ یَوْمِ الدِّینِ بھی منطبق ہو جائے اور جب یورپی زبانوں میں ایسا نہیں ہو سکتا تو امام کے خلاف اور اجماع کی مخالفت ہوئی جو گناہ عظیم ہے جیسے دائل سے پہلے اتقان سے نقل ہو چکا ہے۔

ترک تعظیم کا گناہ لازم آئیگا

حرف ل سوائے لفظ اللہ کے ہر جگہ باریک پڑھا جاتا ہے اور لفظ اللہ ان کی عظمت کی وجہ سے جب کہ اس سے پہلے فتح یا ضمہ ہو تو موٹا ہو جاتا ہے یہ پہلے نہ ہوں تو یہ بھی باریک پڑھا جائے گا جیسے ”بِسْمِ اللّٰهِ“ اور ”بِاللّٰهِ“ میں باریک اور ”اللّٰہ اکبر“ اور ”خلق اللّٰہ“ میں موٹا پڑھا جائیگا اور غیر عربی زبانوں میں ایسا نہیں ہو سکتا تو لام ہرگز موٹا

(۱) حضرت عثمان نے رسم قریش پر قرآن پاک لکھوایا اس پر سب کا اجماع ہے کہ رسم عثمانی کے خلاف لکھنا جائز نہیں

نہ ہو سکے گا حالانکہ لام کا موٹا ہونا اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی وجہ سے تھا اس کے چھوڑنے میں تعظیم کا چھوڑنا ہوا اور ترک تعظیم گناہ ہے۔

کلام عربی نہ رہے گا

ایسے ہی حرف ”ز“ اگر بعد فتح یا ضمہ کے ہو یا کسی موٹے حرف سے پہلے ساکن ہو تو موٹی پڑھی جاتی ہے جیسے بِرْ صَادِ میں، ان میں سے کوئی صورت نہ ہو تو باریک۔ اور غیر زبانوں میں اس کا بدل نہیں ہو سکتا لہذا یہ کلام عربی میں غلط ہو جائیگا۔

قرآن کا مہمل ہونا لازم آئے گا

عربی زبان میں نون ساکن کے بعد اگر ب آجائے تو نون میم سے بدل جاتا ہے جیسے مَن بَعْدَ لکھا جائے اور مَن بَعْدَ پڑھا جائے اور مَن بَر کو ممبر پڑھا جاتا ہے کیونکہ یہ ممبر اسم آلہ ہے مبر معنی ظہر سے پس ممبر آلہ ظہور ہوا۔ تو جب دوسری زبانوں میں دو میم سے ممبر لکھا جائے گا تو اسم آلہ مبر بمعنی ظہور نہ ہو سکے گا پس مہمل اور ”ظ“ ہو جائے گا۔ اور قرآن غلط و مہمل نہیں ہو سکتا۔

عدم ادغام کی وجہ سے تحریف لازم آئے گی

الف اور لام عربی میں جب حروف شمسیہ (۱) سے پہلے ہوں گے تو اس میں ادغام پایا جائے گا اور بجائے لام کے وہ حرف دو گنا یعنی تشدید کا بن جائیگا جیسے الرحمن اور الرحیم اور اگر حرف قمریہ سے پہلے ہوگا تو ادغام نہیں ہوگا جیسے الحمد اور غیر عربی زبان میں کبھی ادغام نہیں کیا جائے گا یک ہی حرف رہے گا تو یہ لفظ قرآن کے لفظ کے خلاف اور تحریف ہوگا۔

(۱) حروف شمسیہ کی دہتریں ہیں قمری و شمسی۔ حروف قمری یہ ہیں۔ ”ا ب ج د ه و ز ح ط ی ک م ن“ حروف شمسی ہیں۔

قرآن کا حضور ﷺ کے لہجہ میں پڑھنا ضروری ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فاذا قراناه فاتبع قرانه (۱) ”جب ہم جبریل کی زبان سے پڑھیں تو تم اس کا اتباع کرو“ تو جبریل کی قرأت کا اتباع نبی ﷺ پر واجب ہوا اور حضور ﷺ کی قرأت کا اتباع تمام صحابہؓ پر اور ان کی قرأت کا اتباع تابعین پر تبع تابعین پر پھر تمام مسلمانوں پر ہر استاد سے شاگرد پر۔ تو ہر حرف ایسا پڑھا جانا واجب ہے جیسے جبریل نے نبی ﷺ کے سامنے پڑھا تھا اور ایسے ہی آج تک استاد در استاد ہر شاگرد پر واجب ہے کہ ہر حرف کو اسی مخرج سے ادا کریں جس سے انہوں نے ادا کیا تھا اور انہی صفات سے ادا کریں جن صفات سے انہوں نے ادا کیا تھا اور یہ مقصد یورپی زبانوں میں فوت ہو جاتا ہے اس لئے حلال نہ ہوگا۔ ایسے ہی ایک حرف کے عوض دوسرا حرف رکھنے سے بھی یہ مقصد فوت ہو جاتا ہے وہ فضول گناہ ہے۔ جیسے ح کے بدلے خ اور کاف یا گاف بجائے قاف کے اور د کے بجائے ذ اور ت کے بدلے ث اور س بدلے ص اور ث کے اور ہ بجائے ح کے۔ یہ تو ہر زبان میں ہو رہی ہیں ان کو روکنا اور صحیح کرنا واجب ہے۔ علامہ جزری نے ٹھیک کہا ہے

الاحذ بالتجوید حتم لازم من لم یجود القرآن آثم

”تجوید سے پڑھنا واجب و لازم ہے جو قرآن کو تجوید سے نہیں پڑھتا وہ گنہگار ہے“

غیر عربی میں لکھنا حفاظت خداوندی کے خلاف ہے

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون (۲) ”بے

شک ہم ہی نے نازل کیا ہے ذکر یعنی قرآن مجید کو اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں“ اور یہ ایک

عظیم معجزہ ہے کیونکہ چودہ سو سال گزر چکے ہیں کہ ایک حرف ایک نقطہ ایک شد اور ایک مد اور زیر بر تک کا فرق نہیں آیا لیکن تعجب پر تعجب ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن لوگ خود مسلمانوں ہی کو اس کی تبدیلی پر بھڑکا رہے ہیں کہ حروف و حرکات و سکنات تک بدل ڈالیں کس قدر تعجب کی بات ہے کیوں سب مسلمان دشمنوں کے دھوکہ میں آ گئے۔ اعاذنا اللہ منہا (۱)۔

تحریف قرآن لازم آئیگی

اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں کو اور تمام مخلوقات کو اس کا چیلنج کیا تھا اس جیسا قرآن لاؤ یا اس جیسی دس سورتیں لے آؤ یا ایک ہی سورت لے آؤ مگر چودہ سو سال تک سب اس سے عاجز رہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں نے خود مسلمانوں کو یہ دھوکہ دیا کہ وہ اس کے الفاظ کو بدل بدل کر ایک سورۃ یا دس سورۃ یا پورا قرآن نیا بنا ڈالیں اور سخت حیرت کی بات ہے کہ مسلمان انکے دھوکے میں آ گئے اور تبدیل حروف و حرکات و سکنات تک پر تیار ہو گئے فیرحمہم اللہ ویہدیہم (۲)۔

ثواب سے محرومی

حدیثوں میں آیا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی کتاب کا ایک حرف پڑھے گا اس کو ہر حرف کے بدلہ میں دس نیکیاں ملے گی (ترمذی وغیرہ) اور جب قرآن شریف کے حروف ہی باقی نہ رہیں گے تو اس سارے اجر و ثواب سے محرومی ہو جائے گی۔ کیا مسلمان اسے قبول کریں گے؟

(۱) اللہ ہم کو اس سے پناہ میں رکھے (۲) پس اللہ ان پر رحم کرے اور ان کو ہدایت دے۔

عظیم خسارہ

قرآن شریف کے تمام حروف جیسے کہ علماء نے گنے ہیں ۳۲۳۷۶۰ (تین لاکھ تیس ہزار سات سو ساٹھ) ہیں تو تمام نیکیاں ۳۲۳۷۶۰۰ (تیس لاکھ-سنتیس ہزار چھ سو) ہوئیں تو یہ سارا ثواب تو ختم ہو گیا اور یہ زبردست خسارہ کی بات ہے اور اس کا سبب یہ تبدیل حروف ہی ہوگا اور یہ بڑی عظیم معصیت (۱) ہے۔

جنتی زبان سے دشمنی

ایک حدیث میں ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عرب سے محبت کرو تین وجہ سے کہ میں عربی ہوں اور قرآن عربی ہے اور اہل جنت کی زبان عربی ہے (مستدرک بیہقی)

لہذا حروف و کلمات کا بدلنا اہل جنت کی زبان سے دشمنی ہی نہیں بلکہ جنت کی بھی دشمنی ہے حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "احبوا العرب لثلاث لانی عربی و القرآن عربی و لسان اهل الجنة عربی" ضروری تو یہ تھا کہ ہر مسلمان عربی قرآن کا حافظ یا تقریباً حافظ ہوتا اپنے ملک (جنت) کی زبان سے مانوس ہو سکتا نہ یہ کہ اتنی دوری ہو جائے۔

قرآن عربی میں پڑھنا لازم ہے

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: الماهر بالقرآن مع السفارة الکرام البررة والذى یقرء القرآن ویتنعتع فیہ وهو علیہ شاق له اجران (بخاری و مسلم)

قرآن کا ماہر تو ان نیک آنے والے فرشتوں کے ساتھ ہوگا۔ اور جو شخص قرآن پڑھتا ہے انک انک کر مشقت کے ساتھ اس کے لئے ذیل اجر ہے۔ (۱)

ان تمام حفاظ کرام کیلئے خوشخبری ہے کہ عربی الفاظ کو شٹلا کر پڑھنے میں اجر عظیم ہے اور اگر مشقت میں پڑ جائیں تو ہر شٹلا کر پڑھنے والے کے واسطے دو اجر ہوں گے اس لئے سب پر لازم ہے کہ قرآن شریف کے الفاظ عربی میں سیکھیں اور دشمنوں کی دھوکہ دہی میں مبتلا نہ ہوں۔ بلکہ ان پر واجب یہ ہے کہ وہ ان عظیم اجر کو حاصل کریں اتنی عربی سیکھیں جس سے پڑھ سکیں۔

اللہ تعالیٰ پر تہمت

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ انا انزلناہ فی لیلة القدر (۲) یعنی بے شک ہم نے ہی قرآن شریف کو شب قدر میں نازل کیا ہے (اور متعدد آیات میں ہے کہ قرآن شریف اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے اور نزول اول اور بالذات الفاظ (۳) کا ہی ہوتا ہے معانی تو ان کے تابع ہوتے ہیں تو اگر اس قرآن کو جو تبدیل حروف سے لکھا جائے گا اور غیر عربی زبان میں لکھا جائے گا، اگر قرآن کہا گیا تو یہ جھوٹ اور اللہ تعالیٰ پر ایک تہمت ہوگی۔

غیر عربی حروف کو کلام اللہ نہیں کہہ سکتے

بہت سی آیات میں آیا ہے کہ قرآن عربی اور بلسان عربی مبین وغیرہ وغیرہ یہ سب آیات ثابت کرتی ہیں کہ غیر عربی حروف کا کلام اللہ ہونا ناممکن ہے کہ وہ قرآن کہلا سکے اس کو تو قرآن کہنا گناہ ہے۔

(۱) ایک تو فی حرف دس نیکیاں تھیں اور شٹلا کر پڑھنے پر دس اور بلاہ گئیں۔ (۲) سورة القدر آیت ۱ (۳) اصل نزول تو الفاظ ہی کا ہوا معنی اس کے ضمن میں آئے ہیں۔

لوح محفوظ میں عربی الفاظ محفوظ ہیں

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے بل هو قرآن مجید فی لوح محفوظ (۱) ”بلکہ وہ قرآن مجید لوح محفوظ میں ہے“ اور ہر شخص جانتا ہے کہ غیر عربی الفاظ والا قرآن لوح محفوظ میں نہیں ہو سکتا بلکہ خالص عربی الفاظ اترے ہیں اور اسی طرح محفوظ میں ہیں غیر عربی والا قرآن جعلی ہوگا۔

غیر عربی میں لکھا ہوا قرآن عربی قرآن کے برابر نہیں ہو سکتا

سب لوگ جانتے ہیں کہ ہر حرف و حرکت و نقطہ اور ہر جملہ و آیت قرآنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور بدلے ہوئے حروف مخلوق کی طرف سے ہیں تو ہر حرف و نقطہ و حرکت جو ہماری جانب سے ہے اور جو خدا کی جانب سے اس کا مرتبہ وہی جو اس کے بنانے والوں کا ہے یعنی جو فرق خالق و مخلوق میں وہی مخلوق کے لفظوں میں اور خالق کے لفظوں میں ہے جیسے مخلوق کے لئے خالق کے برابر ہونا ناممکن ہے ایسے ہی تمام حروف و حرکات و سکانات جو ہماری جانب سے ہیں یعنی مخلوق کی جانب سے ہیں اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حروف حرکات و سکانات کے مقابلے میں مثل مخلوق کے ہیں خالق کے سامنے نہ مخلوق خالق کے مساوی (۲) ہو سکتی ہے نہ یہ تغیرات قرآن ان کی عبارت کے برابر ہو سکتے ہیں۔

ایک عظیم خطرہ

ایک بڑا خطرہ یہ سامنے آ گیا ہے کہ اگر یہ مذاق سب کا عام ہو گیا اور ہر ہر جگہ کے لوگوں میں یہ پہنچ گیا تو سب جگہ کے لوگ یہی کوشش کریں گے کہ قرآن شریف کے لفظوں کو

(۱) سورۃ البروج آیت ۲۱، ۲۲، ۲۳ (۲) برابر

اپنی زبان کے لفظوں سے بدل دیں تو خطرہ یہ ہے کہ اصل حروف قرآنی بالکل غائب نہ ہو جائیں۔ اور ہر اہل زبان جماعت کا قرآن اس کی زبان میں ہو جائے عربی قرآن بالکل دنیا سے نابود (۱) نہ ہو جائے جیسے تورات و انجیل میں ہوا کہ ان کی اصل زبان جس میں وہ نازل ہوئی تھیں بعینہ (۲) کہ کہیں نہیں ملتیں بلکہ مختلف انسانی ترجمے کہ جن کے متعلق کوئی دلیل اسکی نہیں ہے کہ یہ ترجمے اصلی ہیں یا اپنی طرف سے بنائے ہوئے ہیں کیونکہ اصلی ہونا جس چیز سے معلوم ہو سکتا تھا یہ کہ اصل کتاب موجود ہو پھر اس زبان کے جاننے والے موجود ہوں اور وہ اصل سے مقابلہ کر کے دیکھیں اور اصل زبان مفقود (۳) ہی ہے تو کسی کو صحیح ہی نہیں کہہ سکتے پھر ان ترجموں کا نام کلام اللہ کہہ دیا جاتا ہے اور یہ سوائے جھوٹ کے اور خدا پر بہتان کے اور کیا ہو سکتا ہے۔

گہری نظر سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ یہ تجویز ایک بڑا گہرا اور خفیہ و باریک دھوکہ ہے جو دشمنان اسلام نے قرآن کو دنیا سے معدوم (۴) کرنے کے لئے پھیلا یا ہے اور تعجب ہے کہ مسلمان بھی اس کی کوشش کر رہے ہیں تو اوروں کی کیا شکایت؟

خطرناک سازش

ہر کتاب اور وحی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی جاتی ہے اس کے فقط الفاظ ہی نازل کئے جاتے ہیں اور معنی ان الفاظ کے تابع ہوتے ہیں۔ پس اگر وہ الفاظ جو اللہ کی جانب سے نازل کئے گئے ہیں نہ رہیں گے تو کلام اللہ معدوم (۵) ہو جائے گا بلکہ اس سے بڑھ کر یہ ہوگا کہ جو تراجم و استنباطات منسوب ہوں گے ان کو کلام اللہ کا نام دے دیا جائے گا جو صراحۃ اللہ پر بہتان ہوگا کیونکہ تراجم و استنباطات و منسوبات الفاظ الہی نہیں ہیں۔ نیز یہ

(۱) بالکل ختم نہ ہو جائے (۲) اپنی اصلی حالت میں (۳) مٹانے کیلئے (۴) جب الفاظ جو اصل کلام اللہ تھے نہ رہے تو گویا کلام اللہ ہی نہ رہا۔

کہ یہ معلوم کرنا بھی مشکل ہو جائیگا کہ یہ تراجم صحیح ہیں یا اپنی طرف سے گھڑے ہوئے ہیں اس لئے کہ ترجمہ کی صحت و عدم صحت یقینی علم کا ذریعہ فقط ایک ہی ہے کہ الفاظ اصلیہ جو کہ نازل کئے گئے تھے وہ سامنے ہوں تاکہ انطباق کیا جاسکے اور اس کے (یعنی الفاظ کے معنی سمجھنے کے) ماہر بھی ہوں اور یہاں الفاظ ہی معدوم ہیں۔ جیسے کہ تورات و انجیل کہ ان کے تراجم موجود ہیں مگر چونکہ الفاظ موجود نہیں ہیں اس لئے یہ تراجم غیر معتبر ہیں کہ ذریعہ علم ان تراجم کے صحیح ہونے کا فقط یہی تھا کہ اصل الفاظ سامنے ہوتے اور پرکھنے والے پرکھ کر فیصلہ کرتے۔ اب دشمنان اسلام نے یہ ایک گہری سازش تیار کی ہے کہ الفاظ قرآن کو معدوم کر دیا جائے تاکہ تراجم قرآن کی صحت بھی مشکوک ہو جائے اور یہ معلوم نہ ہو سکے کہ یہ ترجمہ صحیح ہے یا غلط اور یہ بڑی ہی خطرناک سازش ہے و مکر و ا مکر (۱) اللہ واللہ خیر المکرین (۲) اور انہوں نے بھی چالاکی کی ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی چالاکی کی ہے اور اللہ تعالیٰ بہتر چالاکی کرنے والے ہیں۔

تحریف لفظی و معنوی کا لزوم

بامعنی لفظ اپنے معنی سے جدا نہیں ہو سکتا جب کہ معنی لفظ سے جدا ہو جاتے ہیں جیسے تراجم الفاظ پس اگر عربی الفاظ کو غیر عربی الفاظ سے تبدیل کر دیا جائے گا تو یہاں لفظ کے بدلنے سے معنی بھی بدل جائیں گے۔ سو محض الفاظ کی تبدیلی بھی تحریف تھی اور اب معنی کے تبدیل ہونے سے یہ دوہری تحریف ہو گئی، تحریف لفظی اور تحریف معنوی جس کی وجہ سے گناہ بھی دو گنا ہو جائے گا فاعاذنا اللہ منہما (۳) یا تبدیلی سے مہمل ہو جائیں گے۔

(۱) مکر کا لفظ عربی زبان میں اچھی اور بری دونوں قسم کی تدبیریں کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور اردو میں صرف بری تدبیر کیلئے بولتے ہیں یہاں مطلب یہ ہے کہ اللہ نے ان کی بری تدبیر کے مقابلہ میں بہتر تدبیر کی۔ (۲) آل عمران آیت ۵۳ (۳) اللہ تعالیٰ ہم کو ان دونوں باتوں سے پناہ میں رکھے۔

قواعد عربیہ کا خیال نہ رکھنے سے تحریف لازم آئیگی

عربی زبان کی ایک بڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کے قواعد ایسے بے مثال اور مضبوط ہیں کہ دنیا کی کسی بھی زبان کے ایسے قواعد نہیں ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل اسلام نے اپنی کتاب منزل (۱) کی زبان کی جو بے مثال خدمت کی ہے دنیا کی کسی قوم نے ایسی خدمت نہیں کی۔ اب اگر غیر عربی حروف کو عربی حروف کی جگہ تبدیل کر کے لے آئیں گے تو قواعد عربی کا لحاظ رکھنا ممکن ہی نہ رہے گا تو الفاظ کی تبدیلی اسکو عربی ہونے سے خارج کر دے گی نہ وہ اس کی زبان رہے گی نہ عربی۔ مثلاً نون ساکن اور تنوین (یعنی دو ضمے دو فتحے دو کسرے) (۲) کے متعلق یہ قاعدہ ہے کہ جب ان کے بعد لام آجائے تو نون کو اور نون کی آواز کو جو تنوین سے حاصل ہوتی ہے لام میں ادغام کر دیا جائے نون غنہ اور لام دو گنا ہو جاتا ہے۔

پھر اسی طرح تنوین کہ جب اس کے بعد ساکن اصلی یا عارضی (جیسے ہمزہ وصلیہ کے بعد لام وغیرہ) آجائے تو تنوین کی آواز سے جو نون ساکنہ پیدا ہوگا اس کو لام سے ملانے کیلئے نون مکسور سے بدل دیں گے تاکہ دو ساکن کے جمع ہو جانے کی خرابی نہ رہے جیسے وَئِلٌ لِّكُلِّ هَمْزَةٍ لُّمَزَةٍ۔ نِ الَّذِي اور هَمْزَةٍ کی تنوین لِكُلِّ اور لُّمَزَةٍ کے لام میں مدغم ہو گئی اور دو لام ہو گئے اور لُّمَزَةٍ کی تنوین کہ جس کے بعد الَّذِي تھا الف وصل کو حذف کر کے نون تنوین کو زبردے کر لام سے ملا دیں گے پس اس قاعدہ کی بنا پر جو ساکن کیلئے ہے کہ حرف ساکن کو جب حرکت دی جائے تو کسرہ کی حرکت دی جائے لہذا لَمَزَةٍ کی تنوین سے جو آواز نون ساکنہ کی حاصل ہوتی تھی اس کو کسرہ کی حرکت دے دی گئی۔

(۱) اللہ تبارک و تعالیٰ کی کتاب یعنی قرآن حکیم (۲) ویش دوزیر اور دوزیر

”ن“ کیا گیا اور یہ سوائے عربی زبان کے کسی بھی زبان میں ممکن نہیں ہوگا۔ پس یہ ایک بڑی تحریف ہوگی۔ (۱)

بعض عربی الفاظ کا متبادل دوسری زبان میں ہے ہی نہیں

لفظ الحمد (تعریف کرنے والا ہونا حمد کیا ہوا ہونا) آٹھ معنی کو مشتمل ہے (۱) مصدر معلوم تعریف کرنا (۲) مصدر مجہول تعریف کیا جانا (۳) حاصل مصدر معلوم ستائش (۴) حاصل مصدر مجہول ستودگی (۵) اسم مصدر معلوم جامد ہونا (۶) اسم مصدر مجہول ذکر خیر (۷) مصدر مبنی للفاعل تعریف کرنا (۸) مصدر مبنی للمفعول تعریف کیا جانا۔ پس دنیا کی تمام زبانوں کو دیکھ لیجئے کوئی بھی لفظ اس کا جامع یا متبادل نہیں مل سکتا کہ اس میں آٹھوں معنی موجود ہوں لہذا لفظ الحمد کا ایسا جامع ترجمہ کہ وہ حقیقی ترجمہ کہلائے ممکن نہیں ہے پس ایک ایک (۲) معنی کے ذریعے سے تفسیر کی جاتی ہے چہ جائے کہ وہ جو تبدل حروف کے بعد حاصل ہوتا ہو کیونکہ لفظ الحمد کو جب تبدل کر دیں گے تو نہ لفظ باقی رہے گا اور نہ اس کے معانی (۳)۔

(۱) مفتی صاحبؒ نے تجوید کے دو قاعدوں کی طرف نشاندہی کی ہے ایک یہ کہ نون ساکن اور تنوین کے بعد اگر حروف ”یرطون“ میں سے کوئی حرف آئے تو اس نون ساکن یا تنوین کا ان حروف میں ادغام ہوگا۔ لام اور راء سے بلا غنہ باقی میں مع الغنہ۔ ایک دوسرا قاعدہ اجتماع ساکنین کا ذکر کیا ہے کہ جب دو ساکن حرف اس طرح جمع ہوں کہ ایک حرف پہلے کلمے کے آخر میں دوسرا شروع میں تو بعض صورتوں میں پہلے ساکن کو زبردے کر پڑھتے ہیں اس جگہ لسمز میں بھی تنوین چونکہ نون ساکن کے حکم میں ہے۔ اور الذی میں ہمزہ اصلی ہے جو درمیان کلام میں گر جاتا ہے اور پھر لام مشدود ہونے کی وجہ سے دوبار پڑھا جاتا ہے، ایک ساکن اور دوسرا متحرک۔ اس لئے گویا نون ساکن اور لام ساکن جمع ہوئے تو پہلے ساکن کو زبردیا گیا، اسی لئے ایسے مقامات پر قرآن پاک میں چھوٹا سا نون لکھ کر اس کے نیچے زیر لگا دیتے ہیں جیسے ”نوح“ نہن، ”غیرہ“ (۲) یعنی چھپے ہوئے لفظ الحمد کے ذکر کئے ہیں ان میں سے ہر معنی کے اعتبار سے تفسیر کی جاتی ہے (۳) ظاہر ہے جب لفظ ہی بدل گیا تو جو آٹھ تفسیریں یہاں ممکن تھیں سب باطل ہوئیں۔

غیر عربی میں ادغام ممکن نہیں

ایک قاعدہ عربیہ یہ بھی ہے کہ نون ساکنہ یا نون ساکنہ کی آواز جوتنوں سے پیدا ہوتی ہے جب اس کے بعد ل م ن و ی چھ حرفوں میں سے کوئی حرف آجائے گا تو اس نون ساکنہ یا آواز نون ساکنہ (۱) کو مابعد میں (۲) ادغام کر دیا جاتا ہے اور نون کو صرف ناک سے غنہ (۳) کے طریقہ پر پڑھا جاتا ہے سوائے اس کے کہ بعد میں ”ز“ یا ”ل“ آجائے کہ اس صورت میں ادغام تو ہوگا مگر غنہ نہیں ہوگا جیسے ان راہ استغنیٰ اور ایحسب ان لن یقدر (۴) الخ اور غیر عربی زبانیں اس سے بالکل خالی ہیں۔

مشدد حرف کی تبدیلی سے معنی میں تحریف

غیر عربی زبانوں میں تشدید نہیں ہوتی بالخصوص یورپ کی زبانوں میں پس مثلاً لفظ الذی یدْعُ الٰہَیْمِ میں لفظ یدْعُ کو بغیر تشدید عین سے یدْعُ پڑھا جائے گا اور اس کے معنی ہو جائیں گے کہ وہ یتیم کو پکارتا ہے جب کہ یدْعُ عین کی تشدید کے ساتھ جو کہ اصل تھا اس کے معنی ہیں کہ وہ یتیم کو دھکے دیتا ہے اور یہ صاف تحریف ہے لفظی بھی اور معنوی بھی اللہ تعالیٰ ہم کو اس سے بچا کر رکھے۔

عین کو A سے لکھنے سے معنی میں تغیر ہو کر حرام ہوگا

اللہ کے اسماء حسنیٰ میں سے ایک نام ”العلیم“ بھی ہے اور اگر کسی زبان میں لفظ ع ہوگا تو اس کو ہمزہ سے بدل کر پڑھا جائیگا اور اس کو ”الیم“ پڑھا جائے گا اور یہ معنی کے لحاظ سے ”المؤلم“ (تکلیف دینے والا) کے ہوگا اور تحریف عظیم ہے اور اللہ تعالیٰ پر بہتان ہے اور

(۱) یعنی تنوین کو (۲) اس کے بعد والے حرف میں (۳) غنہ کہتے ہیں ناک میں آواز لے جانے کو یعنی اس نون کو ناک میں آواز لے جا کر پڑھتے ہیں (۴) یعنی نون کو ادغام کی وجہ سے بالکل نہیں پڑھیں گے۔

اس میں اہانت کا پہلو بھی ہے۔

اللہ پر بہتان

دوسری زبانوں کے سب کے سب حروف اور الفاظ اللہ کا کلام ہوں گے جیسے کہ صرف ترجمہ کہ وہ اللہ کا کلام نہیں ہے پس لوگوں کا قول ہوگا کہ یہ اللہ کا کلام ہے جو ایک بہت بڑا بہتان ہوگا پس ایسا کرنا حرام ہوگا اور یہ شخص مجرم ہوگا۔ (۱)

قرآن ”عربی مبین“ کی مخالفت

یورپی زبانوں میں بعض الفاظ ایسے ہیں جو عربی زبان میں ہیں ہی نہیں مثلاً پ ت چ ڈ ژ گ اور ھ دو چشمی جب یہ کسی لفظ کے ساتھ مل کر آئے جیسے کھالے وغیرہ پس ان حروف کی جگہ جو حرف بھی عربی کالائیں گے تو کلمہ اور کلام مہمل ہوگا یہ معنی بدل جائیں گے پس وہ قرآن کہ جو عربی مبین ہے باقی نہ رہے گا۔

الف کی مختلف شکلیں

الف کبھی موٹا کر کے پڑھا جاتا ہے اور کبھی باریک یعنی جب الف ایسے حرف کے بعد آئے جس کو موٹا (۲) کر کے پڑھا جاتا ہے جیسے اللہ تو الف موٹا ہوگا اور اگر ایسے حرف کے بعد واقع ہو جس کو باریک پڑھتے ہیں تو الف باریک ہوگا اور غیر عربی میں ایسا نہیں

(۱) اس لئے کہ کلام اللہ کی تعریف علماء نے یہی کی ہے کہ ”الفاظ والمعنی جميعا“ یعنی الفاظ اور اس میں پنہاں معنی دونوں کو ملا کر کلام اللہ کہا جاتا ہے اس لئے صرف ترجمہ کو کلام اللہ نہیں کہہ سکتے اسی طرح قرآن پاک کے علاوہ دوسری زبان کے یہ الفاظ جو کہ اللہ کے نازل کردہ نہیں ہیں ان کو جب کلام اللہ کہا جائے تو یہ اللہ پر الزام ہوگا کہ غیر کے کلام کو اس کا کلام کہا جائے۔ (۲) مونے پڑھ جانے والے حروف یہ ہیں خ ص ض ط ظ غ ق اور لفظ اللہ کا لام اور حرف ”ی“ جبکہ ان پر زبر یا پیش ہو یا ان سے پہلے زبر پیش ہو پس جب الف ان حروف کے بعد آئے تو موٹا پڑھیں گے ورنہ باریک جیسے ”کان“ کا الف۔

ہو سکے گا لہذا غلط پڑھا جائیگا۔

رسم قرآن میں تحریف

قرآن حکیم کا طرز تحریر بھی خصوصی اہمیت رکھتا ہے جس کا لحاظ اگر ترک کر دیا جائے تو معاملہ گناہ تک پہنچ جاتا ہے جیسے ہم لم یدعوا هو لا یدعو پہلا صیغہ جمع ہے جس کے آخر میں الف علامت جمع ہے جو پڑھا نہیں جاتا، اور دوسرا صیغہ واحد ہے جس کے آخر میں الف نہیں ہے اور یہ فرق یورپی زبانوں میں نہیں ہوگا لہذا رسم قرآنی گڑبڑ ہو جائیگا۔

اسی طرح لفظ 'ت' اس کو کبھی مستطیل (۱) تحریر کیا جاتا ہے جیسے لفظ 'وقت' اور کبھی اسکو مستدیر (۲) تحریر کیا جاتا ہے جیسے لفظ 'منہ' اور تاء ثانی (۳) جو مستدیر (گول) لکھی جاتی ہے حالت وقف (۴) میں اس کو "ہ" پڑھتے ہیں جبکہ حالت وصل (۵) میں تاء پڑھتے ہیں اور پہلی تاء جو مستطیل (۶) ہے وہ حالت وقف و وصل میں 'تا' ہی پڑھی جاتی ہے اور یہ فرق غیر عربی میں نہ ہوگا لہذا غلط ہوگا۔

وقف و وصل میں تحریف

عربی میں وقف (ٹھہراؤ) اور وصل (ملاپ) کیلئے قاعدے ہیں پھر کہیں تو وصل واجب ہوتا ہے اور وہاں رکنا اور وقف کرنا حرام ہوتا ہے اور کہیں وقف ضروری ہوتا ہے اور آگے ملانا اور وصل کرنا حرام ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں "ما من الہ" (۷)

(۱) ت لکی لکھی جاتی ہے (۲) کبھی ة گول لکھی جاتی ہے (۳) دوسری تاء (۴) جب تلاوت قرآن کریم کرتے ہوئے اس مقام پر دیکھیں تو اس کو حالت وقف کہتے ہیں (۵) اور ان تلاوت ملا کر پڑھنے کی صورت میں (۶) جو لکی لکھی ہوئی ہو (۷) یہ آیت اس طرح ہے و ما من الہ الا الہ واحد (سورۃ مائدہ آیت ۷۳) اور اس کا ترجمہ ہے (حالانکہ ہر ایک معبود کے اور کوئی نہیں) اور جب ما من الہ پر وقف کریں گے تو مطلب یہ ہو جائے گا کہ کوئی معبود نہیں۔ جو قرآنی مضمون کے خلاف ہے اس لئے کہ اس میں معبود حقیقی کی بھی نفی ہوتی ہے اسلئے یہاں وقف حرام ہے۔

یہاں وقف کرنا حرام ہے ایسے ہی ”انسی کفرت“ (۱) کہ تاء پر رکنا حرام ہے۔

اہتمام وقف و وصل

روایت کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں دو شخص حاضر ہوئے ان میں سے ایک نے خطبہ پڑھا اور اس نے کہا ”من يقطع الله ورسوله فقد رشد ومن يعصهما“ اور رک گیا۔ نبی ﷺ نے اس سے فرمایا ”قم بشئ الخطيب انت“ (اٹھ جاؤ تم برے خطیب ہو) اور ایسا آپ ﷺ نے اس کے وقف کی قباحت (۲) کی وجہ سے فرمایا کیونکہ درست بات یہ ہوتی کہ وہ ”رشد“ پر وقف کرتا اور ”يعصهما“ پر وقف حرام ہوا اور یہ بات تبدیل کی ہوئی عبارت میں حاصل نہیں ہو سکتی۔

راء کے قواعد سے زہول

حرف ”ز“ جب کہ اس کے نیچے زیر ہو تو اس کو بار یک پڑھا جاتا ہے لیکن جب اس پر رکنا ہو تو اب اس کے ماقبل کو دیکھا جائیگا اگر اس پر کسرہ (زیر) ہے تو ”ز“ کو بار یک پڑھیں گے اور اگر اس سے پہلے حرف پر پیش یا زبر ہے تو ”ز“ کو موٹا پڑھیں گے اور اگر اس سے پہلا حرف ساکن ہے تو پھر اس حرف ساکن سے پہلے حرف کو دیکھیں گے اگر اس پر زبر یا پیش ہے تو ”ز“ کو موٹا پڑھیں گے اور اگر حرف ساکن سے پہلے حرف کے نیچے زیر ہو تو ”ز“

(۱) یہ آیت اس طرح ہے انسی کفرت بما اشركتمونی من قبل (سورۃ ابراہیم آیت ۲۲) اور اس کا ترجمہ ہے ”میں خود تمہارے اس فعل سے بےزار ہوں کہ تم اس کے قبل مجھ کو شریک قرار دیتے تھے“ اس لفظ انسی کفرت کا ترجمہ یہ ہے کہ میں کفر کرتا ہوں۔ لیکن اگلی آیت اس کے ساتھ ملنے سے مطلب واضح ہوتا ہے کہ تم جو اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے ہو میں اس کا انکار کرتا ہوں اور اگر اسی جگہ یعنی انسی کفرت پر وقف کیا جائے تو یہ مطلب ہوگا کہ میں مطلق کفر کرتا ہوں جو بالکل غلط ہے۔ اس لئے یہاں وقف حرام ہے۔ (۲) غلط انداز اور غلط جگہ ٹھہرنے کی وجہ سے کیونکہ یہاں معنی میں یہ تفسیر واقع ہوا کہ جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے اور جو نافرمانی کرتا ہے دونوں ہدایت یافتہ ہیں اور یہ مطلب غلط ہے۔

کو بار یک پڑھا جائیگا جیسے ”انا انزلنہ فی لیلة القدر“ (۱) میں کہ ”ز“ سے پہلا حرف ساکن ہے اور اس سے پہلے حرف (جو ”ق“ ہے) پر زبر ہے پس جب ”ز“ پر وقف کیا جائے گا تو ”ز“ کو موٹا پڑھا جائیگا اور اگر مابعد (۲) سے ملا کر پڑھیں گے تو ”ز“ کو بار یک پڑھیں گے کیونکہ اس کے نیچے زیر ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ”ز“ کی دو حالتیں ہیں کبھی موٹا کبھی بار یک اور جب اس کو غیر عربی میں بدل دیں گے تو ایسا نہیں ہو سکے گا اور نہ ہی اس کی عربیت باقی رہے گی۔

ادغام کے قواعد سے زہول

ایسے دو حرف جو قریب الحرج (۳) ہوں اور پہلا ان میں ساکن ہو اور دوسرا متحرک تو پہلے کو دوسرے میں ادغام کر دیا جائے گا جیسے کہ حق تعالیٰ کے اس قول میں ہے ”اِذْ ظَلَمُوْا“ (۴) ”ظاء“ کو مشدد پڑھیں گے پس ”ذ“ کو ”ظ“ میں ادغام کر دیا جائیگا اور تبدیل کئے ہوئے حروف میں یہ ناممکن ہے۔

غیر عربی میں قواعد کا اہتمام ممکن نہیں

الف، واو اور یا (ی) جب ساکن ہوں اور ان سے پہلے حرکت ہو جو ان حروف کے موافق ہو (یعنی الف سے پہلے فتح واو (۵) سے پہلے ضمہ (۶) اور ی سے پہلے زیر ہو) اور

(۱) سورۃ القدر آیت ۱ (۲) اگر اس کے بعد والے حرف سے ملا کر (۳) قریب الحرج کا مطلب یہ ہے کہ پہلے حرف کے بعد جو حرف ہے اس کے نکلنے کی جگہ بالکل اسکے ساتھ ہے جیسے ”ق“ اور ”ک“ کہ قاف کا تخرج زبان کی جڑ اور اوپر کا تالو ہے جبکہ کاف کا تخرج زبان کی جڑ اور اسامہ کی طرف ہٹ کر اوپر کا تالو ہے۔ اسی طرح ب اور م کا باء کا کہ باء دونوں ہونٹوں کی تری اور میم کا دونوں ہونٹوں کی خشکی ہے۔ (۴) یہ مثال متحرک الحرج مختلف الصفت کی ہے مختلف الحرج کی مثال یہ ہے کہ یا بنی اور کب معنابا کا ادغام میم میں ہوگا۔ یا اہم نخطفکم کہ قاف کا ادغام کاف میں ہوگا (۵) ز۔ (۶) پیش۔

ان کے بعد ہمزہ ہو تو ان کو زیادہ سے زیادہ پانچ الف تک کھینچ کر پڑھیں گے یہ صرف عربی حروف میں تو ممکن ہے غیر عربی میں ممکن نہیں ہے۔

اور اگر مندرجہ بالا حروف کے بعد ہمزہ کے علاوہ کوئی دوسرا حرف ساکن یا مشدود ہو تو تب اسی طرح مد کیا جائیگا جیسے الرحیم اور تبدیل کئے ہوئے حروف میں ایسا نہیں ہوگا۔
اور اگر نو یا 'ی' سے پہلے حرف پر زبر ہو تو مد نہیں کیا جائے گا (۱) اور تبدیلی کی صورت میں یہ ناممکن ہے اور دونوں میں فرق نہ کیا جاسکے گا۔

اتباع جبرئیل کا ترک لازم آئیگا

دلیل نمبر ۷ میں گذر چکا ہے فاتبع قرائنہ (۲) اور قرأت صرف الفاظ ہی کی ہوئی ہے۔ پس الفاظ جبرئیل اور ان کے مخارج (۳) و صفات (۴) کا اتباع واجب اور ضروری ہے اور الفاظ کی تبدیلی سے وہ جبرئیل کے قرأت کردہ الفاظ کا اتباع نہ ہوگا۔

شبہ اور اس کا جواب

اگر یہ کہا جائے کہ بعض حضرات نے قرآن مجید کو خط نستعلیق (فارسی اور اردو) میں لکھا ہے پس ان کی اقتداء ہمارے لئے کافی ہے تو یہ اعتراضات کیسے کئے جاسکتے ہیں؟
اس کے تین جواب ہیں۔ (۱) کتابت (لکھنا) اور قرأت (پڑھنا) میں زمین و آسمان کا فرق ہے اس لئے کہ کتابت نقوش کا نام ہے یعنی وہ حروف کی صورتیں ہیں اور

(۱) کیونکہ اس وقت یہ واد اور یا حرف مد نہیں بلکہ حرف لین کہلائیں گے اور ان میں ہر صورت میں مد نہیں ہوتا البتہ اگر ان کے بعد کوئی حرف ساکن ہو یا وقف کی وجہ سے سکون ہو تو مد ہوگا۔ جیسے قریش میں اگر وقف نہ کریں مد نہ ہوگا اور اگر کریں تو مد ہوگا۔ (۲) سورۃ قیامت آیت ۱۸ (۳) حروف کے نکلنے کی جگہیں بطن زبان ہونٹ ان میں مختلف مقامات متعین ہیں جہاں سے حروف نکلتے ہیں ان کو مخارج کہتے ہیں جو کل سترہ ہیں (۴) حروف کی ادائیگی وقت جو اس کی کیفیت ہوتی ہے جیسے موٹا ادا ہونا یا باریک ادا ہونا، غیرہ اس کو صفت کہتے ہیں۔

حروف عربی کے ہی ہیں اس کے پڑھنے میں کوئی تغیر نہیں ہوا بلکہ ان کی صورتیں تبدیل ہوئی ہیں پس اس لئے قرأت عربی میں کی جائے گی۔

(۲) اولیٰ بات یہی ہے کہ قرآن کو خط عربی میں لکھا جائے تاکہ نقوش حروف کے موافق ہو جائیں اور میں یہ دیکھتا ہوں کہ امت کے متقی لوگوں نے قرآن کیلئے خط نستعلیق کو اچھا نہیں جانا بلکہ عربی ہی میں تحریر کرنے کو پسند فرمایا ہے اور ترجمہ اردو اور نستعلیق میں کیا ہے اور ترجمہ جو قرآن نہیں ہے اور اگر کہیں ایک دو آیت کو خط نستعلیق میں لکھ دیا تو اس کا اعتبار نہیں۔

(۳) اردو کے حروف عربی حروف کے خلاف نہیں ہوتے بلکہ ہر حرف عربی کا اردو زبان کا حصہ (۱) ہے تو گویا کہ حروف عربیہ حروف اردو کا جز ہیں تو اسکی قرأت عربی میں کی جاسکتی ہے اور وہ اردو میں بھی کہلا سکتی ہے کیونکہ حروف عربی کے اردو میں داخل ہیں (یعنی اعم اخص مطلق کی نسبت ہے)

تغیر معنی کی مثال

اگر ”الحمد“ کے بجائے ”الہمد“ پڑھ دیا جائے تو ایک عظیم تغیر اور مسخ لازم آتا ہے کیونکہ ”الہمد“ کے معنی آگ بجھانے کے آتے ہیں یا موت کے بھی آتے ہیں تو گویا اس نے آگ بجھانا کہا یا موت اللہ کیلئے کہا اور یہ تحریف بالکل ظاہر ہے۔ اسی طرح العالمین کی جگہ الالمین یہ الہم بروزن فاعل کی جمع ہے جو اسم آلہ ہے جیسے کہ عالم ما یعلم بہ اللہ جس کے ذریعہ سے خدا کو معلوم کیا جائے۔

(وما علینا الا البلاغ)

(۱) اس کا مطلب یہ ہے کہ عربی کے تمام الفاظ اردو میں تو ہیں لیکن اردو کے تمام الفاظ عربی میں نہیں ہیں۔

ملحدین اور قرآن مجید

کی

طباعت و فروخت

ary.blogspot.com

zoolku-elibrary.blogspot.com

الكتاب المبين في يد الكفار والمشرکین

استحفاظ الدینیات

محدثین اور قرآن مجید کی طباعت و فروخت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لا و مصلیٰ و مسلما

جب راقم الحروف خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون میں فتاویٰ کا کام کرتا تھا مقبول احمد صاحب ایم ایل اے، دی تاج امرتسر کا اس مضمون کا استفتاء حضرت (۱) کے نام آیا تھا۔ حضرت تھانوی قدس سرہ کے ارشاد پر احقر نے جواب لکھا اور حضرت نے ملاحظہ فرما کر یہ لقب تجویز فرمایا ”الكتاب المبين في يد الكفار والمشرکین“ اور اصلاح فرما کر آخر پر تحریر فرمایا ”جزاك الله افدت واجدت فيما افدت“ (اللہ تعالیٰ تم کو جزا دیں فائدہ پہنچایا اور عمدہ پہنچایا عمدہ کیا جس میں فائدہ پہنچایا) جواب الیقعدہ ۱۳۶۰ھ کا یعنی اب سے چوالیس سال پہلے کا لکھا ہوا ہے چونکہ اب مسلمانوں کی حکومت ہے مسلمانوں کو بھی ہندو، مرزائی، شیعہ کے طبع و فروخت کرنے پر توجہ کرنی چاہئے۔ کیا برطانیہ کی حکومت میں رہتے ہوئے مسلمانوں کا سا، یہ جذبہ ایمانی اب بھی اسلامی حکومت والوں میں ہے یا نہیں۔ سوال و جواب پیش ہے۔

سوال:

ایک مسودہ قانون زیر غور ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ قرآن کریم کی طباعت اور فروخت صرف مسلمانوں تک ہی محدود رکھی جائے اور غیر مسلموں کو اس کی طباعت اور

فروخت سے روک دیا جائے۔ لہذا اس امر کا شرعی پہلو معلوم کرنے کیلئے آپ کی خدمت میں مندرجہ ذیل سوالات ارسال ہیں ازراہ کرم ان کا جواب بہت جلد اور ممکن ہو تو بواپسی ڈاک ارسال فرما کر ممنون فرمائیں، سوالات حسب ذیل ہیں۔

(۱) کیا قرآن کریم کے ادب و احترام کو قائم کرنے کیلئے قرآن پاک کی طباعت کا کام صرف اہل اسلام کیلئے مخصوص کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۲) کیا قرآن کریم کے اکرام و احترام کی غرض سے قرآن پاک کی فروخت کا کام صرف مسلمانوں تک محدود کر دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

نیاز آگیں (مقبول احمد ایم ایل اے، دی تاج امرتسر)

الجواب:

نمبر نمبر ۲ بسم اللہ الرحمن الرحیم حامداً و مصلیاً و مسلماً (۱)

طباعت و فروخت مصاحف (۲) مسلمانوں کے ساتھ ہی خاص ہے دوسرے لوگوں کو خواہ وہ اہل کتاب (۳) ہوں یا مشرک ذمی (۴) ہوں یا حربی (۵) یا مستامن (۶) اسکی اجازت نہیں۔ چونکہ ہندوستان میں مسلمانوں کو قدرت یا علم قدرت نہ تھا یا بعض کو مسئلہ کا علم نہ تھا اس لئے اب تک یہ صورتیں رہیں کہ غیر مسلم کے ہاتھ یہ کام پہنچ گئے۔ اگر قدرت حاصل ہو تو ان دونوں کاموں کو مسلمانوں میں منحصر کر دینا اور غیر مسلموں کے لئے ممانعت

(۱) شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور رحم والا ہے اللہ کی تعریف کرتے ہوئے اور رسول اللہ پر درود و سلام پڑھتے ہوئے (۲) قرآن پاک (۳) غیر مسلم وہ جو اللہ کی کسی کتاب کو مانتے ہوں جیسے یہودی اور عیسائی کہ توریت اور انجیل کو مانتے ہیں، (۴) ذمی وہ کافر ہیں جو اسلامی ریاست میں ٹیکس دے کر رہتے ہوں جیسے کافر اقلیتی (۵) وہ کافر جو اپنے ملک میں رہتے ہوں جیسے ہندوستان کے کافر (۶) وہ کافر جو عارضی طور پر امن کے لئے کراہی ریاست میں آئے ہوں جیسے وہ کافر جو ویزا لے کر ہمارے اسلامی ملک میں آئیں۔

کرا دینا صرف جائز ہی نہیں بہت ضروری ہے بلکہ قرآن شریف تو قرآن شریف ہی ہے۔ حدیث تفسیر فقہ تصوف اور تمام دینی کتابوں کی کتابت و طباعت و فروخت کو بھی مسلمانوں کے لئے ہی مخصوص کر دینا از بس (۱) ضروری ہے۔ خصوصاً اس زمانہ میں تو ایک درجہ میں واجب ہے۔

اس مدعی (۲) پر قرآن و حدیث و اجماع و استنباط سے دلیلیں پیش کی جاتی ہیں امید ہے کہ اہل قدرت (۳) اس میں غور کر کے پوری پوری کوشش کریں گے اور قرآن شریف اور تمام دینیات کا احترام بحال رکھنے کی سعی (۴) فرما کر مستحق اجر و ثواب ہوں گے۔

کفار کیساتھ مسلمانوں کے تعلقات کی مختلف اقسام

سورہ واقعہ میں ہے لا یمسہ الا المظہرون (۵) (قرآن مجید کو چھو نہیں سکتے سوائے بالکل پاک لوگوں کے) اور تفسیر خازن جلد ۷ ص ۲۱ پر ہے اور قول ثانی پر کتاب سے مراد قرآن شریف ہے تو معنی یہ ہوئے کہ شرک سے پاک بالکل پاک کے سوا کوئی نہیں چھو سکتا۔ تفصیل آگے نمبر ۴ میں آئے گی۔

اور سورہ ممتحنہ میں ارشاد ہے۔

لَا يَنْهَاكُمْ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُواكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُواكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۖ إِنَّمَا يَنْهَاكُمْ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُواكُمْ فِي الدِّينِ أَخْرَجُواكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَىٰ اخْرَاجِكُمْ أَنْ تَتَوَلَّوهُمْ وَمَنْ تَوَلَّهُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝ (۶)

(۱) بہت زیادہ (۲) اس دعویٰ کے ثبوت کے لئے (۳) طاقت رکھنے والے احباب (۴) کوشش کر کے

(۵) سورہ واقعہ آیت (۶) سورہ الممتحنہ آیت ۸

”اللہ تعالیٰ تم کو ان کافروں سے نہیں روکتے جنہوں نے نہ دین میں تم سے قتال کیا نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا کہ تم ان کے ساتھ احسان کرو اور عدل و انصاف کرو، اللہ تعالیٰ تو انصاف کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں۔ ہاں ضرور روکتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کافروں سے جنہوں نے دین میں تم سے قتال کیا اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے پر مددگار بنے اس سے کہ تم ان سے دوستی کرو اور جو ان سے دوستی کریں گے تو وہی لوگ ظالم ہیں۔“

کفار کے ساتھ مسلمانوں کے برتاؤ تین قسم کے ہیں۔ محبانہ، محسانہ (احسان کرنا) منصفانہ (عدل) اول کسی کافر کے ساتھ جائز نہیں اہل کتاب ہوں یا مشرک ذمی ہوں اس کی ممانعت اسی سورت کے شروع میں صاف آچکی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تَلْقَوْنَ
الْيَهُم بِالْمُؤْمِنِينَ قَدْ كَفَرُوا إِذَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرِّسُولَ
وَأَيَّاكُمْ أَنْ تَوَمَّنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ (۱)

”اے ایمان والو! نہ بناؤ تم میرے دشمن اور اپنے دشمن کو دوست کہ ان کی طرف محبت ڈالو حالانکہ انہوں نے اس سے کفر کیا جو حق تمہارے پاس آیا ہے جو رسول اور تم کو نکالتے ہیں اس لئے کہ تم اپنے رب پر ایمان لائے ہو۔“

اور دوسری آیتوں میں بھی ہے اور قسم سوم کا برتاؤ ہر قسم کے کافر کے ساتھ جائز ہے اس کا تاکیدی حکم ہے اور اس کے خلاف ممانعت ارشاد ہے۔

لَا يَجْرُ مِنْكُمْ شَتَّىٰ قَوْمٍ عَلَىٰ أَنْ لَا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ (۲)
”تم کو کسی قوم کی مخالفت اس پر آمادہ نہ کر دے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کیا کرو یہی تقویٰ

کے زیادہ قریب ہے۔“

اور قسم دوم کے تعلقات بعض کے ساتھ جائز ہیں بعض کے ساتھ جائز نہیں۔ اس آیت لا ینہاکم الایۃ میں اسی کا بیان یا خلاصہ یہ ہے کہ جن کافروں نے تم سے لڑائی نہیں کی اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا نہیں ہے ان کے ساتھ تو محسنانہ (احسان کا) برتاؤ جائز ہے اور جن کافروں نے لڑائی کی ہے اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہے ان سے محسنانہ برتاؤ ناجائز ہے۔ موقع اجازت میں ہر واقعات (نیکی و انصاف) سے اور موقع ممانعت میں تولی (دوستی) سے تعبیر فرمایا ہے۔ حالانکہ نظم آیات سے باقتضائے (۱) مقابلہ ظاہر ہے کہ دونوں جگہ ایک ہی چیز مراد ہے تو اس کی حکمت یہ ہے کہ محسنانہ برتاؤ دو چیزوں پر مشتمل ہوتا ہے ایک عدل اور ایک محبت۔ اول کا مقتضائے (۲) یہ تھا کہ ہر قسم کے کفار کے ساتھ جائز ہو اور دوم کا یہ کہ کسی کافر کے ساتھ بھی جائز نہ ہو جیسے اوپر مفصل آیا ہے اس لئے جہاں محسنانہ برتاؤ کی اجازت دی گئی ہے وہاں تو عنوان عدل و انصاف رکھا ہے جس کا اقتضاء اباحت ہے (۳) تاکہ اہل معاملہ کو انقباض (۴) نہ ہو اور جہاں ممانعت کی گئی ہے وہاں تولی و محبت کا عنوان رکھا ہے جو حریت کو مقتضی ہے تاکہ نفرت ہو جائے۔

غرض قتال و اخراج (۵) والوں سے محسنانہ برتاؤ کی ممانعت ہے اور ہندوستان میں کفار اول تو لڑائی اور جہاں تک ہو سکتا ہے نکال ہی رہے ہیں اگر یہ نہ ہو تو عزم تو دونوں باتوں کا رکھتے ہیں اور عزم کو وجود کا حکم ہوتا ہے اس لئے ان کے ساتھ بھی محسنانہ برتاؤ کی ممانعت ہوئی۔ اور جب معمولی مباح چیزوں میں احسان کا برتاؤ منع ہے تو ایسی کتاب جس

(۱) آیات کی ترتیب اور مقابلہ سے یہی بات ثابت ہے کہ دونوں جگہ ایک ہی بات مراد ہے

(۲) تقاضا۔ (۳) جائز ہونا ہے (۴) تنگی نہ ہو (۵) وہ کافر جو مسلمانوں سے لڑائی کریں اور ان کو ان کے گھروں

سے نکالیں۔

سے تمام مسلمانوں کی جان و ایمان وابستہ ہے جس پر مذہب کا دار و مدار ہے وہ ان کے ہاتھ میں دے دینا جو اعلیٰ درجہ کا احسان ہے کیسے ممنوع نہ ہوگا؟ اور ایسے ہی تمام مذہبی کتابیں بھی۔

اگر اہانت کا خوف ہو تو قرآن پاک کفار کے ملک میں بھیجنا بھی جائز نہیں

مسلم شریف ج ۲ ص ۱۳۱ مع نووی

عن عبد الله بن عمر عن رسول الله ﷺ انه كان ينهى ان يسافر بالقرآن الى ارض العدو مخافة ان يناله العدو
”حضرت عبد اللہ بن عمر کے واسطے سے حضور ﷺ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ اس سے منع فرمایا کرتے تھے کہ قرآن مجید کو دشمن کے ملک کی طرف لے جایا جائے اس خوف سے کہ دشمن کے ہاتھ نہ پڑ جائے۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کافروں کے ہاتھ میں پڑ جانے کے محض احتمال سے قرآن شریف کا جہاد میں لے جانا بھی جائز نہیں اور اس پر تمام امت کا اجماع و اتفاق ہے کہ چھوٹے لشکروں میں جہاں کفار کے غلبے اور قرآن مجید ان کے ہاتھ میں پڑ جانے کا جس سے وہ بے عزتی کر سکیں، احتمال ہو تو لے جانا جائز نہیں جیسے آگے نمبر ۳ میں آتا ہے۔ تو ہندوستان میں یا دوسرے ممالک میں قرآن شریف کو کافروں کے ہاتھوں میں دے دینا جہاں بے عزتی کر سکنے کا قوی احتمال ہو کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ اور یہی حکم دینی کتابوں کا بھی ہے۔

(در مختار بر حاشیہ شامی ج ۳ ص ۲۳۰ پر ہے و نہینا عن اخراج ما یجب

تعظیمہ و یحرم الاستخفاف بہ کمصحف و کتب فقہ و حدیث
واراد بالنہی ما فی مسلم لا تسافروا بالقرآن فی ارض العدو ولا فی
جیش یومن علیہ فلا کراہۃ قال الشامی قوله و یحرم الاستخفاف بہ
زاد ذلك وان استلزمہ ما قبلہ لان ذلك علة النہی فان اخراجه یؤدی
الی وقوعہ فی ید العدو وفی ذلك تعریض لاستخفافہم وهو حرام۔

(اور ہم منع کئے ہوئے ہیں دشمن کی طرف نکالنے سے اس چیز کے جس کی تعظیم
واجب اور اس کی اہانت حرام ہے جیسے قرآن شریف فقہ کی کتابیں اور حدیث کی کتابیں اور
ماتن نے ممانعت سے وہ مراد لیا ہے جو مسلم شریف میں ہے کہ قرآن شریف کے ساتھ دشمن
کے ملک کا سفر نہ کرو مگر ایسے لشکر میں جس میں امن ہو سکے تو مکروہ نہ ہوگا۔ شامی کہتے ہیں کہ
ماتن نے (۱) ”اور اس کی اہانت حرام ہے“۔ گو یہ پہلے کے لفظ کیلئے لازم تھا اس لئے زیادہ کیا
ہے کہ ممانعت کی علت یہ اہانت ہے کیونکہ دشمن کے ملک میں لے جانا اور دشمن کے ہاتھ
پڑنے تک پہنچانا اور اہانت کیلئے پیش کرنا۔ ہے جو حرام ہے)

شامی کی اس روایت سے قرآن شریف اور تمام دینی کتابوں کے دشمنوں یعنی
کافروں کے ملک لے جائی ممانعت اور اس کی علت بھی معلوم ہوگئی کہ یہ استخفاف
(اہانت) پر پیش کرنا ہے اور استخفاف حرام ہے اس لئے ان کا لے جانا جائز نہیں تو جب لشکر
میں توہین الاستخفاف الحرام (حرام اہانت کیلئے پیش کرنا ہے جہاں فقط احتمال ہی
ہوتا ہے کہ ممکن ہے کافر غلبہ کر کے مذہبی کتابوں پر غلبہ پالے تو اس طرح کافروں کے قبضہ
میں دے دینا جہاں ان کو یقینی قدرت ہے کہ جس طرح چاہیں بے حرمتی کر سکیں کسی بھی طرح
جائز نہیں ہو سکتا۔

جہاد میں چھوٹے لشکروں میں قرآن لے جانے کی ممانعت

اجماع امت: (الف) فتح الباری شرح بخاری ج ۶ ص ۹۳ پر ہے:

قال ابن عبد البر اجمع الفقهاء ان لا يسافر بالمصحف في السرايا والعسكر الصغير واختلفوا في الكبير المأمون عليه فممنع مالك ايضاً مطلقاً وفصل ابو حنيفة وادار الشافعية الكراهة مع الخوف وجوداً وعدماً (ترجمہ) ابن عبد البر نے بیان کیا ہے کہ تمام فقہاء نے اس پر اجماع کیا ہے کہ قرآن شریف کے ساتھ سفر نہ کیا جائے سریوں (پلٹون) میں اور چھوٹے لشکروں میں اور بڑے لشکروں میں جو مأمون ہوں اختلاف ہے تو امام مالک نے اس میں بھی منع کیا ہے اور امام ابو حنیفہ نے چھوٹے بڑے کی تفصیل کی ہے اور امام شافعی نے مکروہ ہونے کا مدار خوف کے وجود و عدم پر رکھا ہے یعنی خوف ہو تو منع ہے ورنہ نہیں۔

یعنی اس پر تمام فقہائے امت کا جن کا اجماع معتبر ہوتا ہے اجماع ہے کہ چھوٹے لشکروں میں جن میں کافروں کے غلبہ اور قرآن مجید پر قابو پانے اور بے حرمتی کرنے کا احتمال غالب ہو قرآن مجید لے جانا جائز نہیں ہے۔

کفار کو قرآن پاک فروخت کرنا منع ہے

(ب) فتح الباری ج ۶ ص ۹۴ استدلال بہ علی منع بیع المصحف من الکافر بوجود المعنی المذكور فیہ و هو التمكن من الاستهانة به ولا خلاف فی تحریم ذلك وانما وقع الاختلاف هل يصح لو وقع وبومر بازالة ملكه عنه ام لا۔ اور اسی حدیث سے اس کے منع پر دلیل لی گئی ہے کہ قرآن شریف کسی کافر کو فروخت کیا جائے۔ اسی علت کے اس میں پائے جانے سے وہ ہے اہانت

پر قادر ہونا اور اس کے حرام ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اختلاف تو صرف اس میں ہوا ہے کہ اگر ایسا ہو جائے تو کیا بیع صحیح ہوگی اور اس کو اس کی ملک سے لانے کا حکم دیا جائے گا یا نہیں)

کفار کو دینی کتابیں فروخت کرنا منع ہے

اور یہی حکم دوسری تمام دینی کتابوں کا ہے بذل المجہود ج ۵ ص ۲۳۵ پر

ہے:

”وزاد بعضهم منع بيع كتب فقه فيها آثار قال السبكي بل
الاحسن ان يقال كتب علم وان لم يكن فيها آثار تعظيما للعلم
الشرعي قال ولده التاج وينبغي منع ما يتعلق بالشرعي ككتب
النحو والفقه“

ترجمہ: اور بعض نے زیادہ کیا ہے فقہ کی ان کتابوں کی فروخت کے منع کو بھی جن میں حدیثیں ہوں، علامہ سبکی شافعی کہتے ہیں بلکہ بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ علم دین کی کتابوں کو اگرچہ ان میں احادیث نہ بھی ہوں علم شرعی کی تعظیم کی وجہ سے منع ہے اور ان کے صاحبزادہ تاج نے کہا ہے کہ مناسب ہے منع کرنا ان سے بھی جو شرع سے تعلق رکھتی ہوں جیسے نحو و فقہ وغیرہ کی کتابیں۔

کسی کافر کو قرآن شریف مس کرنے دینا (چھونے دینا) جائز نہیں

در مختار حاشیہ شامی ج ۱ ص ۱۶۲ میں ہے۔

و يمنع النصراني من مسه (ای المصحف المذكور قبلہ)

وجوزہ محمد اذا اغتسل قال الشامی قوله و يمنع النصراني ومن

بعض النسخ الكافر وفي الخانية الحربى او الذمى وقوله وجوزه
محمد اذا اغتسل جزم فى الخانية بلا حكاية خلاف قال فى البحر و
عندهما يمنع مطلقا۔

عیسائی منع کیا جائے گا قرآن مجید کو چھونے سے اور جائز قرار دیا ہے امام محمد نے
جبکہ غسل کر لے۔ علامہ شامیؒ کہتے ہیں کہ بعض نسخوں میں لفظ عیسائی کی جگہ کافر ہے اور فتاویٰ
قاضی خان میں ہے کہ حربی ہو یا ذمی (۱) اور متن کا قول ہے کہ امام محمد نے جائز قرار دیا ہے
جب وہ غسل کر لے اس کو فتاویٰ قاضی خاں نے بغیر اختلاف نقل کئے بیان کیا ہے۔ بحر
الرائق شرح کنز الدقائق میں ہے کہ امام ابو حنیفہ و امام ابو یوسف کے نزدیک ہر طرح منع کیا
گیا ہے بحر الرائق ص ۲۰۲ ج ۱ پر ہے: لکن لا یمس المصحف واذا اغتسل
ثم مس لا یاس به فی قول محمد و عندہما یمنع من مس المصحف
مطلقا لیکن کافر قرآن مجید کو نہ چھوئے اور جب غسل کر لیا پھر چھولیا تو امام محمدؒ کے قول
میں کوئی مضائقہ نہیں اور امام ابو حنیفہ و امام ابو یوسف کے نزدیک قرآن مجید کو ہر طرح
چھونے سے منع کیا جاتا ہے اور فتاویٰ قاضی خان ج ۲ ص ۳۷۹ پر ہے الا ان الکافر لا
یمس المصحف (لیکن کافر قرآن مجید کو نہ چھوئے)

عالمگیری جلد ۶ ص ۲۱۶ پر ہے قال ابو حنیفہ اعلم النصرانی الفقہ
والقرآن لعلہ یمتدی ولا یمس المصحف وان اغتسل ثم مسح لا
یاس به کذا فی الملتقط (امام ابو حنیفہ نے فرمایا ہے کہ نصرانی کو فقہ کی اور قرآن کی
تعلیم تو دوں گا کہ شاید وہ ہدایت پالے اور قرآن مجید کو نہ چھوئے اور اگر غسل کر لے پھر
چھو لے تو مضائقہ نہیں)

(۱) دار الکفر میں رہنے والا کافر ہو یا نکلیں دے کر دار الاسلام میں رہنے والا کافر

ان فقہی روایات سے معلوم ہوا کہ کافر کو قرآن مجید کا چھونے دینا بلا غسل کرائے تو جائز نہیں ہے یہ مذہب تمام احناف کا ہے اور غسل کرانے کے بعد امام محمد کے نزدیک اور امام اعظم کی ایک روایت میں لا باس بہ (اس کا مضائقہ نہیں) ہے یعنی مکروہ تنزیہی ہے جو استدانت (۱) سے شدید مکروہ ہو جاتا ہے شامی ج ۱ ص ۶۱۶ پر ہے۔ قال فی النہایۃ لان لفظ لا باس دلیل علی ان المستحب غیرہ لان الباس اشدة نهایہ میں ہے کیونکہ لفظ لا باس (شدت نہیں ہے) دلیل ہے اس پر ہے کہ اس کا غیر مستحب ہے کیونکہ باس (شدت ہے) شدت نہ ہو تو معمولی خرابی ہوئی یعنی مکروہ تنزیہی۔ اور دوسری روایت میں (جس کو فتاویٰ میں اختیار کیا گیا ہے جیسے البحر الرائق اور قاضی خان میں ہے اور اس لئے وہ رائج ہے) بالکل ناجائز ہے۔

کافر کو قرآن پڑھانا جائز نہیں

اور دوسرے اماموں کے نزدیک مس تو مس پڑھانا بھی جائز نہیں فتح الباری شرح بخاری ج ۶ ص ۷۷ پر ہے۔

وهذه المسئلة مما اختلف فيه السلف فمنع مالك من تعليم الكافر القرآن و رخص ابو حنيفة واختلف قول الشافعي والذى يظهر ان الراجح التفصيل بين من يرجى منه الرغبة في الدين والدخول فيه الا من منه ان يتسلط بذلك الى الطعن في الدين والله اعلم و يفرق ايضا بين القليل منه والكثير كما تقدم في اوائل كتاب الحيض (یہ مسئلہ ان میں سے ہے جن میں پہلے بزرگوں نے اختلاف کیا ہے تو امام مالکؒ نے تو کافر کو قرآن مجید کی تعلیم دینے سے منع کیا ہے اور امام ابو حنیفہؒ نے گنجائش دی ہے اور امام شافعیؒ کا

(۱) اس فعل پر دوام کرنے سے

قول مختلف ہے جو ظاہر مذہب ہے یہ ہے کہ رائج تفصیل ہے درمیان اس کے کہ جس سے امید کی جاتی ہو دین کی رغبت اور دین میں داخل ہونے کی مع اس بات کے امن کے کہ وہ اس وجہ سے دین پر طعنہ کرنے پر مسلط نہ ہو جائے۔ واللہ اعلم۔ اور فرق کیا جائے گا قلیل و کثیر (۱) میں بھی جیسے اول کتاب الحیض میں بیان ہو چکا ہے)

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی تعلیم بھی اسی کو جائز ہے جو طعنہ و استخفاف (۲) نہ کرے یہی مذہب خفیہ کا ہے جو یہاں شوافع کا رائج کر کے بیان کیا ہے اور امام مالک کے نزدیک تو یہ بالکل جائز نہیں۔ تو مس کرنا (چھونا) بدرجہ اولیٰ جائز نہیں ہے۔

شبہ

اس پر ایک شبہ ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے ہر قل کافر کو بسم اللہ الرحمن الرحیم یا اهل الكتاب تعالوا الی کلمۃ الایۃ لکھا تھا۔ یہ دو آیتیں تھیں ایک بسم اللہ دوسری یا اهل الكتاب آخر تک۔ تو اس نے خط کو مس (۳) بھی کیا اور ظاہر تھا کہ خط کو مس کیا جاتا ہے تو جب حضور نے خط بھیجا تو مس کی اجازت دے دی اور چونکہ پڑھنے کیلئے ہی لکھا جاتا ہے تو پڑھنے کی اجازت دے دی اور جیسا دو آیتوں کا حکم ہے ایسا ہی پورے قرآن شریف کا ہے۔

جواب

اس کا جواب شیخ ابن حجر نے یہ دیا ہے۔ فتح الباری ج ۱ ص ۳۴۷ وقد احیب عن من منع ذلك وهم الجمهور بان الكتاب اشتمل علی اشياء غیر الایتین فاشبهه مالمو ذکر بعض القرآن فی کتاب الفقه او فی التفسیر

فانه لا يمنع قرأته ولا مسه عند الجمهور لانه لا يقصد منه التلاوة ونص احمد انه يجوز مثل ذلك في المكاتب لمصلحة التبليغ وقال به كثير من الشافعية ومنهم من خص الجواز بالقليل كالآية والايتين (جن حضرات نے اس سے منع کیا ہے انکی طرف سے جواب دیا گیا ہے اور وہ اکثر علماء ہیں یہ کہ خط تو دو آیت کے سوا کئی چیزوں پر بھی مشتمل تھا تو اس کے مشابہ ہوا جیسے قرآن کا کچھ حصہ فقہ کی یا تفسیر کی کتاب میں ذکر کیا جائے کہ اکثر علماء کے نزدیک نہ اس کے پڑھنے سے منع کیا جاتا ہے نہ چھونے سے کیونکہ اس کا مقصود تلاوت نہیں اور امام محمدؒ نے صاف فرمایا ہے کہ خط و کتابت میں ایسا جائز ہے تبلیغ و احکام کی مصلحت سے اور بہت سے شافعی حضرات نے بھی یہی کہا ہے اور ان میں سے بعض نے جائز ہونے کیلئے قلیل کی تخصیص کی ہے جیسے ایک آیت یا دو آیت) یعنی جس میں ایک دو آیات کے علاوہ باقی اور مضامین ہوں تو اس کا مس کرنا مصلحت تبلیغ کے وقت کافر کو جائز ہے تو اس حوالہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شوافع اور حنابلہ کے نزدیک بھی کل قرآن کا مس کرنا خصوصاً جبکہ مصلحت تبلیغ بھی نہ ہو جائز نہیں۔

دوسرا شبہ

حنفیہ کے نزدیک کافر کا مسجد میں داخل ہونا جائز ہے جیسے درمختار میں ہے: وجاز دخول الذمی مسجدا ولو جنباً کما فی الأشباه (شامی ج ۵ ص ۲۵۶) (ذمی کافر کا مسجد میں داخل ہونا جائز ہے اگرچہ وہ جنب ہو) (۱) تو مسجد میں داخل ہونا جائز ہے تو قرآن شریف کا مس کرنا بھی جائز ہونا چاہئے۔ لعدم الفارق (کیونکہ دونوں چیزوں میں کوئی فرق نہیں)

(۱) یعنی اس حالت میں ہو جس میں غسل کرنا مسلمان پر واجب ہوتا ہے۔

جواب

جواب یہ ہے کہ دونوں میں فرق ہے مسجد کا حکم اور ہے اور قرآن شریف کا اور۔
دیکھئے! مسجد میں مسلمانوں کو بے وضو جانا جائز ہے مگر قرآن شریف کو بے وضو مس کرنا جائز
نہیں اس لئے قرآن شریف کے مس کرنے کو مسجد میں داخل ہونے پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔

تیسرا شبہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جبکہ وہ اسلام نہیں لائے تھے قرآن شریف کو مس کیا
تھا۔ یہ واقعہ خود حضرت عمرؓ سے منقول ہے جمع الفوائد ج ۲ ص ۲۰۸ پر ہے: قلت یا عدوۃ
نفسہا صیوت فاضرب راسہا فبکت وقالت یا ابن الخطاب اصنع
ما کنتم صانعا فقد اسلمت فذهبت وجلست علی السریر فاذا
الصحیفۃ فقلت ما ہذہ الصحیفۃ فقالت دعنا عنک فانک لا تعسل
من الجنابۃ ولا تتطہر وھذا لا یمسہ الا المطہرون فمازلت بہا حتی
اعطتینہا

حضرت عمرؓ نے اپنی مسلمان ہمشیرہ سے کہا اے اپنی جان کی دشمن تو بے دین ہو گئی
ہے تو میں اس کے سر پر مارنے لگا۔ وہ رو پڑی اور کہا اے خطاب کے بیٹے کر لے جو تو کرنا
چاہے کیونکہ میں تو مسلمان ہو چکی ہوں۔ وہ چلی گئی اور تختہ پر بیٹھ گئی تو اچانک ایک صحیفہ تھا
میں نے کہا یہ صحیفہ کیا ہے؟ بولیں الگ ہو جاؤ ہم سے، تم تو جنابت کے بعد غسل نہیں کرتے
اور پاک نہیں ہوتے اور یہ وہ چیز ہے کہ اس کو صرف پاک ہی چھو سکتے ہیں، میں اس پر اصرار
کرتا رہا یہاں تک کہ وہ مجھے صحیفہ دے دیا۔ اور اس میں غسل وغیرہ کا بھی ذکر نہیں ہے۔

جواب

یہ واقعہ سیرت ابن ہشام بر حاشیہ زاد المعارج ص ۸۷ پر بھی ہے۔

قال لا ختہ اعطیننی ہذہ الصحیفۃ لانی سمعتکم تقرأون أنفا
انظر ما هذا الذی جاء به محمد و کان عمر کانا فلما قال ذلک قالت
له اختہ انا نخشاک علیہا قال لا تخافی حلف بالہتہ لردبہا اذا قراها
الیہا فلما قال ذلک طمعت فی اسلامہ فقال یا اخی انک نجس علی
شرکک وانہ لا یمسہ الا الطاہر فقام عمر فاغتسل واعطتہ الصحیفۃ
فقرأھا الخ۔

(حضرت عمرؓ نے اپنی بہن سے کہا کہ مجھ کو یہ صحیفہ تو دو جس کو میں نے ابھی تم کو پڑھتے سنا ہے
یعنی دیکھوں وہ کیا چیز ہے جس کو محمد ﷺ لائے ہیں اور حضرت عمرؓ لکھ لینے والے تھے یہ کہا تو
انکی بہن نے کہا ہم تجھ سے اس پر خوف رکھتے ہیں آپ نے کہا ڈرو نہیں اور اپنے معبودوں کی
قسم کھالی کہ وہ صحیفہ دیکھ کر واپس کر دیں گے۔ جب حضرت عمرؓ نے یہ کہا تو ان کو انکے اسلام
کی توقع بندھ گئی تو کہنے لگیں کہ اے بھائی تم ناپاک ہو مع شرک کے۔ اور یہ ایسی چیز ہے کہ
اس کو پاک ہی ہاتھ لگا سکتا ہے حضرت عمرؓ اٹھے اور غسل کیا اور میں نے صحیفہ ان کو دے دیا اس
میں تھی طہ (۱) آپ نے اسے پڑھا آخر تک۔

اور احکام القرآن للجصاص ج ۳ ص ۳۱۵ پر ہے عن انس بن مالک فی
حدیث اسلام عمرؓ قال فقال لا ختہ اعطونی الکتاب الذی کنتم
تقرؤن فقالت انک رجس وانہ لا یمسہ الا المطہرون فقم فاغتسل
او توضا فتوضا ثم اخذ الکتاب فقرأ۔

(حضرت انس بن مالک نے حضرت عمر کے اسلام کی حدیث میں یہ ہے کہ کہتے ہیں انہوں نے اپنی بہن سے کہا مجھے وہ کتاب تو دو جسے تم پڑھ رہے تھے انہوں نے کہا تم ناپاک ہو یہ ایسی چیز ہے کہ اس کو خوب پاک لوگ ہی ہاتھ لگا سکتے ہیں تو اٹھو غسل کرو یا وضو کرو انہوں نے وضو کر لیا کتاب لے لی اور پڑھ لی۔ معلوم ہوا کہ غسل یا وضو کے بعد لیا ہے۔ حضرت عمر کو حالت کفر میں قرآن چھونے اور پڑھنے کی اجازت دینے کی وجوہات

اول تو یہ واقعہ حضور ﷺ کے سامنے کا نہیں ہے کہ حضور کی رضا مندی معلوم ہوتی۔

دوسرے بہت ممکن ہے کہ جمع القوائد والی روایت میں اختصار ہو اور مسازلت بھا (میں اصرار کرتا رہا) کے بعد کا یہ واقعہ ترک کر دیا ہو یعنی غسل وغیرہ کا۔

تیسرے یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت عمرؓ کی ہمشیرہ کو کل احکام معلوم نہ ہوئے ہوں کیونکہ ابھی زمانہ قریب میں اسلام لائی تھیں۔ چنانچہ اور روایتوں میں اوپر بیان ہو چکا ہے۔

چوتھے ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ کی ضرب سے متاثر ہو کر مجبوری کی حالت میں ایسا کیا ہو جس کا بیان ہر روایت میں ہے اور ابن ہشام کی روایت میں خون نکلنا بھی ہے۔

پانچویں یہ کہ ممکن ہے کہ ان کے نزدیک بھی یہی مسئلہ ہو کہ غسل یا وضو کافی ہو جاتا ہے تو بیش از بیش (۱) یہ ہوگا کہ بغیر غسل یا وضو کے جائز نہ تھا۔

چھٹے ابن ہشام کی روایت میں تصریح ہے کہ اسلام لے آنے کے قرائن ہو گئے تھے اور ان سے حلف لے لیا تھا اس لئے جن روایتوں میں یہ نہیں انکو بھی مفصل روایات پر محمول کیا جائے گا۔

اور اب یہ فعل تبلیغ کے لئے اور اطمینان عدم استخفاف (۱) کے بعد ہوا ہے اس لئے پہلی روایات کی بنا پر بھی شبہ نہیں ہو سکتا کہ کافر کو استخفاف کے اندیشہ کی وجہ سے قرآن مجید کا سپرد کرنا جائز ہے۔ اور یہاں سے معلوم ہوا کہ جائز ہے کیونکہ اطمینان کے بعد ہے۔

دوسرے وہ سامنے موجود تھے اگر استخفاف (۲) کا صدور دیکھا جاتا تو ان سے واپس لے لیا جاتا۔

تیسرے ان پر اثر تھا اس لئے اطمینان تھا اسی وجہ سے تو غسل کیلئے تیار ہو گئے ورنہ جس کے دل پر کوئی اثر نہ ہو وہ کیسے اس کیلئے آمادہ ہو سکتا تھا خصوصاً اس زمانہ میں جبکہ چالاکیاں اور عیاریاں اس زمانہ کی سی نہ تھیں اور بہت ممکن ہے کہ ان قرائن سے حضرت کی بہن نے حضرت عمر کے اسلام لانے پر استدلال کر لیا ہو کیونکہ اصل اسلام تو دل سے ہی ہوتا ہے اور نجس علی شرک کے معنی یہ ہوں کہ نجس تھے شرک کی حالت میں جسکی تشریح جمع الفوائد والی روایت ہے کہ غسل جنابت نہ کرتے تھے یعنی اب اگرچہ مسلمان ہو گئے مگر غسل جنابت نہ ہونے کی وجہ سے حالت شرک میں نجس تھے اس لئے غسل کی ضرورت ہے۔

غرض سوائے ایک دو امام کے سب کے نزدیک غسل کے بعد بھی اور بغیر غسل کرائے تو بالاتفاق کافر کو قرآن مجید مس (۳) کرنے دینا جائز نہیں ہے۔ اور ظاہر ہے کہ کتابت و طباعت فرموں کا موڑنا دینا ٹائٹل لگانا کاٹنا جلد بنانا وغیرہ اور پتھروں یا پلیٹوں کو

(۱) توہین نہ کرنے کا اطمینان ہونے کے بعد (۲) اہانت کرتے دیکھتے تو واپس لے لیتے (۳) چھونے دینا۔

صاف کرنا ان سب کاموں میں بلا حائل کے مس کرنا ہوتا ہے پھر فروخت کرنے میں بھی بار بار کا اٹھانا رکھنا پلندے بنانا وغیرہ بھی بلا حائل ہوتا ہے اسلئے جہاں تک ہو سکے کفار کو اس سے روکنے کی سعی (۱) کی جائے۔

چوتھا شبہ

اگر کافر لوگ اس کا وعدہ کر لیں کہ ہم یہ سب کام مسلمانوں کے ہاتھوں سے کرائیں گے یا بلا حائل کے نہ کریں گے تو کیا جائز ہوگا کہ ان کو طباعت و فروخت کی اجازت دے دی جائے۔

جواب

جواب یہ ہے کہ نہیں۔ کیونکہ اول تو کافر کا اعتبار نہیں اگر قسم بھی کھالے تب بھی قابل اعتماد نہیں کما قال تعالیٰ فی سورة البراءة انہم لا ایمان لہم (بیشک یہ کافران کی قسمیں کچھ نہیں)

دوسرے ہر وقت کی نگرانی کون کر سکتا ہے۔ تیسرے تجربہ ہے کہ اول اول

اس کا اہتمام بھی کیا گیا تو چند روز بعد اہتمام نہیں رہتا۔ چوتھے ہجوم کار (۲) کے وقت یہ سب اہتمام عادیہ ممکن نہیں ہوتے۔ پانچویں جن لوگوں سے وعدے لئے جائیں گے خواہ قسم سے بھی لئے جائیں وہ اپنی ذات کے متعلق ہی تو وعدہ کر سکتے ہیں ان کے اعزہ و منہجر اور دوسرے ملازم خصوصاً جبکہ آجکل غیر مسلم لوگ مسلمان کو ملازم رکھتے ہی نہیں وہ سب کافر ہی ہوں گے اور ان سے نہ وعدہ ہوگا اور نہ تو قابل اعتماد نہیں ہوگا۔ اور کم سے کم اس کو تو ہر شخص جانتا ہے کہ ہر شخص کا وعدہ قابل اعتبار نہیں ہو سکتا خاص کر جب کہ آجکل تعصب بہت ہو گیا

(۱) کوشش (۲) کام کی زیادتی۔

ہے اور عیاری و چالاکی جز ولایت بن گئی ہے۔ چھٹے یہ کہ اوپر جو جوہ بیان کئے گئے ہیں وہ تو پھر بھی باقی رہے اسلئے کسی صورت میں اس کا جواز نہیں معلوم ہوتا۔

پانچواں شبہ

فتح الباری ج ۱ ص ۳۴۷ کی عبارت سے جو اوپر مذکور ہوئی ہے معلوم ہوتا ہے کہ کتب فقہ و تفسیر کو کافر کا مس کرنا جائز ہے تو کیا ان کتابوں کی طباعت و فروخت کی کافر کو اجازت دی جاسکتی ہے۔

جواب

نہیں۔ کیونکہ عدم جواز کی وجہ صرف ایک یہی نہیں ہے (۱)، (۲)، (۳) میں ان سب کیلئے عدم جواز (۱) ثابت ہو چکا ہے بلکہ نمبر ۳ کے آخر میں تمام وہ علوم جو مقدمات دین ہیں جیسے نحو و صرف وغیرہ ان کا عدم جواز بھی ثابت ہے لہذا کسی مذہبی کتاب کی اجازت نہیں اور نہ مقدمات مذہب کی جو آجکل علوم عربیہ کہلاتے ہیں کیونکہ وہاں تو تلاوت کیلئے مقصود بنا کر نہیں بلکہ تبلیغ کیلئے مضامین کی تقویت میں تبعا ایک دو آیت ذکر ہوتی ہے اور اصل مقصود وغیرہ کا حکم ایک نہیں ہوتا جیسے غسل فرض ہونے کے وقت کی دعا کے قصد سے دعائے آیت پڑھنا جائز ہیں تلاوت کے قصد سے گناہ ہیں۔

قرآن پاک کی تصحیح اور رسم الخط کی حفاظت فرض ہے

قرآن شریف کی حفاظت تمام مسلمانوں پر فرض ہے اور منجملہ حفاظت کے تصحیح بھی ہے اور رسم خط کی پابندی بھی ضروری ہے تصحیح اور رسم الخط کی پابندی کافر سے نہیں ہو سکتی اور وعدہ کا حال شبہ کے جواب میں دیکھ لیا جائے۔

کافر کو اجازت طاعت دینے میں بے حرمتی یقینی ہے

قرآن شریف کی عظمت کی کوئی انتہائی نہیں ہر کلام کی عظمت صاحب کلام کی وجہ سے ہوتی ہے جب صاحب کلام حق تعالیٰ جل شانہ ہیں تو انکی شان کے مطابق ان کے کلام کی عظمت ہے اس لئے کیسے گوارا کیا جاسکتا ہے کہ جن کو یہ فرمایا ہے: لا تتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء (۱) (اپنے دشمن اور میرے دشمن کو دوست نہ بناؤ) ان کے ہاتھوں میں اس کے کلام کی بے حرمتی کرائی جائے ایسے ایسے بہت سے واقعات ہیں کہ کفار نے طاعت اور اس کے کاموں میں اور فروخت اور اس کے کاموں میں کس قدر بے حرمتی کی ہے کاغذوں اور پتھروں وغیرہ کو جن پر قرآن مجید چھپا تھا ان کو پیروں میں ملا ہے، نجاستوں سے آلودہ کیا ہے، خصوصاً اس وقت کے معصوب لوگ تو خدا جانے کیا کرتے ہوں گے (۲)۔

ممبران اسمبلی اور سربراہان کی ذمہ داری

قرآن شریف کی توہین کفر ہے اس قدر سنگین جرم کے ارتکاب کا ذریعہ وہ لوگ نہ بن جائیں جو اس کی روک تھام کر سکتے ہیں اور پھر نہ کریں یعنی مسلمان توہین کرتا ہے تو اسلام سے باہر ہو جاتا ہے اور اگر سب توہین بنتے ہیں تو دیکھ لیجئے کیسا گناہ ہوگا اور آج کل کافروں کے ہاتھ میں دے دینا تو سب توہین بنتا ہے گو یہ کام حکومت کا جرم بنتا ہے مگر

(۱) المستحذ آیت (۲) ایسے ہی مرزائی کہ غیر مسلم ہیں اور صرف مرزا کی باتوں پر ایمان رکھتے ہیں قرآن کا نام بچاؤ کیلئے اپناتے ہیں، اور شیعہ جو سرمن رای والے قرآن پر ایمان رکھتے ہیں موجودہ کو تحریف شدہ کم و بیش کیا ہوا کہتے ہیں جن کے نزدیک مسلمانوں کی عزت و عظمت پر حملہ کرنا کارثواب ہے۔ اور روز روز ایسی حرکتوں کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے وہ بھی غیر مسلم، غیر مسلموں کی طرح ہیں ان کیلئے بھی یہی قانون ہونا ضروری ہے بلکہ یہ ان سے بھی بدتر ہیں کہ مرتد کافر اصلی سے بدتر ہوتا ہے ۱۲۷

ممبران اسمبلی وغیرہ جو مشورہ دے سکتے ہیں اور کوشش کر سکتے ہیں اگر کوشش نہ کریں گے یا خلاف کی کوشش کریں گے تو بہت احتمال ہے کہ وہ اس توہین کا سبب بن جائیں۔

عوام کی ذمہ داری

امور مذکورہ بالا میں سے صرف بعض میں اختلاف ہے اور اختلاف سے بچنا مستحب ہے اس لئے اس کی سعی ضرور ہونی چاہئے کیونکہ وہ اختلافات اس وقت کی حالت پر نہیں ہیں ورنہ اگر آجکل کی حالت سامنے ہوتی تو وہ حضرات بھی اختلاف نہ کرتے۔

اس وقت تمام اہل اسلام کا نظریہ یہی ہے۔ اور احکام کے مطابق بھی یہی ہے اس لئے اس کی سعی کرنے ماراۃ المسلمون حسنا فہو عند اللہ حسن (جس کو تمام مسلمان بہتر قرار دیں وہ اللہ کے نزدیک بہتر ہے) کا مصداق ہے اور اس کے خلاف کرنا اتبعوا السواد الاعظم (بڑی جماعت کا اتباع کرو) کا خلاف کرنا دونوں حدیثوں پر عمل ضروری ہے۔

حکومت وقت کی ذمہ داری

مسلمانوں کی اقتصادی حالت اور غیر مسلموں کا تعصب اس کا مقتضی ہے کہ اس کا قانون پاس کر دیا جائے یقیناً یہ جدوجہد آیت تعاونوا علی البر والتقویٰ (نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو) اور ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان (۱) (اور ایک دوسرے کی مدد نہ کرو گناہ اور زیادتی پر) کے اقتضاء پر عمل اور اس کے امتثال حکم (۲) میں داخل ہے۔

(۱) سورۃ المائدۃ آیت ۲ (۲) اس کے حکم کی بجا آوری

شبہ

جب ان دلائل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ غیر مسلم کو قرآن مجید اور دینی تمام کتابوں کی طباعت و فروخت کی اجازت نہیں دی جاسکتی تو اسلامی حکومتوں نے ایسا کیوں نہیں کیا کہ ان کے لئے ممانعت کر دی جاتی۔

جواب

اگر اسلامی حکومتوں سے قدیم حکومتیں مراد ہیں تو ثابت کرنا چاہئے کہ ان حکومتوں میں غیر مسلم ایسا کرتے تھے کیونکہ اگر اس وقت غیر مسلم ایسا کرتے ہی نہ تھے تو ممانعت کس کی جاتی۔ اور اگر یہ ثابت ہو جائے کہ غیر مسلم ان کی طباعت و فروخت کا کام کرتے تھے اور یہ بھی ثابت ہو جائے کہ حکومت کو اس کا علم بھی تھا اور یہ بھی ثابت ہو جائے کہ حکومت کو اس طرف توجہ بھی دلائی گئی تھی پھر بھی حکومت اسلامی نے اس طرف توجہ نہیں کی اور ممانعت صادر نہ کی تو اگر حکومت کا یہ فعل صحیح قرار دے دیا جائے تو یہ فرق ہے کہ اس وقت حکومت کے اثر سے اور مسلمانوں کی شان و شوکت سے ہر شخص کو یہ خیال رہتا تھا کہ اگر استخفاف (۱) کی کوئی صورت پیش آئی یا مسلمان کے علاوہ کسی اور نے مس کیا (۲) تو حکومت اور مسلمان سہولت سے نہ چھوڑیں گے اور اس وقت اس قدر تعصب بھی جو اب ہے غالباً نہ ہوگا۔ غرض اس وقت ان عوارض میں جو اس وقت درپیش ہیں بہت کمی تھی۔ اور اب وہ عوارض شدت سے موجود ہیں اس لئے اس اجازت کا کوئی پہلو نہیں نکلتا۔

اور اگر حکومت سے موجودہ حکومتیں مراد ہیں تو مذکورہ بالا امور یعنی غیر مسلم کا ایسا کرنا حکومت کو علم ہونا حکومت کو اس طرف توجہ ہونا یا توجہ دانا ثابت بھی ہو جائے تو یہ اس کا

فعل ہوگا جو دوسروں پر احکام کے ہوتے ہوئے حجت نہیں ہو سکتا۔ کیا آجکل کی حکومتوں میں خلاف اسلام رسوم و رواج جاری نہیں ہو رہے ہیں کیا ان کے ان سب افعال سے احکام میں نعوذ باللہ کوئی تغیر ہو سکتا ہے مسلمانوں کو اور خصوصاً ان مسلمانوں کو جو وہاں رہتے ہیں یا وہاں داخل ہیں یا ہو سکتے ہیں ضرور اس کی طرف حکومت کو متوجہ کرنا چاہئے۔

شبہ

جو جوہ عدم جواز کی بیان کی گئی ہیں ان میں سے بعض مسلمانوں کی طباعت و فروخت میں بھی پائی جاتی ہیں تو کیا مسلمانوں کو بھی ممانعت کی جائے مثلاً وضو و غسل کی پابندی کا نہ ہونا، صحت و رسم خط کا بالکل ٹھیک نہ ہونا، وغیرہ۔

جواب

اول تو کافروں میں اور مسلمانوں میں بہت فرق ہے ان کے دلوں میں کچھ نہ کچھ عظمت ضرور ہوتی ہے اور ان کے دلوں میں عظمت تو درکنار اور نفرت ہے بلکہ مسلمانوں سے بنائے تعصب غیظ (۱) ہے کافر تو تو جین کرنا چاہتے ہیں اور بالقصد (۲) کرتے ہیں اور مسلمان بالقصد تو جین نہیں کرتا اگر کچھ ہوتا ہے تو عظمت و احترام میں کچھ قصور (۳) ہو جاتا ہے۔

دوسرے وہ اسکو اپنی مذہبی کتاب سمجھتا ہے اور کافر دوسروں کی بلکہ اپنے مخالفوں کی مذہبی کتاب سمجھتا ہے دونوں عقیدوں سے جو عمل میں فرق پڑتا ہے ظاہر ہے۔

تیسرے بیشک مناسب بلکہ ضروری ہے اگر اس کا بھی کوئی قانون بن جائے کہ جو مسلمان بغیر تصحیح اور بے غسل اور بے وضو اور ادب و احترام کے خلاف کرے اسکو بھی

(۱) مسلمانوں کے ساتھ تعصب کی وجہ سے غصہ ہے (۲) ارادہ (۳) کمی

ممانعت ہو جائے یا سزا ملے تو اچھا ہے، کیونکہ بہت سے مسلمان ایسے بھی ہیں جو نہایت ادب و احترام سے با غسل با وضو تمام کام انجام دیتے ہیں صحیح کا پورا پورا اہتمام کرتے ہیں بہت ہی اچھا ہوا اگر صرف ایسے مسلمان طباعت قرآن مجید و فروخت کا کام کریں۔

چوتھے اگر کوئی مسلمان ایسا کرے گا تو وہ اپنے فعل کا تنہا ذمہ دار ہوگا۔ وہی گنہگار ہوگا اور اگر ان مسلمانوں نے جو قانون بنا سکتے ہیں اس قسم کا قانون کہ کافروں کے ہاتھ میں طباعت و فروخت نہ رہے نہ بنایا اور اس میں باوجود قدرت کے جدوجہد نہ کی تو پھر غیر مسلموں کے ہاتھوں جس قدر قرآن شریف کی توہین و استخفاف ہوگی اس سے یہ سب کے سب گنہگار ہوں گے اور جماعت کا گنہگار ہونا کسی فرد کے گنہگار ہونے سے کہیں زیادہ سخت ہے اس لئے اس تاویل سے کہ بعض مسلمان بھی ایسا کرتے ہیں اس قانون کے بنانے میں تساہل (۱) جائز نہیں ہو سکتا۔

پانچویں مسلمان کو تو گناہ بے غسل و بے وضو ہونے کا ہوگا جس میں بعض ائمہ کا اختلاف بھی ہے اور کافر کے قبضہ میں دے دینا استخفاف و توہین کا سبب بننا، اول تو یہ گناہ اس گناہ سے فی نفسہ (۲) بہت سخت ہے پھر اس میں اختلاف ائمہ کی وجہ سے تخفیف بھی ہوگئی ہے۔ ائمیں یہ بات نہیں ہے یہاں تو ساری امت کا اتفاق ہے کہ قبضہ کفار میں چونکہ احتمال استخفاف ہے تو جہاں قبضہ کا احتمال ہی ہو وہ صورت بھی جائز نہیں جیسا کہ دلیل ۳، ۲ میں گزر چکا ہے۔ چہ جائیکہ جہاں قبضہ کفار یقینی ہو۔ اس لئے زمین و آسمان کا فرق ہے۔

چھٹے مسلمان و کافر میں یہ فرق ہے کہ مسلمان ان احکام کا التزام کرتا ہے اس سے رعایت کی توقع ہے کافر میں یہ بات نہیں۔

غرض واللہ تعالیٰ اعلم (۱) ہمارے نزدیک ایسا قانون بنانا صرف جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہے اور جو لوگ یہ بنا سکتے ہیں اور کوشش کر سکتے ہیں اگر نہیں کریں گے تو گنہگار ہو گئے۔ امید ہے کہ سب مسلمان اپنی ذمہ داری کو محسوس کریں گے۔

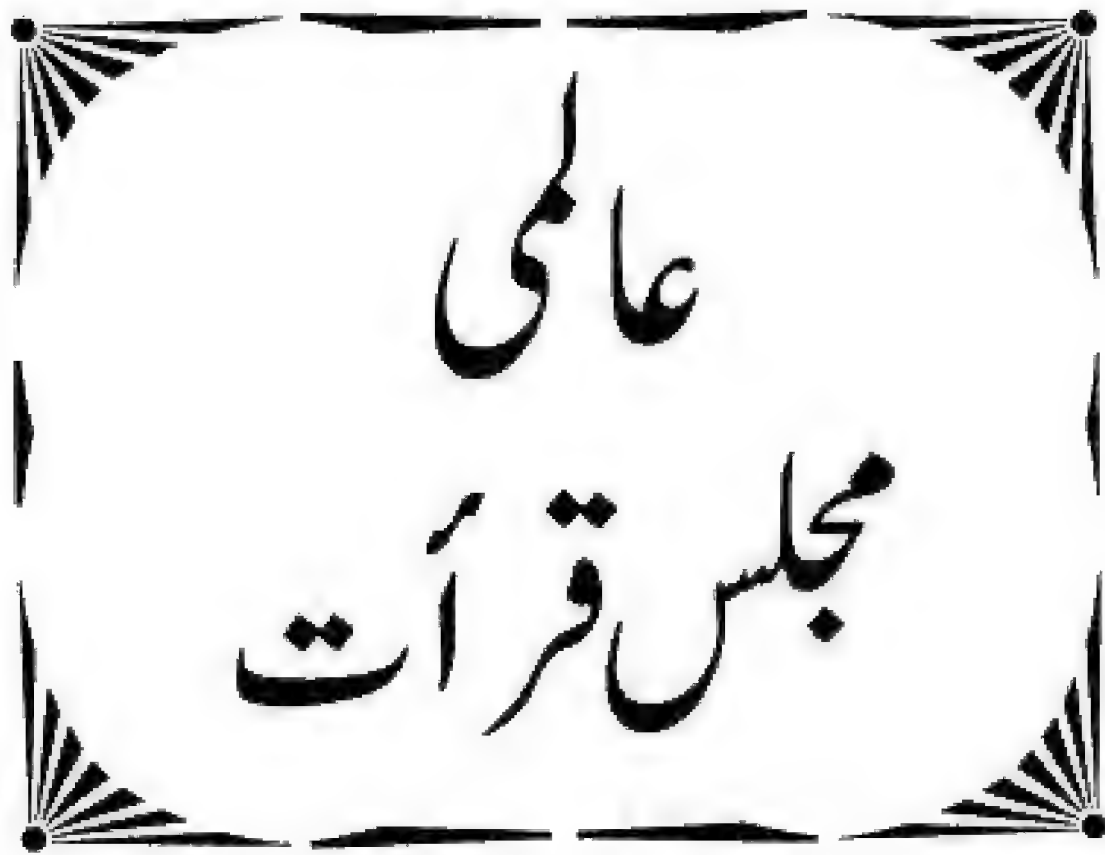
واللہ ولی التوفیق و علیہ التوکل (۲)

۱۱ ذیقعدہ ۱۳۶۰ھ

وکان الشیخ کتب فی آخرہ بعد النظر والاصلاح
جزاک اللہ افدت واجدت یا اجدت فیما افدت (۳)

(۱) اور اللہ ہی زیادہ جاننے والے ہیں (۲) اور اللہ ہی اصل توفیق دینے والے ہیں اور اس ہی پر بھروسہ ہے
(۳) اور حضرت شیخ (مواہبا شرف علی تھانوی) نیاس مضمون کو دیکھنے اور اصلاح کرنے کے بعد اس کے آخر میں یہ
کلمات تحریر فرمائے تھے ”اللہ تعالیٰ تم کو جزا دیں فائدہ پہنچایا اور عمدہ پہنچایا۔ یا عمدہ کیا جس میں فائدہ پہنچایا۔“

zoolen-elibrary.blogspot.com



عالمی
مجلس قرأت

ary.blogspot.com

zoolan-elibrary.blogspot.com

عالمی مجلس قراءت

اعتراضات و جوابات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لا و مصلیٰ و مسلما

فروری ۶۶ء میں جو جامعہ قاسمیہ کراچی کی مساعی جمیلہ سے حجاز، عراق، مصر، شام، انڈونیشیا وغیرہ کے قاری صاحبان کی تشریف آوری پر پاکستان کے کئی شہروں میں عالمی مجلس قراءت منعقد ہو چکی ہے اور بہت لوگ براہ راست اس سے اور پھر اس کی نقل بذریعہ ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈ سے خوب محفوظ ہوئے اور برابر ہوتے رہتے ہیں بلکہ بہت لوگ تو اس سے اپنے ایمان میں ایک تازگی محسوس کر رہے ہیں۔

ہمارے بعض تعلیم یافتہ صاحبان کی طرف سے اس پر کچھ اعتراضات سننے میں آئے ہیں اب تک جو اعتراضات سنے ہیں ان کو مع جوابات پیش کیا جاتا ہے ممکن ہے ہم سب کو غور و فکر کرنے کے بعد اصل حقیقت تک رسائی میسر ہو جائے۔

اعتراض نمبر ۱

قرآن شریف کا مقصود معانی و احکام ہیں بغیر معانی کے صرف الفاظ الفاظ کو اور پھر الفاظ کی بھی ایک صفت یعنی عمدہ ادائیگی کو کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے۔ اس لئے مجلس قراءت کو یہ اہمیت دینا اسلامی شان کا کام نہیں ہو سکتا۔

جواب

قرآن الفاظ اور معنی کے مجموعے کا نام ہے

یہ خیال صحیح نہیں۔ قرآن مجید الفاظ اور معانی دونوں کا نام ہے صرف معانی و احکام

کو ہی مقصود اور الفاظ کو غیر مقصد قرار دینا صحیح نہیں اس کو قرآناً عربیاً (۱) (عربی قرآن) فرمایا ہے۔ وہ عربی عبارت کے عربی الفاظ قرآن ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض میں ارشاد ہے یتلوا علیہم آیاتہ اور یعلمہم الکتاب (۲) (لوگوں پر قرآن مجید کی آیتوں کو بھی تلاوت فرماتے ہیں) اور آگے ہے کہ (ان کو کتاب کی تعلیم بھی دیتے ہیں) تلاوت الفاظ بھی حضور کا ایک فریضہ ہے اور تعلیم احکام بھی۔ ہر حرف کے پڑھنے اور سننے پر دس دس نیکیاں ملنا بلا معافی سمجھ بھی حدیث میں وارد ہے۔

الفاظ قرآن بھی مقصود ہیں

لہذا قرآن مجید کا تو لفظ لفظ اور حرف حرف بھی مقصود ہی ہے جیسے معانی و احکام کی حفاظت اور ان پر عمل کرنا فرض ہے ایسے ہی لفظ لفظ، حرف حرف بلکہ حرکت حرکت تک کی حفاظت اور اس کی تلاوت فرض ہے۔ اور پھر ہر حرف عربی ہے عربی طریقہ سے اس کے مخرج (۳) سے اس کی صفتوں (۴) کیساتھ ادا کرنا بھی فرض ہے۔ ورنہ پھر یہ حرف وہ حرف ہی نہ رہے گا دوسرا بن جائے گا (۵)۔ اور اس کو خدائی کلام کہنا خدا تعالیٰ پر ایک تہمت باندھنا ہو جائے گا اور اس سے معافی و مفہوم میں خلل واقع ہو کر بعض دفعہ احکام میں تغیر تبدیل اور تحریف تک نہایت پہنچ جائے گی۔

مثلاً قال (کہایا فرمایا) کی جگہ کمال (ناپ کر دیا) پڑھنے سے لفظ و مفہوم دونوں میں بڑی زبردست تبدیلی ہو گئی ہے اب اگر اس کو قرآن مجید کا لفظ اور اس کے معنی کو قرآن مجید کا مفہوم کہا جائے تو سوچنا کہ یہ خدا تعالیٰ پر تہمت اور اس کے کلام بے مثال کی تحریف نہیں تو اور کیا ہے؟

(۱) سورۃ یوسف آیت ۲ (۲) سورۃ آل عمران آیت ۱۴۳ (۳) حرف کے نکلنے کی جگہ (۴) حرف کی اونٹنی کی کیفیت (۵) اس لئے کہ صفت یا مخرج کے بدلنے کی وجہ سے حرف حرف سے بدل جاتا ہے۔

قرآن کے الفاظ و حرکات کی صحیح ادائیگی فرض ہے

بلکہ حرکت کے بدل جانے سے بھی سخت تبدیلی اور بعض دفعہ کفر یہ کلمہ بن جاتا ہے۔ لفظ **اَللّٰهُ اَكْبَرُ** میں تین زیر ہیں اگر کسی کو کھینچ دیا گیا اور وہاں الف پیدا ہو گیا تو یہ کلمہ کفر یہ بن جاتا ہے اور اس سے نماز بھی فاسد ہو جاتی ہے۔ اگر پہلے الف کے زیر کو کھینچ دیا اور **اَللّٰهُ** پڑھ دیا تو معنی یہ ہو گئے کیا اللہ سب سے بڑے ہیں؟ یہ استفہام انکاری یا ہلکی ہو کر کلمہ کفر بن گیا گو اس مفہوم کا قصد نہ ہونے سے اس کو کافرتو نہیں کہا جائے گا مگر نماز اس سے ٹوٹ جائے گی۔

اس طرح **اَللّٰهُ اَكْبَرُ** کے الف کو بڑھانے سے معنی یہ ہوں گے اللہ کیا سب سے بڑے ہیں؟ اور **بُ** کے زیر کو بڑھانے سے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ اکبار ہیں اور اکبار شیطان کا نام ہے یا کبر کی جمع بمعنی ڈھول۔ اس سے بھی کفر تو نہ لیں گے مگر نماز فاسد ہو جائے گی۔

اس لئے قرآن مجید کے ہر حرف و حرکت کو صحیح طریقہ سے ادا کرنا فرض ہے جو طریقہ سند کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ ہے اس کو ہرگز ہرگز ہلکا نہیں سمجھا جاسکتا۔ صرف ترجمہ رٹ لینا اور لفظ غلط پڑھنا قرآن مجید نہیں ہو سکتا بلکہ خدا تعالیٰ پر اس غلطی کی تہمت بن کر الٹا گناہ کا سبب ہو سکتا ہے کیونکہ قرآنی لفظ تو صحیح ہے یہ نہیں ہے جو غلط ہم نے ادا کیا (۱)، اور ترجمہ خدائی کلام ہی نہیں انسان کا سمجھا ہوا مفہوم ہے وہ بھی اسی کے مطابقت سے درست ہوگا ورنہ غلط ہوگا۔

تلاوت میں خوش آوازی مطلوب ہے

پھر احادیث شریفہ میں قرآن شریف کو خوش آوازی سے پڑھنے کی بہت تاکید آئی ہے اور خوب عرب یعنی عربی لہجوں میں پڑھنے کی ہدایت اور انہی لہجوں کی ممانعت ہے۔ اس لئے حروف

(۱) مطلب یہ ہے کہ قرآنی لفظ وہ ہے جو صحیح طرح سے ادا کیا جائے اور صحیح صفت کے ساتھ اس لئے کہ صحیح طرح اور صفت ادا نہیں ہوگی تو لفظ لفظ سے بدل جائے گا جیسے ق۔ ک سے بدل جائے غرض کہ بدلنے سے اور ط۔ ط سے بدل جاتی ہے صفت کے بدلنے سے قرآن میں مثلاً "ق" قائم نے "ک" پڑھا تو یہ قرآنی لفظ نہ ہوا۔

کو بخارج صحیح سے پوری صفتوں کیساتھ صحیح حرکتوں سے عربی لہجوں میں خوش آوازی سے ادا کرنا سب نہایت اہم باتیں، دین کا جزو اور ایک اسلامی فریضہ میں ان کو ناقابل اہتمام قرار دینا بڑی زیادتی ہے۔

الفاظ و معانی دونوں کی رعایت ضروری ہے

ہاں احکام الہی (۱) کا حاصل کرنا اور پوری طرح حاصل کرنا، ظاہر و باطن (۲)، مقدم، موخر (۳)، مانع و منسوخ (۴)، اشارات و صراحت سے حاصل کرنا تفسیرات نبویہ سے ان کو سمجھنا یہ الگ ایک فریضہ ہے ایک کی اہمیت کے پیش نظر دوسرے کی اہمیت کو نظر انداز کر دینا صحیح طریقہ نہیں کہلا سکتا۔ بلکہ نہ اول بغیر دوسرے کے کامل ہے نہ دوسرا بغیر اول کے کامل ہو سکتا ہے دونوں میں سے ہر ایک مقصود بھی ہے قابل تدرو حفاظت بھی ہے قابل اہتمام بھی ہے۔ ہر ایک مسلمان کا فریضہ بھی ہے۔

یہ ایک فریضہ (۵) ہے اور فہم احکام دوسرا فریضہ ہے جس کو فقہ میں حل کر کے رکھ دیا گیا ہے لہذا اس سے بھی بے پردائی برتنا ٹھیک نہیں جیسے احکام سے ٹھیک نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ احکام کی تحفید اور عمل پر بے انتہا زور دینے کی ضرورت ہے مگر اس کا یہ مطلب قرار دینا صحیح نہ ہوگا کہ الفاظ و حروف و حرکات کو غلط سلاط کر کے تلاوت کی گنجائش ہو۔

اعتراض نمبر ۲

ایسی مجلسوں میں ہر قاری دوسرے سے بڑھ چڑھ کر عمدہ پڑھنے کی کوشش اور اسی کا مظاہرہ کرتا ہے اس لئے یہ ایک ریا ہے جو گناہ ہے ثواب کا کام نہیں۔ بلکہ ریا کو حدیث شریف میں شرک خفی فرمایا گیا ہے اس لئے یہ مجلسیں ریاکاری یعنی شرک خفی کی مجلسیں ہوئیں ان کو دین اور ثواب کے کام کی مجلس قرار دینا درست نہیں۔

(۱) قرآنی الفاظ سے احکام کو سمجھنا (۲) آیت کے ظاہری اور پوشیدہ معنی کی تحقیق (۳) کوئی آیت پہلے نازل ہوئی کوئی بعد میں (۴) کس آیت نے کس آیت کے حکم کو منسوخ کیا ہے (۵) یعنی قرآن کے الفاظ کی تلاوت

جواب

قاری کی تلاوت میں چار احتمال

ریا اور نمود و نمائش کا مدار نیت پر ہے، اور نیت دل کی کیفیت ہے، جس کا علم دوسروں کو نہیں ہو سکتا، یہ تو خود پڑھنے والے کو دیکھنا ہے کہ اس کی نیت ثواب کی ہے یا کسی دینی خدمت کی ہے یا محض یہ ہے کہ لوگ اس کی تعریفیں کریں اور عزت و احترام سے پیش آئیں۔

۱: اگر اپنی تعریف و احترام کی خواہش سے ہی پڑھتا ہے تو یہ ریا ہے، گناہ ہے، خود اس کو ثواب نہیں ہوگا۔

۲: اگر نیت ثواب کی اور قرآن مجید کی عظمت کے اظہار کی ہے تو ثواب کی بات ہے، ریا نہیں ہے۔

۳: اور اگر دکھا کر ہی سہی مگر مسلمانوں کا دل خوش کرنے کی نیت ہے تو یہ بھی کار ثواب ہے اور حدیث سے ایسے واقعات ثابت ہیں (۱) یہ بھی ریا نہیں۔

۴: اور اگر لوگوں کو دکھانے سنانے کے لئے بھی اس نیت سے پڑھتا ہے کہ سننے والوں کے دلوں میں قرآن شریف کی عظمت پیدا ہو، اس کی طرف رغبت و شوق اور جذبہ خلوص و محبت متوجہ ہو، جس سے سب کو خوش آوازی کے ساتھ صحیح صحیح پڑھنے کا شوق پیدا ہو جو شریعت میں پسندیدہ ہے تو اس نیت سے خوش آوازی سے پڑھنا ریا نہیں، ایک دینی خدمت ہے۔

ان چار طرح کی نیتوں میں صرف ایک ریا ہے باقی تین کار ثواب ہیں۔ یہ

(۱) جیسا کہ آئندہ صفحہ پر حضرت موسیٰ اشعری کا واقعہ آ رہا ہے۔

نصیحت تو کی جاسکتی ہے کہ قاری صاحبان اول کی نیت ہرگز نہ رکھیں۔ دوم، سوم، چہارم کی نیت رکھ لیں لیکن خود یوں طے کر دینا کہ انکی نیت ریا کاری کی ہی ہے یہ سخت حملہ ہے اور مسلمان کے ساتھ بدگمانی کرنا ہے خصوصاً جب کہ دوسرے احتمالات اس سے زائد ہوں کہ یہ ایک ہے وہ تین ہیں تو سب سے قطع نظر کر کے ایک ناجائز احتمال کو معین کر لینا سخت ناجائز بدگمانی ہے۔

بدگمانی سے بچو

حق تعالیٰ فرماتے ہیں ان بعض الظن اثم (۱) (بعض گمان گناہ ہوتے ہیں) حدیث شریف میں ظنوا المؤمنین خیراً (مسلمانوں کے ساتھ اچھا گمان رکھا کرو) ممکن ہے کہ کوئی صاحب قرآن پر مدار رکھیں تو غیر یقینی قرائن دلیل نہیں ہو سکتے پھر دوسرے احتمالات کے بھی قرائن موجود ہوتے ہیں تو ان سے ان کو رد کیوں نہیں کیا جاتا گناہ کو ترجیح دینے کی فکر کرنا تو اچھا کام نہیں بیش از بیش (۲) قرائن سے یہ ثابت ہوگا کہ ممکن ہے کہ وہ بھی خیال ہو، یہ بھی خیال ہو، تو یہ مقلو ط نیت (۳) ہے خالص ریا نہیں ثواب کا کام رہے گا گو خالص سے کم ہو۔

مسلمان کا دل خوش کرنے کیلئے عمدہ آواز سے پڑھنا

بخاری شریف میں حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو موسیٰ اشعریؓ کو فرمایا تھا کہ تم کو حضرت داؤد علیہ السلام کا نغمہ عطا ہوا ہے اس حدیث کے تحت فتح الباری شرح بخاری کے صفحہ ۸۱ پر ابو یعلیٰ کی حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہؓ حضرت ابو موسیٰؓ پر گزرے وہ گھر میں قرآن شریف پڑھ رہے تھے دونوں کھڑے سنتے رہے

(۱) سورۃ الحجرات آیت ۱۲ (۲) زیادہ سے زیادہ (۳) ملی جلی نیت ہے۔

پھر تشریف لے گئے صبح کو حضرت ابو موسیٰ حاضر ہوئے تو حضور نے یہ واقعہ بتایا انہوں نے عرض کیا کہ مجھے معلوم ہوتا تو آپ کے لئے خوب بنا سنوار کر پڑھتا۔

اس جواب پر حضور کا سکوت فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ کسی مسلمان کا دل خوش کرنے کیلئے بنا سنوار کر پڑھنا یا نہیں ہے بلکہ یہ مسلمانوں کا دل خوش کرنے کیلئے بنا سنوار کر پڑھنا بھی کارِ ثواب ہے۔ ریا جب ہوتی ہے کہ صرف اپنی تعریف اور اپنے احترام و اقتدار کی نیت سے پڑھا جائے۔

حدیث شریف الاعمال بالنیات (عمل نیتوں سے ہیں) یعنی مباحات اچھی نیت سے اچھے افعال بن جاتے ہیں اور بری نیت سے برے۔ اس عمل کو بھی نیت اچھا برا بنا سکتی ہے۔ اسلئے اگر نمود و نمائش اور خوش آوازی کا مظاہرہ مسلمانوں کے دل خوش کرنے کیلئے ہو تو وہ خودِ ثواب ہے جیسے کہ حدیث بالا سے معلوم ہوا۔ اس کو ریا کہنا درست نہ ہوگا۔ جیسے کہ حضرت ابو موسیٰ کے پڑھنے کے قصد کو ریا نہیں کہہ سکتے۔ اور اگلے نمبر میں انشاء اللہ پیش کیا جائے گا کہ خوش آوازی سے پڑھنے کا حکم بھی ہے اگر اس حکم کی تعمیل کی نیت ہوگی تو تعمیل حکم خود کا ثواب ہے۔

محفل قراءت کے فوائد

ہم لوگ غمی (۱) ہیں ہمارے ملک میں بہت سے حروف و الفاظ مسخ (۲) ہو کر غلط در غلط استعمال ہوتے ہیں اب اس طرح سے قرآن مجید کے الفاظ کو پڑھنا سخت ترین گستاخی و بے ادبی ہے اور لوگ اپنی نمازیں، اور امام سب کی بھی نمازیں برباد کر رہے ہیں۔

گر تو قرآن بدین نمط خوانی می بری رونق مسلمانی (۳)

(۱) غیر عرب کو غمی کہتے ہیں کیونکہ غمی کے معنی کوتاہی کے آتے ہیں اور عرب اپنے علاوہ سب کو غمی اسلئے کہتے تھے کہ وہ عربی بولنے پر قادر نہیں تو گویا کلام ہی نہیں کر سکتے۔ (۲) الفاظ کی صورتیں بگڑ کر (۳) اگر اسی طریقہ پر تو قرآن پڑھتا رہا تو مسلمانوں کی رونق ختم کر دے گا۔

ضرورت ہے تمام مسلمانوں کو صحیح صحیح پڑھنے کی کہ جس سے قرآن مجید کی بے حرمتی نہ ہو اور نمازیں بھی درست ہو سکیں، عام ترغیب دی جائے، اب فرمائیے کہ عمدہ عمدہ قاری صاحبان کو بلا بلا کر ان سے سنوا کر ذوق و شوق پیدا کرانے کے سوا اور اس کی کیا تدبیر ہو سکتی ہے کہ بے عیب خدا کے بے عیب کلام کو بے عیب طریقہ سے پڑھنے کا شوق اور ایک والہانہ جذبہ عام مسلمانوں کے دلوں میں انگڑائیاں لینے لگے۔

ایسی مجلسیں اس ذوق و شوق کیلئے منعقد کرنا خصوصاً اس زمانہ میں جب کہ غیر مسلم اثرات کے تسلط سے عام مسلمان اسلامی باتوں سے بے توجہی بلکہ بعض تو نفرت رکھنے لگے ہیں۔ غور کر کے فرمائیے کیا ضروری نہیں ہے اور یہ کام کیا ثواب کا کام نہیں ہے کیا اسلام و اسلامیات پر مائل کرنے کا ذریعہ نہیں ہے۔ ایسی نیت کے ساتھ نمود و نمائش بھی کیا کار ثواب نہ ہوگی۔

ایک کالج کے طالب علم نے بتایا کہ ان کے ایک دھریہ لاندھب ماسٹر صاحب نے اس مجلس کا قرآن مجید سن کر بے ساختہ کہا کہ یہ سن کر مجھے تجدید ایمان نصیب ہوگئی۔ شاید اخباروں یا خبروں سے آپ تک یہ بات پہنچ چکی ہو کہ جب سے بڑے بڑے شہروں میں مجلس قراءت کا اہتمام ہونے لگا ہے بہت سے اسکولوں، کالجوں، مدرسوں اور دفاتروں میں اس کا اہتمام اور صحیح قرآن کا انتظام و تعلیم شروع ہوگئی۔ ان نتائج کے سامنے آنے پر اگر پہلے سے بھی نہ ہو اب ایسی نیت ہو جائے تو اس کو ریا نہیں کہا جائے گا بلکہ ایسے موقع پر تو اگر ریا ہو بھی تو وہ جرم نہ ہوگی جیسے ترغیب کیلئے دکھلا کر صدقہ کرنا ریا نہیں رہتا بلکہ افضل بن جاتا ہے۔

قراءت سننے والوں کا فائدہ ہی فائدہ

فرض کر لیجئے کہ پڑھنے والوں کی نیت نیکی اور خیر کی بالکل ہی نہ ہو صرف خود ستائی

وشہرت کی ہو، خالص ریا ہی ریا ہو، تو اس کا گناہ تو پڑھنے والوں کو ہوگا ان کو صحیح نیت کی نصیحت خیر خواہی سے کرنا تو مناسب ہو سکتا ہے مگر ان کے اس پڑھنے کے سننے والوں کو کوئی گناہ نہیں ہو سکتا۔ سننے میں تو ریا نہیں ہو سکتی خصوصاً جب کہ سننے والوں کے پاس محض ریا ہونے کی نیت کا کوئی ثبوت بھی یقینی نہیں ہو سکتا۔ سننے والوں کو تو ہر حرف پر دس دس نیکیاں ملتی ہی رہیں گی اور یہ تمام فوائد بھی حاصل ہوتے رہیں گے جو حاصل ہوتے جا رہے ہیں۔

اپنے گناہ و ثواب کو پڑھنے والے اپنی نیت سے درست کریں گے۔ کریں یا نہ کریں، سننے والوں پر تو اس کا اثر نہیں ہو سکتا^(۱) اگر کوئی شخص ریا سے نماز پڑھتا ہے تو دیکھنے والا تو مجرم نہیں بن سکتا، اس لئے یہ بات کچھ وزن نہیں رکھتی۔ اس کو آڑ بنا کر قرآن مجید کے سننے سے محروم ہونے کی کوئی معقول وجہ نہیں بن سکتی۔

اعتراض نمبر ۳

خوش آوازی، اتار چڑھاؤ کی زیادتی گانے کی صورت ہے اور شریعت میں گانا حرام ہے۔ حرام سے قرآن مجید کو مخلوط کرنا اس کی توہین ہے۔ اس لئے یہ مجلسیں کارِ ثواب نہیں بلکہ گناہ عظیم بن رہی ہیں۔ ان میں شرکت کسی طرح جواز کی گنجائش نہیں رکھتی۔

تلاوت میں خوش آوازی اختیار کرنے کا حکم

جواب

یہ غلط فہمی اس سے پیدا ہوتی ہے کہ خوش آوازی اور گانے میں فرق نہیں محسوس کیا گیا ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ گانا بے شک حرام ہے اور اس کا سننا بھی حرام ہے لیکن

(۱) پڑھنے والے کی نیت کی خرابی کا سننے والے کی ثواب پر کوئی اثر نہیں ہوتا (۲) ملتا

خوش آوازی جائز اور اس کا سننا بھی جائز ہے خوش آوازی سے قرآن مجید پڑھنے کا تو حکم ہے ہر شخص پر لازم ہے کہ جس قدر خوش آوازی کر سکتا ہو کرے۔

تخریج احیاء العلوم جلد ۱ صفحہ ۲۵۱ پر ہے کہ ابو داؤد، نسائی و ابن ماجہ و ابن حبان اور حاکم نے صحیح کہا کہ یہ حدیث روایت کی ہے حضرت براء بن عازب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ تم اپنی آوازوں سے قرآن مجید کو زینت دو۔ کیونکہ اچھی آواز قرآن مجید کا حسن بڑھا دیتی ہے۔

فتح الباری شرح بخاری جلد ۷ صفحہ ۶۲ پر ہے کہ اگر پڑھنے والا اچھی آواز والا نہ ہو تو جہاں تک اس سے ہو سکے اچھی آواز بنائے جیسے کہ اس حدیث کے راوی ابن ابی ملیکہ نے بیان کیا ہے اور اس کو ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔

اور صفحہ ۸۱ پر ہے کہ ابو داؤد نے سند صحیح سے حضرت ابو عثمان مہدی سے روایت کیا ہے کہ میں ابو موسیٰ اشعری کے مہمان گیا تھا میں نے کسی چنگ و رباب اور بانسری کی آواز ان کی آواز سے بہتر نہیں سنی۔

جمع الفوائد جلد ۲ صفحہ ۱۲۳ پر ہے کہ بخاری و مسلم و ابو داؤد و نسائی کی حدیث ہے کہ لیس مناً من لم یتغن بالقرآن (وہ ہم میں سے نہیں ہے جو قرآن شریف کو خوش آوازی سے نہ پڑھے)

کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۱۵۰ پر ہے کہ ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور حاکم نے مستدرک اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت فضانہ بن عبیدہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس خوش آواز آدمی کی طرف جو بلند آواز سے بنا سنوار کر قرآن مجید کو پڑھتا ہے اس سے بھی زیادہ توجہ فرماتے ہیں جتنی گانے والی بانسری کی طرف اس کا مالک کرتا ہے۔

سراج المنیر شرح جامع صغیر جلد ۱ صفحہ ۱۲۶ میں اسی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے کہ حضرت حذیفہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں فرمایا ہے کہ قرآن مجید کو عرب کے لہجہ اور عرب کی آواز میں پڑھو اور یہود و نصاریٰ اور فاسقوں کے لہجوں سے بچو اور اس کو طہرانی نے معجم اوسط میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔

لہذا قرآن شریف میں خوش آوازی تو بہت پسندیدہ ہے اس کا حکم ہی ہے اور اس پر ثواب بھی ہے ہر شخص قرآن مجید پڑھنے میں جس قدر اپنی آواز عمدہ بنا سکتا ہو اس کو عمدہ بنانا ہی ثواب کا کام ہے مگر گانا اور چیز ہے گو اس میں بھی خوش آوازی کی جاتی ہے مگر تجوید سے قرآن مجید پڑھنے سے اس کی کوئی نسبت نہیں ہو سکتی۔

گانے اور تجوید میں فرق

”قرانا عربیا“ (۱) اور ”بلسان عربی مسبین“ (۲)

کے خدائی ارشادات اور حضرت حذیفہؓ والی حدیث سے معلوم ہو چکا ہے کہ قرآن مجید کو خوش آوازی سے تو پڑھا جائے مگر عرب کے قاعدہ و قانون سے باہر نہ ہو لہذا اگر ان قواعد و قوانین سے باہر کیا جائے گا تو اس میں گانا پیدا ہو جائے گا مثلاً یہ نہ ہو کہ حرفوں کو قاعدوں سے زیادہ کھینچ کھینچ دیا جائے یا حرکتوں کو لمبا کر کے بیش کو واؤ، زبر کو الف، زیر کو یا کی صورت دی جائے جہاں ادغام نہ ہو وہاں کر دیا جائے جہاں ہو وہاں نہ کیا جائے انہیں قاعدوں سے نکال نکال (۳) ان سے آگے بڑھا کر پڑھنے کو گانا کہا جاتا ہے۔

غلطی یہاں سے ہی لگ جاتی ہے کہ جو لوگ خود قاعدوں سے واقف نہیں وہ تجوید اور گانے میں فرق نہیں کر پاتے۔ اور وہ گانا آواز کو بنانے سنوارنے کا نام قرار دیتے ہیں

(۱) سورۃ یوسف آیت ۲ (۲) سورۃ اشعرا، آیت ۱۹۵ (۳) یعنی خلاف قواعد تجوید پڑھنے کو گانا کہیں گے اور تجوید

کے قاعدوں کا لحاظ کر کے خوش آوازی سے پڑھنا گانا نہیں ہے۔

حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔

خوش آوازی کی دو صورتیں

خوش آوازی کی دو صورتیں ہیں ایک حروف و حرکات و صفات کے قاعدوں کے اندر رہ کر خوش آوازی کرنا یہ قرآن مجید میں ثواب ہے۔

دوسرا یہ کہ قاعدوں سے باہر کر کے کھینچ کھینچ کر حروف اور حرکتوں کو کئی گنا کر کے سر پیدا کرنا یہ گانا ہے۔ یعنی گناہ ہے قرآن مجید میں ایسا کرنا بھی اور اشعار وغیرہ میں بھی۔ کیونکہ گانے کے سر بغیر کھینچے پیدا نہیں ہوتے وہ قاعدوں سے زائد کھینچنا ہی ہے اور تجوید کے جو قاعدے ہیں وہ سب عربی زبان کے قاعدے بلکہ اس میں تو ہر حرف میں سند صحیح سے وہ طریقہ لیا گیا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہوا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جبریل سے حاصل ہوا ہے یعنی جس طریقہ پر قرآن مجید کا نزول ہوا ہے۔ اس لئے ماہرین تجوید کے پڑھنے کو گانا کہنا درست نہیں ہے بلکہ ایسا کہنے میں خطرہ بھی ہے کہ یہ الزام اوپر تک جاسکتا ہے۔ (۱)

ہاں جو لوگ قواعد عربیت و تجوید سے نکل نکل کر حروف اور حرکتوں کو کھینچنے کی یہ عجیب صورت پیدا کر کے خوش آوازی کریں گے تو وہ ضرور گانا شمار کیا جائے گا اس کو توہین اور گناہ کہنا درست ہو گا مگر جائز و ناجائز کی سرحدوں سے غفلت برت کر ایک پر دوسرے کا نام لگا دینا صحیح نہیں ہو سکتا۔

اعتراض نمبر ۴

یہ مجلس ریا اور غنادو گناہوں پر مشتمل ہے اس کی شرکت کی دعوت گناہ کی شرکت کی

(۱) یعنی نبی ﷺ اور جبریل علیہ السلام بلکہ اللہ تعالیٰ تک اس لئے کہ تجوید کے قواعد کی پابندی کیسا تھ قرآن پڑھنا "فاسمع قرآنہ" کی آیت اور "زیّنوا القرآن باصواتکم" والی حدیث سے ثابت ہے۔

دعوت ہے۔

جواب

مجلس قراءت میں شرکت کی دعوت کا رثواب ہے

اوپر نمبر ۲ کے جواب میں عرض کر دیا ہے کہ ریا (۱) کا تعلق نیت سے ہے اور نیت یہاں چار قسم کی ہو سکتی ہے جن میں سے صرف ایک ریا ہے وہ بھی اگر مخلوط (۲) ہو تو محض ریا نہیں اس لئے ریا کا دعویٰ کرنا بے دلیل ہے اور پھر اگر ریا ہو بھی تو اس کا اثر پڑھنے والے پر ہوتا ہے سننے والے کا کام سننا ہے اس میں ریا نہیں ہو سکتی یہاں دعوت سننے کی دی جاتی ہے جس میں ریا ناممکن ہے۔

اور جن کو پڑھنے کی دعوت دی جاتی ہے ان کو دوسری نیتوں سے ہی دعوت ہو سکتی ہے ریا والی نیت سے تو دعوت دینا ممکن ہی نہیں کیوں کہ وہ نیت دوسروں کی ہو ہی نہیں سکتی۔ صرف پڑھنے والے کی ہو سکتی ہے۔

رہی دوسری بات گانا وغنا تو اعتراض ۳ کے جواب میں عرض ہو چکا ہے کہ اس کو گانا کہنا ہی خطرناک بات ہے تو یہ پسندیدہ اور تعمیل حکم ہے اس لئے اس کی شرکت کی دعوت خود پسندیدہ ہوگی۔

اعتراض نمبر ۵

تہ ائی یعنی دعوت دے دے کر، بلا کر، جمع کرنا فرض و واجب امور کیلئے تو درست ہے جیسے کہ تبلیغ احکام، وعظ اور تعلیم و تربیت کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جمع فرماتے تھے مگر

(۱) دکھلاوے (۲) یعنی اس نیت کے ساتھ دوسری نیت بھی ملی ہوئی ہو۔ (۳) بہترین زمانہ یعنی حضور، صحابہؓ اور تابعین کا دور۔

امور مستحبہ کیلئے جن کے اجتماع کی خیر القرون (۲) میں اصل نہ ہو، دعوت دے دے کر جمع کرنا ممنوع و مکروہ ہے۔ اسی بنا پر نفلوں کی جماعت لیلة القدر و لیلة البراءة (۱) و لیلة العیدین میں اجتماع کرنے کو فقہائے احناف نے مکروہ و ممنوع قرار دیا ہے اور مجلس میلاد و سیرت میں ایک وجہ کراہت کی یہ بھی ہے۔ اس بنا پر اگر اس مجلس میں کوئی اور خرابی نہ ہو تو نفس اجتماع و دعوت ہی ممنوع ہوتی ہے۔

جواب

تجوید کے ساتھ قرآن پاک کا لوگوں تک پہنچانا واجب ہے

یہ تو بالکل صحیح ہے کہ امور مستحبہ کیلئے واجبات کا سا اہتمام اور ان کو عمل کے درجہ میں ان کا درجہ دے دینا بے شک ممنوع و مکروہ ہے لیکن آیت یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ (۲) (اے رسول جو کلام آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا اسکو لوگوں تک پہنچادیں۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو رسول ہونے کا حق ادا نہیں کیا)

اور حدیث بلغوا عنی ولو آیة (میری طرف سے پہنچا دو اگر چہ ایک ہی آیت ہو) سے قرآن مجید اور اس کے ہر ہر جزو کی تبلیغ اور لوگوں تک پہنچا دینا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اور پھر تمام اہل علم پر واجب ہے۔

قرآن مجید کے اجزاء میں اس کے الفاظ اور لفظ لفظ، حرف حرف، حرکتیں اور انکی حقیقی کیفیات بھی داخل ہیں کیونکہ بغیر الفاظ و حروف و حرکات اور ان کی کیفیات کے کلام کا وجود ہی نہیں ہو سکتا اور کلام کی تبلیغ فرض و واجب ہے اس لئے ان کا بھی لوگوں تک پہنچانا اور

ان کی تبلیغ بھی امور واجب میں سے ہے۔ اس کو فقط مستحب نہ قرار دیا جائے گا۔

پوری تجوید منزل من اللہ ہے

پھر تجوید کی یہ کیفیات بھی نازل شدہ ہیں کسی کی خود تصنیف کردہ نہیں ہیں سورۃ قیامۃ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوا ہے فاذا قرأناہ فاتبع قرآنہ (۱) (پھر جب ہم بواسطہ جبریلؑ پڑھیں تو آپؐ اس پڑھنے کی پیروی کیجئے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم تھا کہ جبریلؑ کی طرح پڑھیں۔ حضور نے ایسے ہی پڑھا ایسے ہی صحابہؓ کو سکھایا، صحابہؓ نے تابعین کو اور صحیح سند سے آج تک سلسلہ بہ سلسلہ آرہا ہے۔

اور یتلونه حق تلاوته (۲) (اللہ کی کتاب کو ایسے تلاوت کرتے ہیں جیسے اس کا حق ہے) کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے ایسے پڑھیں جیسے کہ نازل کیا گیا ہے (تفسیر ابن جریر جلد ۵ صفحہ ۱۷۰)

علامہ علی قاری نے المنع فکریہ صفحہ ۲۹ میں ابن خذیمہ کی صحیح سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں کہ قرآن شریف کو ایسے ہی پڑھا جائے جیسے وہ نازل ہوا ہے۔

لہذا یہ بھی ادائیگی حروف و حرکات و الفاظ کے طور طریق (۳) اپنی سندوں (۴) سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت جبریلؑ سے ثابت اور نازل شدہ ہیں اور جس طرح الفاظ و معانی کو دوسروں تک پہنچانا واجب ہے ان کو پہنچانا بھی اور خود ان پر عمل کرنا بھی واجب ہے ان کو دوسری چیزوں پر قیاس کر کے محض مستحب نہیں کہا جاسکتا اس لئے ان کیلئے اجتماع و جلسہ کرنا ایسے ہی درست ہے جیسے تبلیغ احکام کیلئے درست ہے۔

(۱) سورۃ قیامۃ آیت ۱۸ (۲) سورۃ البقرۃ آیت ۱۲۱ (۳) الفاظ کے پڑھنے کا لہجہ و انداز (۴) پڑھنے والے سے لے کر حضور ﷺ تک مستقل سلسلہ سند کے ساتھ کہ کس نے کس سے سیکھا ہے۔

قراءت قرآن عملی تبلیغ ہے

بلکہ ان کی تبلیغ علمی سے زیادہ عملی کی ضرورت ہے کیونکہ ان کا تعلق عمل سے ہی زیادہ ہے علمی تبلیغ تو کتابیں پڑھانے سے اور عملی تبلیغ مشق کرانے اور کر کے دکھانے سے ہوتی ہے اور پھر تمام مسلمانوں کو شوق دلانا الگ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمائش کر کے قراءت سنی ہے۔

جمع الفوائد جلد ۲ صفحہ ۱۲۳ پر ہے کہ بخاری و مسلم و ابوداؤد و ترمذی کی حدیث ہے حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ مجھ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم مجھ کو قرآن مجید پڑھ کر سناؤ میں نے عرض کیا کہ حضور میں سناؤں؟ حالانکہ آپ پر نازل ہوا ہے فرمایا میں دوسرے سے سننا پسند کرتا ہوں تا آخر حدیث۔ اور اعتراض ۲ کے جواب میں حضرت ابو موسیٰ اشعری کی تلاوت سننے کا قصہ بھی اوپر پیش ہو چکا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لوگوں کو جمع کر کے قرآن سنانا

اور خود بھی جمع کر کے لوگوں کو سنایا ہے اسی کتاب کے صفحہ ۷۵ پر ہے کہ مسلم و ترمذی کی حدیث ہے کہ ابو ہریرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں حضور نے لوگوں کو فرمایا کہ سب جمع ہو جاؤ میں تم کو ایک تہائی ۱/۳ قرآن مجید سناؤں گا جو جمع ہونے تھے ہو گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور سورۃ قل هو اللہ احد تلاوت فرمائی پھر اندر تشریف لے گئے تو ایک صحابی نے دوسروں سے کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ کوئی آسمانی حکم آیا ہوا ہے اسی لئے پھر اندر داخل ہو گئے پھر حضور باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ میں نے

تم سے کہا تھا کہ تم کو ایک تہائی قرآن مجید سناؤں گا تو سن لو یہ سورۃ ایک تہائی قرآن مجید کے برابر ہے (۱)۔

لہذا ایسے اجتماعات کو غیر اہم قرار دینا اور یہ کہنا کہ غیر اہم کو اہم بنانا مکروہ و ممنوع ہے صحیح بات نہ ہوگی یہ بھی ادائے واجب کیلئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے تبلیغی اجلاسوں میں سے ایک اجلاس ہے۔

اعتراض نمبر ۶

جب مقامی حضرات اس فن میں کمال پیدا کر کے اس فرض کو انجام دے رہے ہیں تو بے ضرورت دور دراز سے ماہروں کو بلا بلا کر اس کی نمائش کرنا ایک بے کار کام ہے اس پر ہزاروں روپیہ خرچ کرنا ایک فضول خرچی ہے۔

جواب

تبلیغی اجتماعات کی اہمیت

یہ بات تو کوئی نئی بات نہیں تمام جلسوں میں یہ اشکال ہو سکتا ہے کسی کو یہ اعتراض وہاں نہیں پیدا ہوتا۔ بات جو وہاں ہوتی ہے وہی یہاں ہے پھر فرق کرنے کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔

اصل بات یہ ہے کہ بے ضرورت کہنا ہی صحیح نہیں نہ ان تبلیغی اجلاسوں کو نہ ان قراءت کی مجلسوں کو جسے باوجود ہر جگہ مقامی علمائے دین و اعظمین و مقررین کی موجودگی کے باہر کے زیادہ ماہر، زیادہ بزرگ، زیادہ معتبر حضرات کو بڑا خرچ اور بڑا اہتمام کر کے بلایا جاتا ہے اور جلسے منعقد کئے جاتے ہیں۔

(۱) اس سورۃ کے پڑھنے کا ثواب ایک تہائی قرآن پڑھنے کے برابر ہے

جس سے غرض یہ ہوتی ہے کہ ہر جدید شے لذیذ معلوم ہوتی ہے اور ان کی خوش
بیانی سے لوگوں میں دین کا ذوق شوق پیدا ہوتا ہے گناہوں سے توبہ کی توفیق ہو جاتی ہے اور
بعض مرتبہ آنے والے بزرگ کی بات دل کی تہ میں ایسی بیٹھ جاتی ہے کہ تمام زندگی کی کایا
پلٹ دیتی ہے۔ اور مقامی حضرات کی بھی ان معتبر ترین حضرات کے بیان سے تردید یا تائید
معلوم ہو کر ان کا مقام متعین ہوتا ہے۔ یہ ضرورتیں بڑی اہم ضرورتیں ہیں انہی کی بناء پر
بڑے بڑے خرچ اور اہتمامات سے تبلیغی جلسے کئے جاتے ہیں۔

مجلس قراءت کے فوائد

اس طرح انہی اغراض و فوائد کے لئے باہر سے بڑے بڑے ماہران تجوید کو بلا کر
جلسے اور مجلسیں مقرر کرنا ان فائدوں کی تحصیل کے لئے ضروری ہے اور جس قدر فائدے ان
سب جلسوں سے حاصل ہوتے ہیں اور سب کے تجربہ میں روز روز آتے رہتے ہیں ان کے
لئے یہ خرچ کرنا ضائع کرنا نہیں قرار دیا جاسکتا نہ اس کو فضول خرچی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔
ایسے ہی ان مجلسوں سے یہ فائدے حاصل ہوتے ہیں تو کیوں یہاں اضااعت
اور فضول خرچی کہا جاسکتا ہے۔ تعجب ہے کہ جسمانی امراض اور بقائے صحت کے لئے بڑے
بڑے اہتمامات بڑے بڑے خرچ تو بخوشی خاطر گوارا ہوں اور ان دینی فائدوں کے لئے
اہتمام اخراجات کو بے کار و فضول قرار دیا جائے ذرا غور کرنے کا مقام ہے۔

اعتراض نمبر ۷

قوت عمل سے محروم قومیں جذبہ دینی کو تسکین دینے کیلئے مذہب کے نام پر ایسے
مظاہرے کیا کرتی ہیں اور ان مظاہروں کو عمل کی جگہ دے کر ان کو کھلے مظاہرات کی غلام بن
کر رہ جاتی ہیں قرآن نازل اس لئے ہوا تھا کہ زندگی کے ہر شعبہ میں اس کو مشعل راہ بنالیں

مگر ہم نے اس سے قرآن کو خارج کر دیا۔ قوالیوں، میلادوں، ایام وفات اور شرک و بدعت کی رسوم کی طرح مجلس قراءات کو بھی دینی شعار بنالیا ہے۔

جواب

مخالف قراءات کو کھوکھلے مظاہرے کہنا غلط ہے

تعجب یہ ہے کہ یہ ایسے لفظ ان لوگوں کے قلم سے نکلتے ہیں جو دینی نظر بھی کچھ نہ کچھ رکھتے ہیں اور قطعاً خیال نہیں ہوتا کہ بے اصل بے بنیاد یا مخالف اسلام باتوں کے مشابہ خود الفاظ منہ سے نکال رہے ہیں جبکہ ان مجالس میں قرأت کرنے والے قراء الفاظ و حروف و حرکات قراءات اور ان کی صحت و عمدگی کو سناتے ہیں جس کیلئے قرآن و حدیث میں حکم موجود ہے، ترغیب و تحریمیں (۱) موجود ہے۔

اور ایسا نہ کرنے والے کو اپنے لوگوں سے خارج قرار دیا گیا ہے جس کو مختصر طریقہ سے نمبر ۱ کے جواب میں پیش بھی کیا جا چکا ہے۔

معلوم نہیں ایسا کہتے یا لکھتے وقت کیا خیال دماغ پر مسلط ہوا ہوگا کھوکھلے مظاہرات ایک ایسی چیز کو کہا جا رہا ہے جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم یوں فرماتے ہیں لیسس منا من لم ینغن بالقرآن (وہ ہم میں سے نہیں جو قرآن کو خوش آواز سے نہ پڑھے)

یہ عجیب منطق ہے کہ الفاظ و حروف و حرکات جو قرآن مجید کا نازل شدہ جزء ہے اور پھر ان سب کا صحیح صحیح اپنے مخارج و صفات اور قواعد عربیت طریقہ نبویہ کے موافق ہونا ہی نازل شدہ ہے، جیسا کہ قرآن و حدیث سے نمبر ۵ کے جواب میں عرض کر دیا گیا ہے۔

اور عقلاً بھی نازل شدہ ہونا ہی ضروری ہے کہ حروف و حرکات اپنی صفات (۲) سے

(۱) رغبت دلانے اور بھارنے کا حکم ہے (۲) حروف کی ادائیگی کی کیفیت یعنی اس کا مدنا اور بار یک ہونا یا اس میں آواز کا جاری رہنا یا بند ہونا وغیرہ۔

خالی ہو کر نازل ہو ہی نہیں سکتے لامحالہ مع صفات نازل ہوئے ہیں۔ تو اس نازل شدہ طریقہ کے موافق ادا کرنے کو کھوکھلے مظاہرات قرار دیا جا رہا ہے حالانکہ جیسے قرآن کے مضامین کی حفاظت فرض ہے دوسرے اجزاء الفاظ و حروف و حرکات و کیفیات کی حفاظت بھی ہر مسلمان پر فرض ہے۔

قرآن کے شمع ہدایت ہونے اور سنوار کر پڑھنے میں کوئی تعارض نہیں رہی یہ بات کہ قرآن مجید تو زندگی کے لئے شمع ہدایت تھی ہم نے زندگی سے خارج کر رکھا ہے تو یہ بات بے شک اپنا جرم ہے اور قابلِ اہتمام ہے اور جس قدر کوشش ہو سکے اسی کی کوشش کی جائے کہ ہماری کل زندگی بالکل احکام الہی کے مطابق بن جائے۔ اپنے لئے بھی اور دوسرے بھائیوں کیلئے بھی۔

لیکن یہ بھی خیال کر لینے کی بات ہے کہ قرآن مجید کو تجوید کے ساتھ پڑھنا یا اس کے پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ اور جذبہ و شوق پیدا کرنا آخر اس میں رکاوٹ کب پیدا کرتا ہے؟ تجوید سے پڑھنے میں عمل کی بندش کب پیدا ہوتی ہے؟

اور اگر یہ خیال ہو کہ جب عمل نہیں ہو رہا ہے تو تجوید سے تلاوت بھی نہ ہو تو ایک شدید جرم کے ارتکاب میں دوسرے جرم کا ارتکاب قرین عقل نہیں ضرورت تو اس کی ہے کہ اس جرم سے بھی باز آئیں اور اس کے ترک سے بھی۔

اور پھر کسی طرح بھی اگر اس کو رکاوٹ قرار دیا جائے گا تو یہ ایک طرح سے ان احادیث پر بھی رکاوٹ (۱) کا اعتراف بن جائے گا جن میں اس کی اہمیت اور ترغیب بلکہ حکم وارد ہے اس لئے ذرا سوچ سمجھ کر یہ بات کہنی چاہئے۔

قرآن تو برابر شمع ہدایت ہے اور برابر اس کا اتباع فرض ہے۔ لفظوں حرفوں اور

(۱) یعنی حسن و جلال کے لئے قرآن پڑھنے کا حکم دیں اور ہم اس سے روکیں۔

حکمتوں کی درستی تو اس میں اور چار چاند لگائے گی نہ کہ اس سے روک پیدا کرے گی۔

اعتراض نمبر ۸

وزیر خزانہ نے مشورہ دیا ہے کہ آرٹ کو نسلیں حسن قرأت کو اپنانا شروع کریں اگر ایسا ہوا تو یہ قرآن مجید پر ایک اور ظلم ہوگا اور یہ مجلسیں اس کا ذریعہ بنیں گی۔

جواب

مجلس قراءت کو لہو و لعب کا سبب قرار دینا درست نہیں

اگر وزیر خزانہ صاحب کا مقصود یہ ہو کہ تصویر کشی کے حرام فعل سے لوگ باز آجائیں اور ذوق نظر و سمع کو صرف قرآن پر مصروف کر دیں تو اس میں ظلم کیوں ہے؟ ہاں قرآن مجید کو بطور لہو و لعب استعمال کرنا گناہ ہے یہ اس کی بے حرمتی ہے۔

لیکن سوال تو یہ ہے کہ قراءت کی مجلسوں کی غرض و غایت آرٹ کو قرار دینا کہاں کا انصاف ہے؟ ہر عبادت کو لہو و لعب بنانا اسکی بے حرمتی ہے اور بجائے ثواب کے گناہ بن جاتا ہے مگر اس وجہ سے کہ کوئی کوئی ایسا ہی کر سکتا ہے تمام عبادتوں کو بیک قلم منسوخ کر دینا کوئی صحیح بات نہیں بن سکتی۔

خود قرآن مجید نے اپنے بارے میں کہا ہے یضل بہ کثیرا و یهدی بہ کثیرا (۱) (بہت کو اس کے ذریعہ گمراہ کیا جاتا ہے اور بہت کو ہدایت دی جاتی ہے) تو کیا اس لئے کہ بعض لوگ قرآن مجید کا انکار اور ہنسی مزاق کر کر کے کافر و گمراہ بن جاتے ہیں نفس قرآن مجید کو ہی بند کر کے رکھ دیا جائے۔

یہ فعل تو ان لوگوں کا ہے، اس کے مجرم وہ ہوں گے اور کھیل بنانے کا گناہ ان کو

ہوگا۔ کیا قرآن مجید کو بہترین آواز اور لہجے میں پڑھنے والا ان کو مجبور کر رہا ہے کہ وہ قرآن مجید کو کھیل بنالیں اور وہ اس سے مجبور ہی بن رہے ہیں۔

اعتراض نمبر ۹

۱۔ چہ اغان، ۲۔ گیٹ، ۳۔ جھنڈیاں، ۴۔ اسٹیج، ۵۔ صدر، ۶۔ تالیاں،
۷۔ اچھل کود، قہقہوں سے داد، ۸۔ کسی کے آنے جانے پر نعرہ یہ سب طریقے جو ان مجلسوں میں برتے جاتے ہیں کافرانہ طور طریقے ہیں اور تلاوت قرآن کو کافرانہ طور طریقوں سے آلودہ کرنا قرآن مجید کی توہین ہے اور اسراف کا گناہ الگ ہے۔

جواب

محفل قرأت میں قدر ضرورت روشنی کی اجازت

یہ اعتراض آٹھ باتوں پر مشتمل ہے مگر ان میں سے بعض کے محض درجے صحیح بھی نہیں اس لئے ہر ایک کو الگ الگ عرض کیا جاتا ہے۔

(۱) روشنی اس قدر کہ آنے جانے بیٹھنے اٹھنے والوں کو سہولت ہو، ایک دوسرے کو پہچان سکیں اس قدر تو ضرورت کے تحت ہے اس کو اسراف نہیں کہا جاسکتا۔ یہ مجمع کی کمی بیشی سے متفاوت ہو سکتی ہے ہاں ضرورت یا سہولت سے جو زائد ہو وہ ضرور اسراف میں داخل ہے اس سے منتظمین کو روکنا چاہئے۔ لیکن منتظمین کی اس حرکت سے مجلس کے حاضرین پر کوئی گناہ ہو، یا قرآن مجید پڑھنے سننے کا ثواب نہ ہو، اس سلسلہ کو بند کر کے اس سے محرومی اختیار کی جائے یہ بات قرین عقل نہیں ہے۔

محفل قرأت کے لئے گیٹ بنانا، جھنڈیاں لگانا اسراف ہے

(۲) اس کی ضرورت کوئی نہیں ہوتی یہ محض رسم اور اسراف ہے۔

(۳) یہ بھی ایسے ہی ہے کہا جاسکتا ہے کہ ہم شان پیدا کرنے کے واسطے ایسا کرنا چاہتے ہیں مگر یہ تاویل محض غلط ہے ہر بات کی شان اس کے درجہ کے مطابق ہوتی ہے دینی کاموں کی شان دینی طریقوں سے ہو سکتی ہے۔

ان رسمی، کافرانہ طور طریق سے ان کی شان نہیں بڑھتی بلکہ اور ٹھنٹی ہے جیسے مرد کو عورت کا لباس و زیور پہنانے سے اس کی شان بڑھتی نہیں حقیقت میں نظروں میں مذاق اڑانا ہے جس سے شان ٹھنٹی ہے تمام دینی و اسلامی چلے اور اجتماعات کا یہی حال ہے۔ (۱)

قراء کے لئے اسٹیج کی حقیقت

(۴) رواجی صورت اس کی بھی رسم کافرانہ ہی ہے ورنہ فاسقانہ ضرور ہے ہاں یہ شکل کہ قاری صاحبان یا مقررین ایسی اونچی جگہ پر ہوں کہ جہاں سے لوگ ان کو دیکھ سکیں تسکین کا سبب ہے۔ پہلے زمانہ میں تو آواز پہنچانے کیلئے بھی اس اونچائی کی ضرورت تھی مگر اب لاؤڈ سپیکر کی وجہ سے یہ ضرورت ہی نہیں رہی صرف دیکھنے کی تسکین کیلئے حاجت ہے جو قدرے اونچا ہونے سے حاصل ہے اس سے زائد رسم اسراف سے خارج نہیں ہو سکتی۔

صدر مجلس کی حقیقت

(۵) یہ بھی صرف ایک رسم کی درجہ میں رہ گیا ہے شرعی اصل اس کی صرف اس قدر ہے کہ حدیث شریف میں ہے کہ جب تم لوگ سفر میں ہو تو ایک کو امیر مقرر کر لیا کرو اس سے انتظام قائم ہوگا امیر مقرر کر لینے کے بعد جب تک وہ امیر ہے اس کی اطاعت واجب ہوگی یا جب تک سفر باقی ہے۔

شاید لوگوں نے اس پر قیاس کر کے جلسہ کے انتظامات کیلئے ایک شخص کو امیر مقرر کیا ہے۔ مگر اس کی اطاعت کرنی ضروری تھی اب صرف ضابطہ میں نام ہو جاتا ہے اطاعت کوئی

(۱) اس لئے اس قسم کی محافل میں ان کاموں سے احتراز کرنا چاہئے۔

نہیں کرتا ایک رسم رہ گئی ہے۔ اور ایک وجہ اس کی یہ بھی ہے کہ ہر شخص اپنے گھریا حلقہ و ادارہ میں منتظم ہے وہی امیر ہے دوسرے کو اس کے یہاں حکم چلانے کا حق نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کو اسکے تابع رہنا ضروری ہے جیسے احادیث سے معلوم ہو رہا ہے لیکن جن لوگوں کو دعوت دے کر بلایا ہے ان کو اپنے حکم کے ماتحت قرار دینے کے بجائے ان کے اعزاز کیلئے خود انہی میں سے ایک کو منتخب کر کے عارضی منتظم قرار دیا جاتا ہے۔

خواہ وہ منتظم صاحب البیت، (۱) صاحب ادارہ منتخب کر دے یا سب سے انتخاب کرائے لفظوں کے ساتھ یا ایک کے لفظ اور دوسروں کے سکوت کے ساتھ جیسے عام عرف ہے۔ مگر اب لوگوں نے اس کو اس کے درجہ سے نکال کر صرف رسم بنالیا ہے اس لئے قابل ترک ہے جب تک امیر بنانے کی صورت پر عمل نہ ہونے لگے۔

مجلس قراءت میں تالی بجانا منع ہے

(۶) صرف کافرانہ روش ہے قابل ترک ہے، بلکہ ایک صورت مذاق کی سی بن جاتی ہے۔

مجلس قراءت میں اچھل کود کر دینے کی ممانعت

(۷) اظہار مسرت و شکر کیلئے کسی بات کا عمل گویا ہو مگر کھیل کود کے کاموں کی طرح اس کا اظہار قرآن مجید کی شان کے خلاف اور ہنسی مذاق اور کھیل بنانے کے قریب ہے ایسی باتوں کی روک تھام کی ضرورت ہے۔

حسن قراءت پر داد دینے کا عمدہ طریقہ

یہاں دو باتیں ہیں جن پر اظہار مسرت کیا جاسکتا ہے ایک قرآن مجید کے الفاظ تو ان کیلئے سبحان اللہ، جل شانہ، جل جلالہ ایسے الفاظ کا استعمال درست ہوگا۔

جو کلام الہی کی عظمت اور خود خدا تعالیٰ کی عظمت ظاہر کریں یا انکی تصدیق میں صدق اللہ ورسولہ وغیرہ الفاظ ہوں۔

دوسری بات قاری کا تلاوت میں حسن پیدا کرنا جو آیات و احادیث سے مستحسن ہے اس کیلئے جزا ک اللہ، مرحبا لافضل فوقک وغیرہ الفاظ کا مضائقہ نہیں۔ غرض کلام الہی کے ادب اور شان ربانی کے لحاظ کے ساتھ جذبات شکر و مسرت کے اظہار کا مضائقہ نہیں مگر کافرانہ و فاسقانہ یا لہو و لعب کی حرکتوں سے بچنا لازم ہے اس کی تلقین کی ضرورت ہے لیکن بعض لوگوں کے ایسی حرکت کی وجہ سے مجلس کو معیوب قرار دینا یا بند کرانا محض زیادتی ہے۔

قاری کی آمد پر نعرہ تکبیر، اللہ اکبر، کہنا جائز نہیں

(۸) یہ بات بھی روکنے کی مستحق ہے کیونکہ ذکر اللہ و ذکر رسول کو غیر ذکر کے لئے استعمال کرنا ذکر کی بے حرمتی ہے۔ فقہائے احناف نے لکھا ہے کہ اگر چوکیدار اپنے بیدار رہنے کی دلیل میں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ بلند آواز سے پڑھے گا تو یہ منع ہے جو تا جرمال کی عہدگی ظاہر کرنے کے لئے اللھم صل علی محمد پڑھے گا تو یہ منع ہے لہذا اسی طرح کسی کے آنے جانے پر اللہ و رسول کے نام کے نعرے ان کی بے حرمتی کی وجہ سے ممنوع ہوں گے اس کو بھی روکنے کی ضرورت ہے۔

اعتراض نمبر ۱۰

قرآن مجید کی تلاوت پر اجرت لینا دینا دونوں کام حرام ہیں اس کی دعوت دینا بھی گناہ ہے اور جو لوگ کچھ رقم دیتے ہیں وہ جائز کام کیلئے دیتے ہیں اس کو اس میں صرف کرنا یا مندرجہ نمبر ۹ میں صرف کرنا اگر وہ اس کام کیلئے بھی دیں تو گناہ ہے یہ مجلس اس سب پر

مشتمل ہوتی ہے۔

جواب

محفل قرأت میں تلاوت پر اجرت حرام ہے

اس میں کوئی شک نہیں کہ علمائے احناف کے مذہب میں ہر عبادت کی اجرت حرام ہے اور فقہائے متاخرین نے شعائر اسلام اور ان باتوں میں جن پر اسلام موقوف ہے دوسرے اماموں کے مذہب پر فتویٰ دیکر صرف امامت، اذان، تعلیم قرآن و دینیات اور ملازمت و عطف پر اجرت کی اجازت دی ہے نفس تلاوت اس میں داخل نہیں اس لئے ہر کسی تلاوت پر اجرت لینا، دینا دونوں حرام ہیں۔

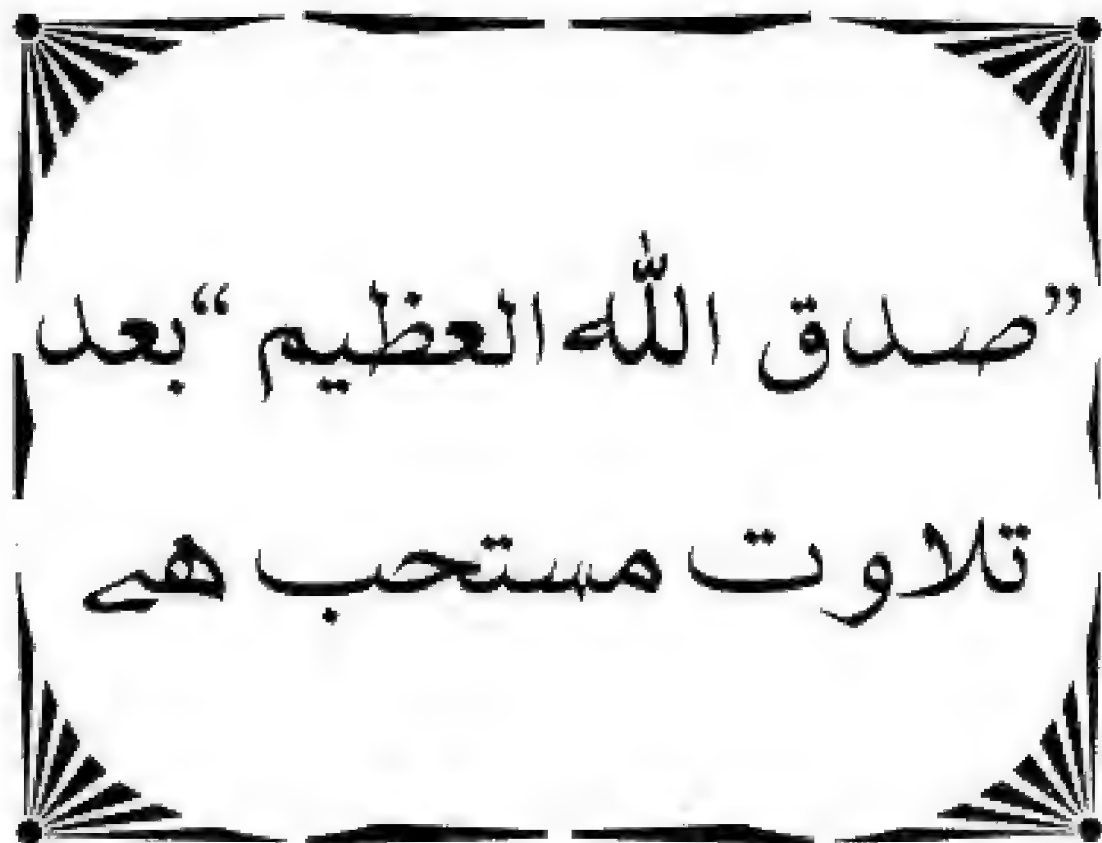
قاری کیلئے کرایہ آمد و رفت لینا جائز ہے

لیکن کسی دینی مصلحت سے جب دور سے بلایا جائے تو آمد و رفت خورد و نوش کا خرچہ ان کو دینا اجرت میں داخل نہیں لیکن وہ ناجائز نہیں ہے ایسے ہی دور والوں کو کھلانا پلانا بھی اجرت میں داخل نہیں۔ اور یہ بھی صحیح کہ ناجائز میں دینے والے کی اجازت سے بھی خرچ کرنا ناجائز نہیں۔ اور اجازت بغیر تو جائز میں بھی نہیں اس لئے ان سب باتوں کا لحاظ کرنا ضروری ہے لیکن ان کوتاہیوں کا جرم منتظمین کا ہے اور انہی پر گناہ ہے پھر ہر مجلس میں ان خرابیوں کا ہونا بھی ضروری نہیں۔ ادھر سامعین پر اس کا اثر نہیں ہو سکتا۔ منتظمین کو فہمائش (۱) کرنے کی ضرورت ہے مگر مجلس اس کی وجہ سے بند کرنا درست نہیں ہوگا۔

امید ہے کہ ان سب باتوں پر خلوص کے ساتھ غور کیا جائے گا تاکہ برائیوں کی

واللہ اعلم

اصلاح ہو اور بھلائیوں کی ترغیب ہو۔



”صدق الله العظيم“ بعد

تلاوت مستحب هم

ary.blogspot.com

zoolan-elibrary.blogspot.com

صدق اللہ العظیم بعد تلاوت مستحب ہے

سوال: تلاوت قرآن کریم کے بعد صدق اللہ العظیم کہنا جائز ہے یا ناجائز؟

سائل محمد سعادت اللہ کراچی

الجواب: بسم اللہ الرحمن الرحیم
حامدا و مصلیا و مسلما

اسکولوں اور کالجوں میں اسلامی تعلیمات کا معاملہ صفر ہے، (۱) اور دن رات اسلام اور اہل اسلام پر غلط سلط اعتراضات کئے جاتے ہیں اور انگریزوں کا جعلی اسلام ذہنوں میں جمایا جاتا ہے اسلام کا اثر بلکہ اسلام اور سچے اور سچے مسلمانوں سے نفرت پیدا کر کے مسلمانوں کے دماغ دین سے کھوکھلے کر رہے ہیں برس ہا برس سے یہ سازش چل رہی ہے نتیجہ یہ کہ اب گونصاری (۲) کا تسلط نہیں رہا مگر اکثریت ایسے لوگوں کی ہو گئی ہے جن کا نام مسلمان ہے مگر کام سے عیسائیت ان کے دل میں گھر گئے ہوئے ہے۔ ذرا سی بات بھی غلط فہمی کی وجہ سے ذرا قابل اعتراض اسلام میں معلوم ہو جاوے تو یورپ کی جانشینی اور وراثت کی وجہ سے فوراً ایک توپ داغ دی جاتی ہے۔ انگریز چلے گئے مگر اپنے ایجنٹ ایسے بنا کر چھوڑ گئے کہ جو جو کام وہ نہ کر سکتے تھے اور ان سے نہ ہو سکے وہ ان ایجنٹوں کے ہاتھوں ہو رہے ہیں۔

جتنے فرقے پارنیاں آپ دیکھ رہے ہیں سب اسی کے پھل پھول ہیں شیعہ

(۱) نہ ہونے کے برابر (۲) عیسائی یعنی انگریزوں کی حکومت نہیں رہی۔

یہودیوں سے باقی سب نصرانیوں سے پروپز پارٹی، قادیانی، خاکسار، مودودی، اسرار پارٹی، طاہر پارٹی، اور سیاسی دھڑے باز سب اسی کے پیداوار ہیں چونکہ اکثریت انہی کی ہے جو اسلام سے بالکل بے خبر بلکہ متنفر ہیں۔ لوگ ان کو ہاتھوں ہاتھ لے لیتے ہیں۔ بلکہ اب تو یہ ہو گیا ہے کہ اگر کوئی اعتراضات کرنے لگتا ہے تو اسے کوئی نہیں پوچھتا ہے بلکہ وہ اسلام کے خلاف بکواس کر کے ہاتھوں ہاتھ لے لیا جاتا ہے۔ خالفوا تعرفوا (مخالفت کرو مشہور ہو جاؤ گے) محاورہ پر عمل ہے اور مخالفت بھی اس کی جیسے پیروکار بہت ہوں اور سب چلا انھیں اسی گٹر سے اہل باطل کام لے رہے ہیں اور روز ایک نیا فرقہ وجود میں آتا ہے۔

ابھی حال میں کوئی عبدالرؤف صاحب کراچی یونیورسٹی کے سابق لیکچرار اوروں کی طرح انہوں نے بھی ذرا سی غلط سلط عربی سیکھ کر اسکول و کالج کے دینی صفر کے لوگوں میں یہ شوشہ چھوڑا کہ علماء دین اور قاری صاحبان جو تلاوت کے بعد صدق اللہ العظیم پڑھتے ہیں یہ بدعت ہے اور بدعت کہتے ہوئے کسی عالم کی پوری تقریر جو رد بدعات پر ہوتی رہتی ہے جھاڑ دی۔ اور ان سب کو مجرم بلکہ بدعتی و مشرک و اسلام سے خارج کہہ ڈالا اور ایک کتابچہ داغ دیا کسی صاحب نے وہ دفتر الاشرف میں بھیج دیا ہے اس کے متعلق کچھ عرض ہے۔

کتابچہ دیکھنے سے معلوم ہوا کہ آپ کو غصہ اس پر آ رہا ہے کہ جیسے کہ کتابچہ کے صفحہ نمبر ۹ پر مذکور ہے کہ انہوں نے تلاوت کے بعد صدق اللہ العظیم نہ کہا تو ان کے ایک شاگرد نے اعتراض کیا کہ آپ نے ایک آیت چھوڑ دی یعنی صدق اللہ العظیم اس پر غصہ آیا کہ سب کے پڑھنے سے بعض نادان اسے آیت کہنے لگے پھر شاگرد کے کہنے سے اور مجمع عام میں

کہنے سے اور مزید غصہ آیا اور رد کر دیا۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ ان صاحب کو بدعت کی حقیقت معلوم نہیں ہے یا اسے سمجھے نہیں۔ حضور ﷺ نے بدعت کی جو تعریف فرمائی ہے وہ صفحہ ۲ پر درج کر دی گئی ہے ”جس نے ہمارے اس کام یعنی دین میں کوئی ایسی بات نکالی جو اس میں سے نہیں ہے یعنی اس کا ثبوت قرآن مجید و حدیث میں نہیں ہے تو وہ عمل بھی عند اللہ مقبول نہیں ہے۔ اور اس کا کرنے والا اللہ کی رحمت سے دور ہے۔“

نمبر ۱: حدیث کے لفظ احداث کا ترجمہ نکالنا نہیں بلکہ پیدا کرنا ہے۔ نکالی ہوئی کا مطلب تو اندر سے پوشیدہ چیز نکالنا ہے وہ تو بدعت نہیں ہو سکتی آگے کا لفظ مایس منہ کا ترجمہ جو اس میں سے نہیں ہے، اس پر صادق نہیں آتا ہے اس لئے یہ ترجمہ غلط ہے جو اس سے ماخوذ ہے اور وہ تو اس کے اندر ہے وہ بدعت نہیں ہو سکتا۔

نمبر ۲: ذرا ذہن کو خالی کر کے سنئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ومن اصدق من اللہ قیلاً (سورۃ نساء آیت ۱۲۲) یعنی ”قول میں اللہ سے زیادہ کون سچا ہے“

نمبر ۳: اور ارشاد ہے ومن اصدق من اللہ حدیثاً (سورۃ النساء آیت ۸۷) ”اور بات میں اللہ سے زیادہ کون سچا ہے؟“ دونوں آیتوں میں استفہام انکاری ہیں یعنی کوئی سچا نہیں آپ ہی سچے ہیں اب اللہ تعالیٰ کے قول کے بعد یہ کہنا صدق اللہ العظیم یعنی عظمت والا اللہ ہی سچا ہے کیا یہ ان دونوں آیتوں کی تصدیق نہیں ہے؟ اب تلاوت کرنے والا اللہ تعالیٰ کے حکم اور اللہ تعالیٰ کی بات کو سچا بتلا رہا ہے تو یہ کیا شرک و بدعت ہے یا اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہے اب یہ فرمائیے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کو شرک و بدعت کہتا ہے وہ خود کیسا ہے؟

نمبر ۴: امر کا ترجمہ ہر کام نہیں ہے بلکہ وہ ہے جو فرض و واجب ہو کیونکہ امر تو حکم کو کہتے ہیں اور امر فرض یا واجب ہے لہذا جو چیز دین نہ ہو اسے دین بنائیں یا جو چیز فرض و واجب نہیں اسے فرض و واجب بنائیں تو اس پر حکم ہے کہ ”فہو رد“ یعنی ”وہ مردود ہے“ لہذا جو غیر کام فرض واجب سمجھ کر نہ کیا گیا وہ بدعت نہیں ہوگا جیسے تمام مستحبات اور تمام جائز کام اور تمام نوافل و اذکار وغیرہ جو دین ہیں جب تک ان کو فرض واجب نہیں کہے گا اسے بدعت کہنا درست نہیں ہوگا جیسے عمدہ عمدہ کپڑے مکان ہوائی جہاز ریل وغیرہ ہے کہ مدرسے اور بڑی بڑی مساجد یہ سب کام دین کیلئے تو ہیں مگر فرض واجب نہیں اس لئے یہ کام بدعت نہیں کہلائے جائیں گے۔

نمبر ۵: مالیس منہ یعنی جو دین نہ ہو اور جو کام ان سے ماخوذ ہوگا وہ بدعت نہیں ہو سکتا جیسے تمام مذاہب اربعہ کے فقہی مسائل۔

نمبر ۶: پھر بدعت کو شرک کہنا بالکل ناواقفی کی دلیل ہے شرک تو عبادت میں یا حق تعالیٰ کی صفات ذاتیہ یا ازل تا ابد میں شریک کرنے کو کہا جاتا ہے بدعت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرکت نہیں ہوتی مصنف صاحب چونکہ دینی علوم سے ناواقف ہیں صرف کالجی علوم دل و دماغ پر پیوستہ ہیں ان سے یہ دھوکہ لگا ہے۔ واللہ اعلم

نقطہ

مفتی جمیل احمد تھانوی جامعہ اشرفیہ لاہور

”صدق اللہ العظیم“ پڑھنے کے دلائل

تلاوت قرآن حکیم کے بعد جو قراء عام طور پر ”صدق اللہ العظیم“ پڑھتے ہیں اس کو ایک صاحب نے بدعت قرار دیا تھا۔ جس کے بارے میں حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے ایک مضمون لکھا تھا کہ اس کو بدعت کہنا درست نہیں جو سابقہ صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ اس کے جواب میں انہوں نے کوئی خط لکھا جس کا ذکر حضرت نے بھی فرمایا ہے، اس کا مفصل جواب لکھنے کا ارادہ کیا تھا لیکن پھر ترک کر دیا کھمانے کے لئے چند دلائل کا سن لینا ہی کافی ہے اور نہ ماننے والے کے لئے دفتر کے دفتر بھی نا کافی ہیں۔ چنانچہ بعد از قرأت ”صدق اللہ العظیم“ کہنے کے چند دلائل حضرت نے ذکر کئے ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

(خلیل)

”صدق اللہ العظیم“ بدعت نہیں ہے

ایک غیر مقلد نے اس کو بدعت قرار دے کر ایک رسالہ لکھ دیا اس کا جواب ”الاشرف“ میں ماہ دسمبر ۱۹۸۹ء میں شائع ہوا تھا اس پر تقریباً دس صفحہ کی غلط فہمیوں کا مجموعہ موصول ہوا۔ جواب بھی تقریباً بیس صفحے کا ہے، مگر اس کشاکشی سے نتیجہ نہیں معلوم ہوتا وہ اپنی خونہ بدلیں گے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں

مختصر بات پیش ہے

دلیل ۱: امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ جن کو سب مسلمان انتہائی معتبر مانتے ہیں، آداب تلاوت میں رقم طراز ہیں ”لیقل عند فراغه من التلاوة صدق اللہ تعالیٰ وبلغ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“

(قرأت سے فارغ ہونے پر کہے سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور ان کے رسول ﷺ نے ہم کو پہنچایا ہے)۔

دلیل ۲: اس کی شرح اتحاف السادة جلد ۴ صفحہ ۴۹۱ پر ہے ”وليقبل عند فراغه من كل سورة صدق الله العظيم وبلغ رسوله الكريم ونحن على ذلك من الشاهدين۔ او يقول صدق الله تعالى وبلغ رسوله صلى الله عليه وسلم۔“

(اور قاری ہر سورت سے فارغ ہونے پر کہے صدق اللہ العظیم وبلغ رسوله الکرم الخ اللہ برتر نے سچ فرمایا ان کے رسول کریم نے پہنچایا اور ہم اس پر گواہوں میں سے ہیں یا یہ کہے اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا اور ان کے رسول ﷺ نے پہنچایا)۔

حدیثوں میں اور بھی الفاظ آئے ہیں جو ان آیات کے موافق ہیں یہ بہت حدیثوں میں ہے۔

دلیل ۳: کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۶۰۸ پر ہے، از ابوداؤد و ترمذی

من قرأ منكم بالتين والزيتون فانتهي الى آخرها اليس الله باحكم الحاكمين فليقل بلى وانا على ذلك من الشاهدين (تم میں سے جو سورۃ التین والزیتون پڑھے اور آخر تک الیس اللہ با حکم الحاکمین تک تو کہے ضرور ہیں، اور میں اس پر گواہوں میں ہوں)۔

اسی طرح حدیثوں میں بہت سورتوں کے بعد ایسے جملے آئے ہیں۔ اگر کوئی کالجی از جملوں کو قرآن مجھ بیٹھے تو یہ بدعت کیوں ہوگا۔ قصور اس کا ہے نہ کہ پڑھنے والے کا۔

دلیل ۴: سورۃ آل عمران میں ہے۔

”قل صدق الله فاتبعوا ملة ابراهيم حنيفاً“ (آپ کہہ دیں اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے تم ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کرو!) اس آیت میں حضور ﷺ کو اور سب کو صدق اللہ کہنے کا حکم ہے۔

دلیل: ۵: سورۃ احزاب میں ارشاد ہے۔

”هذا ما وعدنا الله ورسوله وصدق الله ورسوله“ (یہ وہی ہے جس کا اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ نے وعدہ کیا تھا اور اللہ، رسول نے سچ فرمایا) اس آیت میں تو اللہ و رسول دونوں کے صادق ہونے کا اقرار ہے۔

دلیل: ۶: سورۃ یسین میں ہے ”هذا ما وعد الرحمن وصدق المرسلون“ (یہ ہے وہ جو اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا اور رسول کریم نے تصدیق کی)

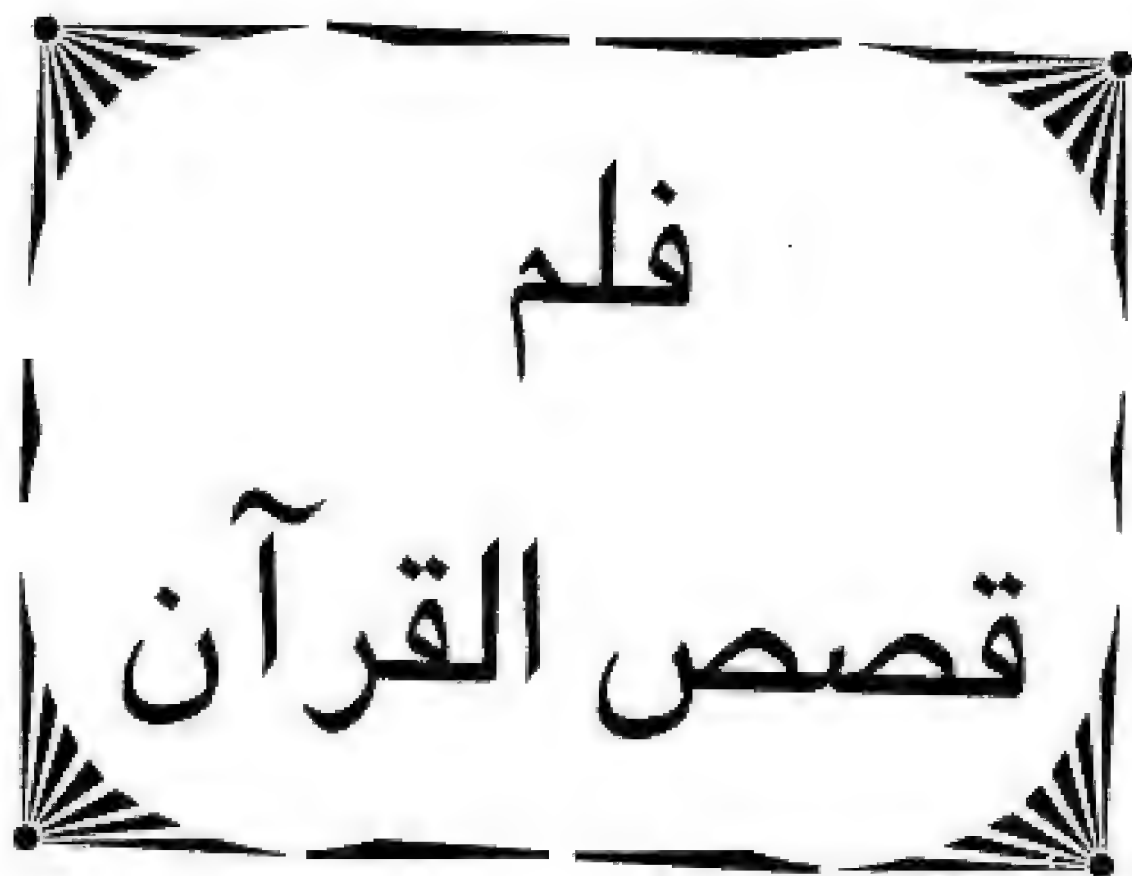
دلیل: ۷: سورہ نساء میں ہے ”ومن اصدق من الله حديثاً“ (اور کون زیادہ سچا ہے بات میں اللہ تعالیٰ سے) اس آیت میں تنبیہ ہے کہ کون سچا ہے؟ اگر ہے تو لاؤ بتاؤ۔ اس کے جواب میں مسلمانوں کو یہی کہنا چاہئے کہ ”صدق الله العظيم“ اگر نہ کہا تو شبہ رہے گا کہ یہ باوجود تنبیہ کے نہ کہنا انکار تو نہیں۔ یعنی صدق اللہ نہ کہنے سے اللہ تعالیٰ کے صادق ہونے کا انکار تو نہیں کہ باوجود تنبیہ کے نہیں کہتا۔ اسلئے کہنا ہی بہتر ہے۔

دلیل: ۸: سورۃ المحشر میں ہے ”وما اناکم الرسول فخذوه وما نهاکم عنه فانتهوا“ (جو تم کو رسول دیں، لے لو اور جس سے منع کریں رک جاؤ!) اس سے معلوم ہوا کہ جس کا حکم ہے کرنا لازم ہے جس کا منع فرمانا ہے اس سے رکنا لازم ہے اور جس میں دونوں باتیں نہ ہوں نہ حکم نہ منع وہ جائز ہے اس لئے جس کا امر و نہی نہ ہو وہ جائز ہے۔ لہذا یہ کہنا جائز ہے۔ کیونکہ نہ اس کا حکم کہ فرض ہو یا واجب ہو، نہ منع ہے کہ حرام یا مکروہ ہو، نہ بدعت کہ تصدیق رب ہے۔

غلط فہمی اس سے ہو جاتی ہے کہ لغت میں بدعت ہر نئی چیز کو کہتے ہیں اس سے غلطی لگتی ہے، ورنہ جو چیز نئی دنیوی ہو اس کا استعمال جب تک گناہ کا سبب نہ بنے درست ہے۔ ریل، جہاز، موٹر، بس، کوٹھیاں وغیرہ بلکہ جو دین کے لئے مفید ہو وہ کارِ ثواب ہے۔ پختہ مسجدیں، مدرسے، خانقاہیں، کتابیں وغیرہ۔ کلمہ پڑھنا، قرآن پڑھنا، درود پڑھنا، اللہ و رسول کا ذکر کرنا کبھی بھی بدعت نہیں ہو سکتا۔ فاتحہ، گیارہویں، سوئم، چہلم، ختم خود بدعت نہیں ان کو واجب، عقیدہ یا عمل میں قرار دینا بدعت ہے ورنہ بحکم حدیث ”خیر العمل ما دیم علیہ“ (بہترین عمل وہ ہے جس پر دوام کیا جائے) ان پر تو دوام بہتر ہے مگر فرض، واجب، عقیدہ میں یا عمل میں کہ نہ کرنے والوں کو مجرم ملعون قرار دینا یہ بدعت ہوتا ہے یا مکروہ ہوتا ہے اگر تداعی یعنی بلائلا کر جمع کیا جائے تو وہ کام گناہ نہیں بڑا نکلا کر کرنا گناہ ہے۔ ”صدق اللہ العظیم“ کو کوئی فرض واجب قرار دے گا تو بدعت ہو گا ورنہ تمام مستحبات کی طرح اس پر دوام بحکم حدیث بہترین ہے، مستحب ہے۔ فقط

(حضرت مولانا مفتی) جمیل احمد تھانوی (نور اللہ مرقدہ)

۲۱ ذی الحجہ ۱۴۰۰ھ



ary.blogspot.com

zoolan-elibrary.blogspot.com

فلم قصص القرآن

”البلاغ“ کے کسی گذشتہ پرچہ میں اس موضوع پر مولانا محمد تقی صاحب عثمانی سلمہ مدیر ”البلاغ“ کا مضمون شاکل ہو چکا ہے جو اہل انصاف کیلئے کافی وافی بلکہ شافی ہے۔ یہ مضمون بطور اس کے تحفہ کے ہے شاید دونوں کو ملا کر پڑھ لینے سے کوئی اچھا نتیجہ برآمد ہو سکے۔ اس کے لئے چند باتیں پیش ہیں نتیجہ میں مذکورہ ذیل وجوہ کی بناء پر اس فلم کا دیکھنا بنانا دکھانا اس کو اچھا سمجھنا سب گناہ عظیم بلکہ ہر ایک کیلئے اس سے کفر کا اندیشہ ہے ایسے سب لوگوں کو توبہ خالص کی ضرورت ہے اور احتیاطاً سب ایسا کرنے والوں کو تجدید ایمان بلکہ تجدید نکاح بھی بہتر ہے۔

تصاویر کا حکم

جانداروں کی تصویر بنانا اور رکھنا حرام ہے حرام و گناہ معنوی غلاظتیں (۱) ہیں جیسے قرآن مجید کو ظاہری غلاظت سے آلودہ (۲) کرنا سخت توہین ہو کر سب کفر بن جاتا ہے اسی طرح حرام و گناہ سے آلودہ کرنے سے بھی کفر لازم آئے گا اور گناہ عظیم سے تو کسی طرح بھی خالی نہیں رہ سکتا۔ فلم بنانے میں عورتوں کی تصویریں بھی پیش کی جائیں گی، بالغ عورت کی تصویر کا دیکھنا بھی نامحرم کو گناہ ہے۔

عورت کی آواز عورت ہے

ریڈیوئی وی کی طرح یہاں بھی عورتیں بیان کرنے والی ہوں گی تو عورت کی آواز

(۱) نجاستیں (۲) ظاہری نجاست میں ذالک

بھی عورت (۱) ہے اور نامحرم کیلئے بلاعذر سننا گناہ ہے۔

قرآن پاک کے اجزاء کو لھو و لعب بنانا

یہ سب قصص، قرآن مجید کے اجزاء ہیں قرآن شریف کے کل یا جز کو آلہ تفریح یا

لہو و لعب بنانا قرآن بلکہ خدا تعالیٰ کی تحریف اور اسلام سے خارج ہونے کا ذریعہ ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ سوائے زوجین (۲) اور جنگی مشقوں کے ”ہر لہو“ حرام ہے اس لئے

سینما، ٹی وی کی طرح یہ لہو و لعب بھی حرام ہے اور حراموں سے قرآن و کلام اللہ کی

آمیزش (۳) توہین اور سبب کفر ہے۔

توہین قرآن کا سبب

اس لہو و لعب کو قرآن شریف کی طرف منسوب کر کے، کرنا اس کو کارِ ثواب قرار

دینا ہے۔ توہین قرآن کو سببِ ثواب قرار دینا دھوکہ اور سخت ترین گناہ ہے بلکہ سبب کفر ہے۔

قرآن کی عظمت مجروح ہوتی ہے

قصوں کو بحیثیت قصہ اس قدر اہم کر کے اس کا اعلان کرنا ہے کہ قرآن مجید کا

اصل مقصد قصے کہانیاں ہیں اس سے قرآن کے دین و دنیا کی فلاح کے اعلیٰ ترین قانون کی

عظمت کو انتہائی مجروح کرنا ہے اور تاقیامت دین و دنیا کی فلاح کے اعلیٰ ترین قانون

ہونے کی نفی کرنا ہے۔ دیکھئے کس قدر سخت اسلام دشمنی ہے۔

قرآن شریف کا ہر قصہ بہت عبرتوں کا مرقع ہے اس کو اس طرح آلہ تفریح بنانا

ان کی تحقیر اور اصل مقصد سے مسلمانوں کو ہٹانا ہے ظاہر ہے کہ یہ گناہ عظیم ہے۔

(۱) ستر ہے اس کا بھی غیر مردوں سے چھپانا ضروری ہے (۲) میاں بیوی (۳) حرام کے ساتھ قرآن کو ملانا

قرآن کے قصص میں احکام مضمحل ہیں

قرآن حکیم کے قصوں کے لفظ لفظ میں بھی دین و دنیا کی فلاح کا ایک نہیں کئی کئی قانون مضمحل (۱) ہیں اس طرح ان کو تفریح و لہو و لعب بنا کر مسلمانوں کو ان قوانین سے غافل کرنا ہے جو انتہائی جرم ہے۔ مثال کے طور پر ایک مختصر ترین قصہ کے مسائل پیش کئے جاتے ہیں: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جب قوم لوط کے عذاب کے فرشتے آئے آپ کی طرف سے ان کی ضیافت (۲) کو قرآن شریف نے ذکر فرمایا ہے۔ فمالبت ان جاء بعجل حنیذ (۳) (ندیر کی اس سے بھنا ہوا پھڑا لے آئے) اس میں سات مسئلے یا سات قانون و حکمتیں ہیں جو ضیافت (۴) کے قاعدے ہیں:

(۱) ”فمالبت“ (ندیر کی) سے ثابت ہوا کہ سنت ابراہیمی یہ ہے کہ مہمان کو انتظار میں نہ ڈالے دیر نہ لگائے جلد جو کچھ ہو سکے پیش کر دے۔

(۲) ”لبت“ اور ”جاء“ دونوں فعلوں کے فاعل حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں یعنی خود یہ کام کئے کسی بیوی بچے یا خادم سے نہیں کرائے لہذا خود مہمان کا سب انتظام کرنا چاہئے دوسروں پر ڈال کر اطمینان نہ کریں۔

(۳) ”عجل“ (پھڑا) چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے یہاں گائے بیل کا کاروبار تھا تو گھر کے مال سے ضیافت کی باہر سے کچھ منگا کر نہیں کی۔ معلوم ہوا کہ جو موجود ہو اس سے خاطر کی جائے کہ تکلفات میں تکلیفات ہیں۔

(۴) پھڑا بہ نسبت بوڑھے بیل گائے کے عمدہ ہوتا ہے خواہ نہ ہو یا مادہ اس سے معلوم ہوا کہ موجودہ مال میں سے جو جنس کے اعتبار سے عمدہ ہو وہ پیش کیا جائے۔

(۵) ایک اور روایت میں ”ثمین“ (مونا تازہ) ہے اس سے معلوم ہوا کہ جو کچھ

(۱) پوشیدہ (۲) مہمانی (۳) سورۃ الحجر (۴) مہمان نوازی

مہمان کیلئے پیش ہو وہ جنس سے بھی عمدہ ہو اور صفت سے بھی عمدہ ہو۔

(۶) ”حنیذ“ (بھنا ہوا) اس سے ثابت ہوا کہ جنس و صفت کی عمدگی کے ساتھ صنعت بھی عمدہ ہو کہ شور با سے بھنا ہوا عمدہ ہے۔

(۷) ”جاء بعجل“ با کے ساتھ اصل معنی یہ ہیں آئے پھڑے کے ساتھ (یعنی لے آئے)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مہمان کے کھانے کے ساتھ خود آنا چاہئے۔ یہ نہ ہو کہ کسی کے ہاتھ بھیج کر یا خود رکھ کر چلے جائیں کہ نہ معلوم کسی کی بیشی کی ضرورت ہوگی یا نہیں کسی اور شے یا پانی کی حاجت ہے یا نہیں۔

جب یہ مقصد محض تفریح طبع کیلئے بطور قصہ کہانی کے نقل ہوگا تو تمام مسئلوں اور قانونوں کو بیکار کر دیا گیا کوئی اس طرف توجہ ہی نہیں دے سکتا سارے عالم کو ان علوم و قوانین سے محروم کر دیا غور کیجئے کہ کتنا سخت جرم ہے۔

فلم قصص القرآن کا عظیم نقصان

نفس و شیطان کی آمیزش سے ہر طبیعت تفریح عیاشی اور کھیل کی طرف مائل ہوتی ہے تو ایسا کرنے سے سب مسلمانوں کو اس صورت کو عمدہ بنا کر دکھا کر سمجھا کر تلاوت اور احکام و مسائل سے برطرف کر دینا ہے بجائے تلاوت و علم کے اس سے لذت اندوز ہونگے اور سب کو پس پشت (۱) ڈال دیں گے، یہ ہوگا نتیجہ۔

اسلام دشمنی

چونکہ یہ سب قرآن کے نام سے کیا جائے گا تو لوگ اس کو اسلامی کام سمجھیں گے

(۱) باقی باتوں کی طرف التفات نہ ہونے کی وجہ سے ہر حرف کی تلاوت پر جو دس نیکیوں کا وعدہ ہے اور سمجھ کر پڑھنے پر دس سے بھی زائد نیکیوں کا سب سے خردی ہوگی۔

حالانکہ یہ گناہوں پر مشتمل ہے جیسے اوپر عرض ہوا ہے بلکہ کفر کے خدشہ پر بھی غور کیجئے یہ اسلام دوستی ہے یا اسلام دشمنی؟

اللہ و رسول ﷺ پر تہمت

اس کو اسلام کا ایک کام سمجھنا سمجھنا علاوہ شدید ترین دھوکہ کے شارع اسلام خدا اور رسول ﷺ پر تہمت لگانی ہوگی گویا یہ کہنا ہوگا کہ خدا تعالیٰ نے ایسا کرنے کو کہا ہے یا حضور ﷺ نے ایسا بتایا ہے اس پر قرآن شریف کا یہ حکم ہے ومن اظلم ممن افتری علی اللہ کذباً (۱) (اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو اللہ پر جھوٹ کی تہمت لگاتا ہے) اور حضور ﷺ نے فرمایا ہے من کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعده من النار (جو مجھ پر قصداً جھوٹ کی تہمت باندھے وہ اپنا ٹھکانا دوزخ بنا لے)

اسلام و مسلمان دشمنی

اس طرح قرآنی تصور کو پیش کرنا یہ تاثر پیدا کرتا ہے کہ قرآن کا مقصد صرف قصہ خوانی ہے یا قرآن کوئی تاریخی کتاب ہے جبکہ وہ دین و دنیا کی اصل ترقیات کا بے مثال قانون ہے تو یہ اس طرح اسلام دشمنی اور مسلمان دشمنی ہے۔

ایک عظیم خطرہ

قرآن مجید میں کئی جگہ مثلاً پارہ نمبر ۶ رکوع ۳ میں اہل کتاب و مشرکین کی یہ صفت بتا کر اتخذوا دینکم ہزوا و لعباً (۲) (وہ تمہارے دین کو مذاق اور کھیل قرار دیتے ہیں) ان سے میل جول کرنے کو منع فرمایا ہے اور اس کو ایک کافرانہ عادت قرار دیا ہے۔

پارہ نمبر ۸ رکوع ۱۳ میں ہے: دوزخیوں نے جنتیوں سے جنت کا دانہ پانی مانگا تو جواب یہ نقل فرمایا: قالوا ان الله حرمهما على الكافرين الذين اتحدوا دينهم لعبا ولهوا (۱) انھوں نے جواب دیا بیشک اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو کافروں پر حرام فرمادیا ہے جنہوں نے اپنے دین کو لہو لعب بنایا تھا) خطرہ ہے کہ ہم سب کو بھی اس کافرانہ کام کی وجہ سے یہی جواب مل جائے۔

واللہ اعلم
(مولانا مفتی) جمیل احمد تھانوی
جامعہ اشرفیہ لاہور



مسائل القرآن

ary.blogspot.com

zoolink-elibrary.blogspot.com

مسائل القرآن (۱)

حضرت حکیم الامتہ مجدد الملتہ مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے ارشاد پر قرآن شریف سے عقائد و فقہ معاملات و اخلاق آداب و تصوف وغیرہ کے ماخوذ و مستنبط مسائل کے جمع کرنے کا کچھ کام احقر نے بھی کیا تھا (۲)۔ پھر نظر سے معذوری پر وہ بند ہو گیا (۳) تھا اس وقت صرف ایک آیت کے مسائل بطور نمونہ اپنی اصل عربی تالیف سے اردو میں منتقل کر کے قرآن نمبر کے لئے ارسال ہیں کہ شاید حق تعالیٰ کسی کو توفیق دیں کہ وہ اس طرح یا اس سے بہتر صورت میں پورے قرآن مجید کے مسائل پر ایک جامع تفسیر مدون کر دے تو توقع ہے کہ انشاء اللہ بہت فائدہ مند خدمت ہوگی۔

جمیل احمد تھانوی

- (۱) یہ مقالہ ۱۳ اپریل ۱۹۵۶ء کے خدام الدین میں طبع ہوا تھا
- (۲) حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے اس بات کے اثبات کیلئے فقہ حنفی کے تمام مسائل قرآن و حدیث سے مستنبط ہیں دو کتابیاں تحریر کرائی تھیں ایک اعلاء السنن جس کو حضرت کے بھانجے مولانا ظفر احمد تھانویؒ نے ۱۸ ضخیم جلدوں میں تحریر کیا ہے جس میں ہر مسئلہ فقہیہ کے استدلال میں حدیث نبوی ﷺ پیش کی گئی ہے۔ یہ کتاب عربی میں ہے۔ اسی طرز پر حضرت تھانویؒ نے ایک تفسیر احکام القرآن بھی عربی میں لکھوائی ہے کہ جس میں فقہ حنفی کے ہر مسئلہ کی دلیل قرآنی آیت سے پیش کی گئی ہے اس کام کیلئے حسب ذیل چار فقہاء کبار پر مشتمل ایک بورڈ تشکیل دیا گیا شیخ الحدیث حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب، مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی، فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی صاحب۔ مولانا ظفر احمد صاحب نے پہلی منزل دو جلدوں پر مشتمل تحریر کی تھی جو چھپ چکی ہے۔ دوسری منزل مکمل کرنے کے قبل حضرت کا انتقال ہو گیا۔ مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانویؒ نے تیسری اور چوتھی منزل تحریر کی جو آج کل ادارہ اشرف التحقیق میں زیر طبع ہے جس کی پانچ جلدیں ہو گئی اور مفتی شفیع صاحبؒ نے پانچویں جھنی منزل تحریر فرمائی جو دو جلدوں میں ادارۃ القرآن سے چھپ چکی ہے ساتویں منزل مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ نے تحریر فرمائی تھی جو ایک جلد میں ادارۃ القرآن سے چھپ چکی ہے۔ مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب کی ایک منزل جو مکمل رہ گئی تھی اسکو ﴿﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَاْوِيلُهُ كَذَّبَ
الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ ☆

(سورۃ یونس رکوع ۸)

”بلکہ کافروں نے ایسی کتاب کی تکذیب کی ہے جس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکے اور اب تک ان کے پاس اس کی وضاحت نہیں آئی تھی۔ ایسے ہی پہلے لوگوں نے تکذیب کی ہے تو آپ دیکھ لیجئے ان ظالموں کا انجام کیسا تھا؟“

اس آیت کا اصل مضمون کافروں کا قرآن مجید کی تکذیب کرنا اور ان کو ظالم قرار دے کر ان کے بدترین انجام کو دکھانا ہے لیکن جس عجیب عنوان سے تعبیر فرمایا گیا ہے کہ کذبوا بالقرآن (قرآن کی تکذیب کی ہے) کے بجائے کذابوا بما لم یحیطوا بعلمہ ولما یاتہم تاولہ فرمایا ہے کہ اس کے علم کا احاطہ اور وضاحت آنے سے پہلے تکذیب کی ہے اس سے بہت سے مسئلے معلوم ہو رہے ہیں۔

﴿﴾ آپ کے خلیفہ حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور صاحب ترمذی نے مکمل کیا ہے جو تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ وہ بھی ادارہ اشرف التحقیق میں زیر طبع ہے۔ اور مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی کی تحریر کردہ ساتویں منزل کے اختصار کے پیش نظر مفتی عبدالشکور صاحب نے ایک عجلہ بھی لکھا ہے جو ایک جلد پر مشتمل ہے زیر طبع ہے۔ احقر ظلیل احمد تھانوی ان تمام مجلدات کی ایک فہرست ابواب فقہیہ کی ترتیب پر مرتب کر رہا ہے اس کی بھی ایک جلد ہوگی۔ اس طرح تقریباً ۱۶ جلدوں پر مشتمل یہ عظیم الشان تفسیر احکام القرآن ہے جو عربی میں ہے جس میں سے ایک آیت کا انتخاب کر کے حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی نے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے جو پیش ہے جس سے اس تفسیر کی اہمیت و افادیت واضح ہے۔ ظلیل احمد تھانوی (۳) ۱۹۸۷ء میں شیخ الحدیث مولانا مشرف علی تھانوی مدظلہ کی درخواست پر حضرت نے بعد از صحت یابی اس کو دوبارہ شروع کیا اور ادارہ اشرف التحقیق میں ہی مکمل کیا اس کام کا مکمل تنارف احقر کے رسالے تکمیل احکام القرآن میں دیکھا جاسکتا ہے۔

مسئلہ (۱)

بلا تحقیق کسی کے بارے میں رائے قائم کرنا

معلوم ہوا کہ کسی شے یا کسی انسان کے متعلق اس سے پہلے کوئی بری رائے قائم کر لینا جائز نہیں کہ اس کی ہر ہر صفت و کیفیت کا پورا پورا علم حاصل ہو اور اس کی وضاحت حاصل ہو سکے۔

صحابہؓ کے بارے میں لب کشائی ظلم ہے

حضرات صحابہ تابعین تبع تابعین بزرگان ملت اور علمائے امت میں سے کسی کے باب میں آج کا کوئی شخص جو انکی پوری پوری ظاہری و باطنی کیفیات سے واقفیت نہیں رکھتا لب کشائی (۱) کرتا ہے تو وہ ظالم ہے، اور اس کا فرائض طریقہ کی پیروی کرتا ہے۔

ائمہ کے اجتہاد پر آج کل کی ایک عامی کی نکتہ چینی باطل ہے

مجتہدین امت، ائمہ دین و ملت کے استنباطات و مسائل اور ان کی ذاتیات و صفات پر موجودہ عصر (۲) کے لوگوں کی نکتہ چینی جو تمام دینیات تمام آیات و احادیث ان کے لفظ اشارات و کنایات ظاہر و باطن طریقہ ہائے استدلال و استنباط کو ایک دم نظر میں نہیں لا سکتے اور ان کے طریق اخذ (۳) سے واقفیت نہیں رکھتے بالکل غلط اور باطل طریقہ کار ہے۔

محققین صوفیا پر طعن کرنا درست نہیں

حضرات صوفیائے کرام پر طعن و تشنیع ایسے لوگوں کی طرف سے جو عشق کی وادی پر خار سے آشنا (۴) نہیں ایک قابل ملامت شے ہے۔

(۱) کوئی نازیبا کلمہ زبان سے نکالتا ہے (۲) اس زمانہ کے (۳) ان کو یہ بات معلوم نہیں کہ فقہاء نے اس مسئلہ کو آیت یا حدیث سے کیسے مستنبط کیا ہے (۴) عشق کی پرخطر وادی سے واقف نہیں۔

اے تراخارے بیانشکستہ کسے دانی کہ چہست

حال شیرانے کہ شمشیر بلا برسر خورد

خصوصاً مجذوب بزرگوں کے متعلق قیاس آرائیاں کرنا نہایت بیہودہ روش (۱) ہے ان کی ظاہری دیوانگی پر فقرے کسنا اور توہین کرنا خطرہ سے خالی نہیں ہے جامع صغیر (۲) میں حضرت علیؑ سے یہ حدیث روایت ہے کہ میری امت کے عارفین محدثین کو چھوڑ دو، نہ ان کو جنت میں پہنچاؤ نہ دوزخ (۳) میں، یہاں تک کہ قیامت کے دن خود اللہ تعالیٰ ان کے بارہ میں فیصلہ فرمادیں۔

بہتان و غیبت کی برائی

بلکہ کسی ایک مسلمان کے باب میں بھی مکمل تحقیق کے بغیر اور بلا شرعی اجازت کے غیبت بہتان (۴) الزام تراشی و بدگمانی وغیرہ علاوہ اور دلیلوں کے اس آیت کے اشارہ سے ناجائز ثابت ہیں کیونکہ مدار تو دل کی کیفیات پر ہے اور اس کا علم سوائے حق تعالیٰ کے کسی کو نہیں اس لئے پورا حال معلوم نہیں ہو سکتا۔ حدیث: مسلمانوں سے نیک گمان رکھا کرو“ اس کی وضاحت ہے گویا

ہر بیشہ گمان میر کہ خالی است

شاید کہ پلنگ زخمی باشد

حقیقت تنقید

تنقید تنسید جو آج کل لوگوں کی زبان پر ہے اس کے اصلی معنی تو عہدگی و خرابی کی

(۱) بہت غلط طریقہ ہے (۲) کتاب کا نام (۳) مطلب یہ ہے کہ ان کے جنتی اور دوزخی ہونے کے بارے میں تم کوئی فتویٰ نہ دو (۴) غیبت کسی کی ایسی برائی کا ذکر کرنا جو اس میں موجود ہو اور بہتان کسی کی طرف ایسی بات منسوب کرنا جو اس میں نہ ہو۔

پرکھ کرنے کے تھے جو دین کے بقا و استحکام وغیرہ کیلئے تو بضرورت جائز ہو سکتی ہے ویسے نہیں لیکن ہماری آجکل کی زبان میں یہ لفظ صرف عیب چینی (۱) اور غیبت کے ہم معنی ہو گیا ہے۔ آیت ولا تحسبوا ولا یفتب بعضکم بعضا سے وہ بالکل حرام اور اس آیت سے بھی حرام ثابت ہے۔ تجسس تو اصلی معنی کو بھی شامل ہے۔

قاعدہ کلیہ

بلکہ یہ ایک قاعدہ کلیہ عطا فرمایا گیا ہے جو دینی و دنیوی، علمی و عملی، معاشرت و تمدن، انتظام و سیاست، تمام شعبہ ہائے حیات میں مشعل راہ ہے کہ کسی انسان، کسی جماعت، کسی ادارہ، کسی قوم، کسی کتاب، کسی مال، کسی مخالف یا موافق غرض کسی شعبہ کی کوئی چیز ہو اس کے متعلق قبل مکمل تحقیقات کے بری رائے قائم کرنا درست نہیں۔

کس کی رائے معتبر ہے؟

کسی انسان کسی شے یا کسی معاملہ کے متعلق رائے اس کی معتبر ہوگی جس کو اس کی تحقیقات اس پایہ کی حاصل ہوں کہ اس کے تمام متعلقات کا علمی احاطہ ہو اور ہر جہت کی مکمل وضاحت حاصل ہو ورنہ نہیں خواہ وہ کتنا ہی قابل اور بیدار مغز کیوں نہ ہو۔ یورپ کے ایجنٹوں کی تحریف کو دین سمجھنا گمراہی ہوگا۔

مسئلہ (۲)

اسباب کفر

”کذبوا“ تکذیب سے ہے اور تکذیب (جھوٹ) کی طرف نسبت دینے کے

(۱) عیب نکالنے

معنی میں ہے۔ اور پھر اس کے بہت درجے ہیں ادنیٰ درجہ یہ بھی ہے کہ یقیناً کامل نہ رکھا جائے قابل قبول نہ سمجھا جائے۔ اس حکم میں سب درجے داخل ہونے ضروری ہیں پھر تکذیب کی جو مذمت ہے اس کی وہ وجہ جو ناواقف معنی بھی سمجھ لیتا ہے کہ کذب کا برا ہونا ہے اسی کو دلالت النص کہتے ہیں اس لئے ہر برائی کی بھی یہی مذمت ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن مجید کی یا اس کے احکام میں سے کسی حکم یا کسی لفظ کی تکذیب خواہ جس درجہ کی بھی ہو حتیٰ کہ عدم یقین و عدم قبول شک و شبہ بھی اور ایسے ہی ہر طرح کی بری بات کو اس کی طرف منسوب کرنا مذاق اڑانا توہین کرنا لوگوں کی نظر میں ہلکا کرنا بے ادبی و گستاخی کرنا کفر ہوں گے۔ جو ظالمین کے لفظ ”ظلم“ کا اعلیٰ درجہ ہے اسی لئے فقہائے کرام نے ان سب باتوں کو اسباب کفر میں گنا ہے۔

مسئلہ (۳)

صفات الہی، انبیاء علیہم السلام، اور احادیث متواترہ کی تکذیب و توہین کفر ہے

مسالم بحیطوا کے لفظ سے تو قرآن مجید مراد ہے مگر قرآن مجید کی تکذیب و توہین وغیرہ ظلم و کفر اور بد انجامی ہونے کی وہ علت جس کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے اس کا حق تعالیٰ سے قوی ترین تعلق رکھنا ہے اس لئے دلالت النص (۱) کے طریقہ پر وہ چیز یا انسان جس کا قوی ترین تعلق بدرجہ یقین حق تعالیٰ کے ساتھ ثابت ہوگا۔ قرآن شریف کی طرح اس کی بھی تکذیب کے کل مدارج (۲) اور ہنسی، مذاق، توہین، بے ادبی و گستاخی کفر ہوں گے۔

وہ صفات الہیہ ہوں یا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام یا احادیث متواترہ ہوں جن کو

(۱) یعنی آیت کے الفاظ ان معنی پر دلالت کرتے ہیں (۲) تمام درجے۔

ومن يطلع الرسول فقد اطاع الله نے بواسطہ الفاظ رسول ﷺ کلام الہی میں داخل کر دیا ہے یا کل احادیث جن میں یہ بھی داخل ہے فقہائے کرام کے یہاں ان سب باتوں کا کفر ہونا طے گا۔

مسئلہ (۴) (۵)

ترجمہ قرآن کیلئے علوم متعارفہ کی ضرورت

یہاں قرآن شریف کو دو جملوں سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

الف: ما لم يحيطوا بعلمه ایسی کتاب کی (۱) جس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کے علم کا احاطہ کرنا (۲) امر ضروری ہے۔

احاطہ علم کے معنی

یہ بھی ضروری بات ہے کہ علم اور چیز ہے اور علم کا احاطہ اور چیز۔ علم کا تعلق لفظوں سے بھی ہے اور لفظوں کے معنی سے بھی احاطہ جو چاروں طرف سے کسی چیز کو گھیر لینے اور اس کو بالکل قابو میں لینے کے معنی دیتا ہے اس سے لفظوں پر اور معنی پر پورا پورا قابو پالینا مراد ہونا ضروری ہے۔

علم الصرف اور علم لغت کی ضرورت

لفظوں کے تین درجے ہیں مفرد لفظوں کی صورت وہیات حرکاتی جس کی تبدیلی سے معنی میں تبدیلی ہوتی چلی جاتی ہے۔ سمع (۳) سامع (۴) سمیع (۵) مسموع (۶) یسمع (۷) سمعنا (۸) کے تغیرات سے الگ الگ معنی پیدا ہوتے ہیں

(۱) تکذیب کرتے ہیں ایسی کتاب کی (۲) قرآن پاک کے تمام علوم کا جاننا ایک ضروری بات ہے (۳) اس نے سنا (۴) سننے والا (۵) بیٹھ سننے والا (۶) سنی ہوئی بات (۷) وہ سنتا ہے (۸) ہم نے سنا۔ حرکات اور صیغوں کے بدل جانے سے معنی میں تبدیلی ہوئی۔

اسی کو علم صرف کہہ دیتے ہیں۔ لہذا الفاظ مفردات کی ان صورتوں کے احاطہ کیلئے علم صرف کی مہارت ایک ضروری کام ہوگا۔

پھر مفرد لفظوں کی ذات یا مادہ کہ صورت ایک مگر حروف و ترتیب کی تبدیلی سے معنی میں فرق ہوتا ہے ضرب نصر فتح ایک ہیات حرکاتی (۱) پر ہیں مگر معنی الگ الگ اسی کو علم لغت کہا جاتا ہے۔ تو مفردات کے مادوں کے احاطہ کیلئے لغت کی مہارت لازمی چیز ہے۔

علم نحو کی ضرورت

اور مرکبات میں ایک لفظ کا دوسرے سے کیسا کیسا تعلق کیسے کیسے معنی پیدا کر دیتا ہے لفظوں کے آخری حرفوں میں کیسے کیسے تغیرات کیسے کیسے معانی کا سبب ہوتے ہیں اس کو علم نحو سے یاد کیا جاتا ہے مرکبات کے تعلق کے احاطے کیلئے اس علم کے بغیر چارہ کار ہی نہیں۔

علم معانی کی ضرورت

لفظوں کے معانی کا حصول ان سب فنون سے ہی ہے اور پھر ایک لفظ کے متعدد معنی اور ان کے مراتب اور ایک معنی و مضمون کی ادائیگی کے لئے متفرق تغیرات اور ان سب کے فرق کا احاطہ کرنے کیلئے علم معانی و بلاغت کی تحصیل لازمی (۲) ہے۔

علم تجوید کی ضرورت

پھر الفاظ کے حروف کی صحیح ادائیگی جس سے حرف حرف سے بدل کر معنی نہ بدل

(۱) مطلب یہ ہے کہ تینوں صیغوں کی حرکتیں ایک ہیں یعنی ف کلمہ میں کلمہ اور لام کلمہ تینوں حرفوں پر ذر ہے۔
(۲) ضروری ہے۔

دے یعنی علم تجوید بھی اہم ہوتا ہے۔

مفہوم قرآن کی وضاحت کی صورتیں

”ولما یاتھم تاویلہ“ اور اس کتاب کی کہ اب تک ان کے پاس اس کی وضاحت نہ آئی تھی۔ تاویل اول یعنی رجوع کا متعدی (۱) ہے، صحیح مفہوم کی طرف لفظوں اور معنی کو رجوع کرانا ہے، مگر ترتیب (۲) میں اول احاطہ علمی ہے اس لئے پہلے وضاحت کی فکر غیر مفید بلکہ مضر ہوگی۔ اب اس مفہوم کی وضاحت کا آنا دو طرح ہوگا، نقلی و عقلی۔

علم حدیث و تفسیر و اصول فقہ کی ضرورت

نقلی وضاحت وہ ہوگی جو خود قرآن مجید کی دوسری آیت یا حضور ﷺ سے منقول ہوگی۔ خواہ حضرات صحابہ حضور کی طرف منسوب کرنے کی نقل کریں یا منسوب نہ کریں کیونکہ منسوب نہ کرنے میں بھی حضور ﷺ سے ہی سنا ہوا ماننا (۳) ہوگا۔ کہ تعلیم وہیں سے حاصل ہوئی ہے حضور ﷺ کی صفت و یعلمہم الکتاب فرمائی گئی ہے۔ (اور ان کو اللہ کی کتاب سکھاتے ہیں) ولتبینہ للناس (تاکہ آپ قرآن شریف کو لوگوں کیلئے بیان کر دیں) فرمایا گیا ہے۔

(۱) قرآن حکیم میں جو لفظ تاویلہ استعمال کیا گیا ہے یہ فعل اول کا متعدی ہے جس کا مطلب ہے کہ الفاظ کے صحیح معنی و تلفظ کا سمجھنا، اول فعل کا مطلب ہے اس علم کی طرف رجوع کرنا اور تاویل کا مطلب ہے کہ دوسرے کو اس کے الفاظ اور معانی کی طرف رجوع کرانا۔ (۲) لیکن قرآن پاک میں ولما یاتھم تاویلہ سے پہلے ”کذبوا بما لم یحیطوا بعلمہ“ کے الفاظ ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن پاک کے الفاظ کے معانی ان لوگوں کے معتبر ہوں گے جن کو احاطہ علمی حاصل ہوگا۔ وہ تو دوسرے کو اس کے الفاظ و معانی کی طرف رجوع کرا سکتے ہیں دوسرا نہیں اس لئے بغیر احاطہ علمی کے قرآن پاک کے معانی بیان کرنا بجائے مفید ہونے کے نقصان دہ ہوں گے۔ اور ان معانی کی وضاحت کس طرح ہوگی اس کو آگے بیان کرتے ہیں۔ (۳) قرآن کے وہ معنی معتبر ہوں گے جو خود قرآن کی کسی دوسری آیت میں آئے ہوں یا حضور ﷺ یا صحابہ نے بیان کیے ہوں کیونکہ وہی معنی منقول ہوں گے۔

عقلی وہ ہے جو اصول عربیت علم مذکورہ (الف) (۱) کی مدد اور علوم اخذ احکام کی مدد سے حاصل کئے جائیں اور وہ کسی نقل یا اصول کی خلاف نہ ہوں۔ نقلیات کیلئے علم تفسیر و حدیث اور عقلیات کیلئے علم اصول فقہ ناگزیر علوم ہیں۔

قرآن فہمی کے لئے آیت سے مندرجہ ذیل علوم کی ضرورت کا اثبات پھر مسائل ماخوذہ کے مجموعہ کو کلام و فقہ و تصوف کہا جاتا ہے لہذا (الف) اور (ب) کے مجموعہ سے یہ ضروری ماننا پڑے گا کہ بغیر احاطہ علمی و علم وضاحت صرف ترجمہ دیکھ کر یہ سمجھ لینا کہ ہم کو قرآن شریف کا علم حاصل ہو گیا ہے سخت ترین غلط فہمی ہے۔ آیت کریمہ سے صاف معلوم ہو گیا ہے کہ علم صرف و نحو و لغت و بلاغت و تفسیر و حدیث اور اصول فقہ کی مہارت نامہ اللہ کی کتاب کے حاصل کرنے لئے ایسی ضروری ہے کہ بغیر اس کے صحیح معنی و مفہوم حاصل نہ ہوگا۔

۱۰ اور جو جو فنون ان مہارتوں کے پیدا کرنے میں مددگار ہوں گے وہ بھی ضروری ثابت ہیں مثلاً اصول حدیث، اسماء رجال وغیرہ۔

علم کلام، علم فقہ اور علم تصوف کا قرآن سے ثبوت

اور اسلاف امت نے جو ان تمام کی مہارت سے کتاب الہی کو سمجھ کر عقائد کو علم کلام۔ عبادات و معاملات کو علم فقہ۔ اور اخلاق و معاشرت وغیرہ کو علم تصوف کے نام سے مدون کیا ہے وہ اس آیت شریفہ کی تعمیل ہے۔

مسئلہ (۶)

مذکورہ بالا علوم کی مہارت کے بغیر ترجمہ و تشریح کرنا سبب گمراہی ہے
 بلاغت کا اور ہر زبان میں استعمال ہونے والا قاعدہ ہے کہ اسم موصول اور صلہ پر
 جو حکم لگایا جاتا ہے صلہ اس حکم کا سبب ہوتا ہے۔ اگر آپ کہیں گے کہ میں نے آج ان لوگوں
 کو انعام دیا ہے جو امتحان میں کامیاب ہو گئے تھے تو انعام دینے کا سبب امتحان کی کامیابی
 ہوگی۔

اگر کوئی کہے کہ میں اس کو ملانے لایا ہوں جو آپ کا بڑا مشتاق ہے تو لانے کا سبب
 اس کا مشتاق ہونا ہوگا۔

یہاں قرآن کی تکذیب کے ظلم اور بد انجامی ہونے کا بیان 'ما اسم موصول اور دو
 صلوں سے ہوا ہے' احاطہ علم اور عدم علم وضاحت سے۔ لہذا یہی دو باتیں اس تکذیب و ظلم
 اور بد انجامی کا سبب قرار پاتی ہیں۔

جس سے یہ معلوم ہوا کہ قرآن شریف کے علم کا احاطہ نہ ہونا اور اس کی وضاحت
 حاصل شدہ نہ ہونا یعنی ان تمام علوم میں ماہر نہ ہونا تکذیب، گمراہی، کفر، توہین اور بے ادبی و
 گستاخی کا سبب بن جاتا ہے۔ تو جو شخص ان علوم میں ماہر نہ ہوگا اس کو ان علوم کے ماہروں کی
 پیروی میں نجات ہے ورنہ وہ مذکورہ خرابی میں سب میں یا کسی ایک میں مبتلا ہو جائے گا۔ اب
 اس سے صاف طریقہ پر یہ مسائل ثابت ہوئے۔

علوم متعارفہ حاصل کئے بغیر درس قرآن کا نقصان

مذکورہ خرابیاں بڑے بڑے گناہ ہیں تو ان کا سبب بھی بڑا گناہ ہوگا۔ لہذا ایسی
 صورت جرم اور گناہ ہوگی کہ بے علم و بے مہارت علوم میں صرف ترجمہ قرآن مجید دیکھ دیکھ کر

بغیر پیروی ماہران علوم خود کوئی رائے قائم کی جائے۔ لہذا آج جو ہمارے ہاں درس قرآن کا رواج پڑا ہوا ہے چونکہ بہت سے لوگ اس سے رائے قائم کر نیکا کام لے رہے ہیں یہ درس ان کیلئے جائز نہ ہوگا۔

اور جس شخص کے دل میں اسلاف امت کی عظمت نہ ہوگی اعتماد نہ ہوگا تو جب کسی آیت کو دوسری آیت کے مخالف سمجھے گا اور وضاحت و علوم سے کورا ہوگا اس کو تو خود کلام الہی ہونے میں شبہ پڑنے لگے گا اور کلام خدا میں شک ہونے سے ایمان رخصت ہو جائیگا۔ یا کسی آیت کے مضمون کو امت کے عمل یا عقیدہ کیخلاف سمجھے گا اور اس کو تاسخ و منسوخ، مقدم و مؤخر اور صحیح مفہوم و وضاحت معلوم نہ ہوگی تو گمراہیوں میں پھنس کر رہ جائے گا۔

ہاں جس کو احاطہ علمی و کمال وضاحت حاصل ہے اس کو دو آئندہ شراب یقین حاصل ہوگی ورنہ صرف اسلاف امت پر اعتماد سے بھی گمراہی و کفر سے تو محفوظ رہ جائے گا۔

غیر عالم کے درس قرآن کا حکم

جو شخص علوم مذکورہ کا ماہر نہیں ہے یا اس کی دینی و دنیائی اور عملی حالت قابل اعتماد نہیں ہے کہ ہر بات کو دیانتداری سے اس مہارت کے تحت ہی بیان کر لے اس کو درس قرآن دینا جائز نہیں نہ اس سے قرآن حاصل کرنا جائز ہے یہ بجائے ثواب کے گناہ و گمراہی کا سبب اور بسا اوقات اسلام سے نکل جانے کی نوبت لائے گا۔

غیر عالم کی تفسیر قرآن کا حکم

اسی طرح جو شخص ان تمام علوم کا ماہر نہیں اس کو قرآن مجید کے مسائل پر قلم اٹھانا یا کوئی تفسیر لکھنا جائز نہیں اور نہ ایسی تفسیر کو دیکھنا پڑھنا چھاپنا شائع کرنا اور فروخت کرنا یا خریدنا جائز۔ آج جو یہ ہو رہا ہے کہ

ہر بوالہوس نے عشق پرستی شعار کی

اب آبروئے شیوہ اہل نظر گئی

جس کو دیکھو اپنا وقار قائم کرنے کیلئے دنیا کو گمراہی اور دھوکہ میں ڈالتے ہوئے
یورپی نظریات کو قرآنی احکامات ثابت کر کر کے ایک نہایت خطرناک تحریف کر رہا ہے اور
نام رکھ رہا ہے تفسیر قرآن و احکام قرآنی۔

اور مسلمان ہے کہ شستہ عبارتیں لچھے دار ترکیبیں اور دل آویز جملے دیکھ کر اس
شکر چڑھے ہوئے زہر کو اطمینان سے نوش کر رہے ہیں اور اپنے نور ایمان کو موت کے گھاٹ
اتار رہے ہیں یہ سخت ترین غلطی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کھلا معیار دیدیا ہے اس معیار پر
پرکھ لیجئے کہ اس کو فہم قرآن کے جملہ علوم کا احاطہ علمی اور عقلی وضاحت کا کمال حاصل ہے
یا نہیں۔

اگر لکھنے والا ایسا نہیں (۱) ہے تو اس کی حالت اس کے لئے اور اس کی تالیف
دیکھنے والوں کیلئے انتہائی خطرناک شے ثابت ہوگی۔ انتہائی گمراہی کا سبب ہوگی اور ایسا نہ
ہو کہ آخر کار ایمان و اسلام کے استعفا (۲) کے مترادف بن جائے (العیاذ باللہ)

آیت سے درس نظامی کے حصول کا ثبوت

جب عدم احاطہ علم و عدم علم وضاحت تکذیب و کفر کا سبب ہے تو احاطہ علم و علم
وضاحت قوت ایمان و یقین کا مل کا سبب ہوا جس کو اصطلاحی لفظوں میں عکس نقیض (۳) کا
لازم ہونا کہتے ہیں۔ قوت ایمان و یقین کا حاصل کرنا فرض کفایہ اور بڑا کمال ہے تو علوم

(۱) جن کا ماہر ہونا قرآن کا ترجمہ و تفسیر کرنے کیلئے ضروری ہے کہ ان علوم کا ماہر ہو (۲) یعنی کوئی ایسی غلط تشریح کر
بیٹھے جس سے ایمان ہی جاتا رہے (۳) جب علم کا احاطہ نہ ہونا اور علمی وضاحت کا نہ ہونا کفر و تکذیب کا سبب ہے
تو علم کا احاطہ اور پوری علمی وضاحت کا ہونا تصدیق و ایمان ہوگا اسی کو عکس نقیض کہتے ہیں۔

مذکورہ بالا حاصل کرنا بھی فرض کفایہ و عمدہ کمال ثابت ہوا یہی علوم درس نظامی کا جزو اعظم اور تمام مدارس دینیہ کا منجانب نظر ہیں۔

آیت کی تشریح

قرآن مجید کے متعلق عدم احاطہ علم و عدم وضاحت کے عنوانات میں دو فرق فرمائے گئے ہیں اول میں لم یحیطوا (اور احاطہ نہیں کر سکے) ”نہیں“ کا لفظ ہے اور کر سکا انسانوں کا فعل ہے دوسرے میں لما یاتہم (اب تک ان کے پاس اسکی وضاحت نہیں آئی) ”اب تک نہیں“ کا لفظ ہے اور آنا خود وضاحت کا فعل ہے۔

ان دونوں تفاوتوں میں دو باتیں جھلک رہی ہیں ایک یہ کہ ”نہیں“ اور ”اب تک نہیں“ میں یہ فرق ہے کہ جس کام کی امید لگی ہو اس کے ہو جانے کی توقع ہو رہی ہو وہ نہ ہوا ہو تو اس کیلئے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے کہ ”اب تک نہیں“ ہے اور صرف ”نہیں“ لفظ میں یہ بات نہیں ہوتی۔

تو معلوم ہوا کہ احاطہ علمی سے علم و وضاحت کا ایسا تعلق نہیں کہ وجود سے اس کی توقع وابستہ ہو لیکن احاطہ علمی سے علم وضاحت کا ایسا تعلق ہے کہ اس کے ہونے پر وضاحت کے علم کی توقع ہوتی ہے اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ احاطہ علم ہی وضاحت کے علم کا سبب ہے خواہ وہ علم نقلی ہو یا عقلی اس لئے جب تک احاطہ علم نہ ہوگا وضاحت نقلی و عقلی کا علم حاصل نہ ہوگا۔ اور پھر گمراہی و کفر تک نوبت پہنچنے کا خطرہ لاحق ہوگا۔ اس طرح لفظ لما سے بھی مسئلہ ۶ کے (الف) (۱) (ب) (۲) پھر ثابت ہوتے ہیں۔

ایک بات یہ بھی غور کرنی چاہیے کہ ایک شے سے کسی دوسری شے کی توقع ہونے پر وہ دوسری شے ضروری الوجود نہیں ہو جاتی اس لئے باوجود علمی احاطہ کے بھی وضاحت نقلی و

(۱) علوم شرعیہ حاصل کیے بغیر درس قرآن دینا ناجائز ہوتا (۲) غیر عالم کے درس قرآن کا حکم۔

عقلی کا حصول ضروری نہ ہوگا۔ جب تک خود اس کے لئے علوم و طرق تحصیل اور استنباط مسائل کی مہارت نہ ہوگی اس لئے اصول فقہ و تفسیر و تعبیر کے بغیر پھر بھی خطرات کا سامنا ہوگا۔

دوسری بات یہ کہ لم یحیطوا (احاطہ نہ کر سکے) میں احاطہ کر سکتا انسانی فعل کے فرمانے سے معلوم ہوا کہ یہ کام مشقت طلب ہے کوشش بلوغ سے حاصل ہو سکتا ہے اور لما یاتھم (اب تک ان کے پاس اس کی وضاحت نہیں آئی) میں آنا خود وضاحت کا فعل ہے۔ گو وضاحت عقلی و عقلی دونوں کو کوشش و مشقت سے حاصل کرنا ہوگا مگر اس کے خود آنے میں اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ احاطہ علمی کے بعد ان کا حصول اس قدر آسان ہوگا کہ گویا وہ خود بخود ذہنوں میں آتی چلی جاتی ہے اور جیسے انسان کی کوشش کے علوم میں غلطیاں ہوتی رہتی ہیں۔ ان میں گویا بلا کوشش آنے کی وجہ سے غلطی کا احتمال کم ہے اب خود سوچ لیجئے کہ احاطہ علمی یعنی مسئلہ (۴) کے علوم سے کیا فوائد ہیں اور ان کے بغیر کس قدر گمراہی و کفر کے خطرات ہیں۔

مسئلہ (۷)

غیر منقول تفسیر کے جواز کے شرائط

ناویلہ ”اول“ بمعنی رجوع سے بنا ہوا متعدی مصدر ہے ضمیر مآ کی طرف ہے جس سے کتاب یعنی قرآن شریف مراد ہے۔ کتاب نام ہے لفظوں کا اور ان معنی کا جن کو لفظ ادا کرتے ہیں تو ان لفظوں اور معنی کو مراد انھی کے معنی کی طرف رجوع کرانا تاویل ہے۔

جس لفظ یا جس جملے میں ایک ہی معنی کا احتمال ہو وہاں تو رجوع کرانا پایا ہی نہ جائے گا جہاں چند معانی و مفہومات بن سکتے ہوں گے ان کو مراد الہی کی طرف رجوع کرانا تاویل ہے۔

گوارد زبان کے حامی لوگوں نے تاویل لفظ کو برے معنی میں استعمال کر رکھا ہے وہ نادانگی پر مبنی ہے اور قرآن مجید کی تاویل کے معنی میں ان کا تصور بھی حرام ہے۔ اب مراد الہی کی طرف رجوع کرانے کی دو صورتیں ہوں گی۔ حضور ﷺ اور حضور کے قرآنی شاگردوں سے منقول کی طرف رجوع کرانا یا اپنی عقل سلیم سے تجویز کی ہوئی مراد الہی کی طرف رجوع کرانا جو مسئلہ (۶) میں سہل الحصول ثابت ہو چکا ہے کہ غیر منقول تفسیر بھی جائز ہے۔

پہلی شرط

گو اس کیلئے یہ شرطیں ضروری ہیں کہ وہ احاطہ علمی کے بعد ہو

دوسری شرط

اور تفسیر منقول کے خلاف نہ ہو۔ احاطہ علمی کے بعد ہونے کی ضرورت تو ترتیب میں احاطہ علمی کے مقدم ہونے اور لفظ لہما کے مفہوم سے ثابت ہو چکا ہے اور منقول یعنی قرآن وحدیث بلا واسطہ یا بواسطہ کے خلاف کا غیر معتبر ہونا ظاہر ہے۔

تیسری شرط

پھر وہ پہلے اور پچھلے الفاظ و مضمون کے خلاف نہ پڑے

چوتھی شرط

خود قرآنی لفظوں کے قرائن (۱) سے اس کی تائید لے کر اسے رائج قرار دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ چاروں شرطیں ضروری ہیں۔

(۱) یعنی الفاظ منقول میں کوئی ایسا قرینہ موجود ہو جو ان معنی پر دلالت بھی کرتا ہو۔

غیر منقول تفسیر کے جواز کے دلائل

روح المعانی میں کتاب المدخل میں ج ۱ صفحہ ۶ پر اس کے جواز کے دلائل اور بھی

پیش کیے ہیں۔

پہلی دلیل

حق تعالیٰ نے فرمایا:

ولو ردوه الی الرسول والی الی الامر منہم لعلمہ الذین

یستنبطونہ منہم

”اگر بات کو رسول اور احکام الہی دونوں طرف رجوع کر دیتے تو ان میں سے جو

حکم کا استنباط کر سکتے ہیں اس کی حقیقت معلوم کر لیتے۔“

معلوم ہوا کہ حکم کا استنباط کرنا قابل مدح ہے۔

دوسری دلیل

اور ارشاد ہے

افلا یتدبرون القرآن ام علی قلوب اقفالہا

”کیا لوگ قرآن مجید میں غور نہیں کرتے یا دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں“

اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ غور فکر نہیں کریں گے گویا ان کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں۔

تیسری دلیل

اور ارشاد ہے!

کتاب انزلناہ الیک مبارک لیدبروا آیاتہ ولیتذکر اولوا

الالباب ☆

”قرآن وہ کتاب ہے جس کو ہم نے آپ پر اس لئے نازل کیا ہے کہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور عقل والے نصیحت حاصل کریں“
غور و فکر کیلئے ہونا اور عقل والوں کی خصوصیت اس کی رہنمائی کرتی ہے۔

چوتھی دلیل

ابونعیم وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن عباس کی حدیث بیان کی ہے۔
القرآن ذلول ذو وجوہ فاحملوه علی احسن وجوہہ
(قرآن شریف نرم ہے کئی کئی احتمال رکھتا ہے تو اس کو بہترین احتمال پر محمول کرو)

پانچویں دلیل

اور حضرت ابن عباسؓ کو حضور ﷺ نے دعا دی ہے اللھم فقھہ فی الدین
وعلمہ التاویل (اے اللہ اس کو دین کی سمجھ عطا فرمائیے اور قرآن شریف کی وضاحت
سکھلائیے)

چھٹی دلیل

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آپ سے سوال کیا گیا، کیا رسول اللہ ﷺ نے
آپ لوگوں کو کوئی خصوصی چیز بتائی ہے؟ فرمایا ہمارے پاس اس کے سوا کچھ بھی نہیں ہے جو
صحیفہ مبارکہ میں ہے یا وہ سمجھ جو انسان اللہ کی کتاب کے باب میں دیا جاتا ہے“
ان آیات واحادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس جگہ منقول تفسیر نہ ملے وہاں غور و
فکر اور عقل سلیم سے کام لینا چاہئے۔

غیر منقول تفسیر کے عدم جواز سے متعلق احادیث

لیکن کئی ایک حدیثوں سے غیر منقول تفسیروں کا ناجائز اور خطرناک ہونا معلوم

ہوتا ہے ترمذی میں حدیث حسن کہہ کر حضرت ابن عباسؓ سے یہ حدیث روایت کی ہے۔
 من قال فی القرآن بغیر علم فلیتوباً مقعدہ من النار وفی رواۃ من قال
 فی القرآن ہرایہ
 جو شخص قرآن شریف میں بغیر علم کے کچھ کہے گا وہ اپنا ٹھکانا دوزخ بنا لے۔ اور
 ایک روایت میں ہے کہ جو قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہے وہ اپنا ٹھکانا دوزخ بنا لے۔
 ابو داؤد میں اور ترمذی میں حسن غریب کہہ کر حضرت جندب بن عبد اللہ سے یہ
 حدیث روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا ہے:

من قال فی کتاب اللہ عز وجل ہرایہ فاصاب فقد اخطا
 ”جس نے اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اپنی رائے سے کچھ کہا اور صحیح بھی کہا تو اس
 نے بھی خطا کی“

حضرت ابو بکر صدیقؓ سے آیت ”وفاکھتہ وایا“ کے متعلق دریافت کیا گیا تو

فرمایا:

”کون آسمان مجھ پر سایہ ڈالے گا اور کون زمین مجھ کو اٹھائے گی جب میں اللہ کی

کتاب میں بغیر علم کے کچھ کہہ دوں گا“

مذکورہ آیات واحادیث میں تطبیق

یہ حدیثیں بظاہر اوپر کی آیات واحادیث کے خلاف معلوم ہوتی ہیں لیکن صحیح غورو

خوض بتاؤ گے گا کہ خلاف نہیں بلکہ آیات کی وضاحت ہیں ان میں وہ مضمون صاف صاف

ہے جس کو آیت کریمہ کے حل میں پیش کیا گیا ہے کہ احاطہ علمی اور منقولات کے بغیر یا ان

کے خلاف کچھ معنی لینے سے خطا اور جہنم ہے اپنی رائے سے کہنا رائے محض سے کہنا ب علمی

سے اور خلاف منقول کہنا ہے جو خطا و جہنم کا سبب ہے۔ امام بیہقی کہتے ہیں کہ رائے وہ ہے جو

بغیر کسی دلیل کے دل پر غالب ہووے جس کو عقلی و نقلی دلائل کی تائید حاصل ہووے جائز ہے۔
(بذل المجہود ج ۳ ص ۳۲۵)

کن آیات میں غیر منقول تفسیر بشرائط معتبر ہے

علامہ ابن جریر طبری نے آیات و احادیث نقل کرنے کے بعد جو حاصل بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے ارشادات سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی ہوئی ہے کہ بعض احکام تو وہ ہیں جن کی وضاحت سوائے رسول اکرم ﷺ کے بیان کے اور کسی صورت حاصل نہیں تمام امر و حکم، واجب ہوں یا مستحب، یا ترغیب، تمام ممانعتیں، خواہ کسی درجہ کی ہوں تمام حقوق، تمام وہ حدود جن سے کمی بیشی حلال نہیں۔ تمام فرائض کی تفکیکات (۱) اور تمام مقدمات جو مخلوقات کے لئے لازم ہیں وغیرہ وغیرہ۔

ان میں بغیر حضور ﷺ کی وضاحت کے کوئی بات کہنا جائز ہی نہیں۔ حضور ﷺ کے صاف اور صریح ارشادات ہوں، یا دلالت النص (۲)۔

اور بعض احکام وہ ہیں کہ ان کی وضاحت سوائے حق تعالیٰ کے اور کوئی بھی نہیں جان سکتا۔ وہ حادثات کے اوقات کی خبریں اور آنے والے واقعات کی اطلاعیں ہیں جیسے قیامت، فتح صور (۳)، نزول عیسیٰ (۴) وغیرہ۔

اور بعض احکام وہ ہیں جن کی وضاحت ہر وہ شخص جان سکتا ہے جس کو اس زبان میں مہارت ہو جس میں قرآن مجید نازل ہوا ہے۔ یہ وہ ہیں جو الفاظ غیر مشترکہ اور صفات خاصہ سے وارد ہیں۔
(تفسیر ابن جریر ج ۱ ص ۳۲۵ تا ۳۲۷)

(۱) فرائض کی تمام شکلیں (۲) آیت قرآنی یا حدیث کے الفاظ اس پر دلالت کرتے ہوں (۳) حضرت اسرافیل کا تصور پھونکنا جس سے یہ دنیا ختم ہو جائے گی اور وہ بارہ پھونکنے سے پھر سب پیدا ہوں گے (۴) حضرت عیسیٰ کا آسمان سے اترنا۔

مسئلہ (۸)

تفسیری نکات

کذلک میں کاف تشبیہ ہے۔ ذالک کا اشارہ کذب واپور سے جملے کے مضمون جملہ تکذیب بما لسم یحیطوا بعلمہ ولما یاتھم تاویلہ پر ہے۔ اس کے سوا اور احتمال ہی نہیں کیونکہ تکذیب شبہ ہے تو مشبہ بہ اس کا ہم جنس ہونا ضروری ہے اس لئے معنی یہ ہوئے کہ ”جس طرح یہ لوگ احاطہ علمی اور وضاحت سے پہلے تکذیب کرتے ہیں۔“ اسی طرح قبل علم وضاحت ان کے پہلے کے لوگوں نے تکذیب کی ہے۔

پھر بجائے من قبل کے قبلہم اشارہ کرتا ہے کہ ان کو ان سے اور ان کو ان سے مناسبت ہونے کی وجہ سے وہ ان سے پہلے کے لوگ کہلائیں گے، گو سب موجودین عصر (۱) سے پہلے کے ہیں، پھر کوئی خصوصیت ایک دو کی نہیں ان کے پہلے کے ہم شرب لوگ فائنظر کی و جو اپنے پہلے کو پچھلے کا سبب بنا دیتی ہے بتاتی ہے کہ ہاں اگلے پچھلے لوگوں کے ہم تکذیب ہونے کے سبب آپ دیکھئے کیسا انجام ہے ان کا۔

عاقبة برعقب میں آنے والی چیز ہوتی ہے دنیا کی ہو یا آخرت کی اور بجائے عاقبتہم (ان کا انجام) کے عاقبة الظالمین (ظلم والوں کا انجام) فرما کر ان کا ظالم ہونا ظاہر فرمایا ہے اور کیف استفہام کیفیات سے اس انجام کے ہولناک ہونے کو مبہم کر کے اشارہ فرمایا ہے کہ ایسا ہولناک انجام ہے کہ اس کی حقیقت تک ذہنوں کی رسائی نہیں ہو سکتی اس طرح اب یہاں چند امور حاصل ہوئے۔

(۱) اس زمانے کے موجود افراد سے پہلے کے ہیں۔

کافر ایک ملت ہیں

یہ لوگ اور پہلے کے ان سے مناسبت رکھنے والے تکذیب و کفر میں ایک دوسرے جیسے ہیں جس کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے کہ الکفر ملة واحدة (کفر ایک مذہب ہے) یعنی غیر مسلم سب ایک اور اسلام و مسلم کے دشمن ہیں۔

حضور ﷺ کے لئے قیاس کی اجازت

ان سب کے ایک دوسرے کی طرح تکذیب وغیرہ کرنے کی وجہ سے آپ پہلوں کے انجام کو دیکھتے یعنی جب دونوں صفت تکذیب میں شریک ہیں تو ان کے انجام کو دیکھ کر ان کیلئے بھی وہی انجام ثابت مانئے اسی کو شرعی قیاس کہتے ہیں۔ کہ ملت کے مشترک ہونے پر حکم کو مشترک ثابت کیا جائے تو حضور ﷺ کو قیاس کا حکم ہے امت میں جو لوگ نبی ﷺ کیلئے قیاس واجتہاد کو جائز نہیں قرار دیتے اس آیت سے بھی ان کا رد ہوتا ہے۔

ظلم کی تعریف

ظلم کسی شے کو بے جگہ رکھنے کا نام ہے جس کے بہت درجے ہیں۔ جو برتاؤ خدا تعالیٰ کیساتھ چاہئے غیر کے ساتھ کرنا، جو غیر کے ساتھ چاہئے تھا خدا تعالیٰ کیساتھ کرنا ظلم کا اعلیٰ ترین فرد ہے۔

ان الشرك لظلم عظیم

آیت اس کی دلیل ہے اس لئے ظالم کافر کے معنی میں بھی ہوتا ہے کیونکہ سب سے بڑا ظالم وہی ہے۔ اور یہاں ہولناک انجام کیساتھ ہونے سے یہی مراد ہونا ضروری ہے تو ظالمین سے ان کے کافر ہونے کو بیان فرمایا ہے اب دلیل یوں بن گئی ہے پہلوں کی طرح یہ بھی تکذیب والے ہیں تکذیب والے کافر ہیں اور دنیا و آخرت میں ہولناک انجام

یعنی عذاب والے ہیں اس لئے یہ بھی عذاب والے ہیں۔

فقہ میں مذکور وہ کلمات جن سے کفر لازم آتا ہے کاثبات

اس سے وہ تمام مسئلے نکل آئے جو فقہائے کرام نے کسی مسلمان کے اقوال و

افعال سے کفر لازم آ جانے اور کافر ہو جانے کے بیان میں ذکر کئے ہیں کیونکہ قرآن شریف

بلکہ ایک ایک لفظ بھی یا دلالت النص سے جو جو اس کے حکم میں آ جائیں سب کی تکذیب یا جو

جو بات تکذیب کے حکم میں دلالت النص سے آ جائے سب کفر اور عذاب کا ذریعہ ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

ary.blogspot.com

zoolan-elibrary.blogspot.com

جديد اللطائف

٦٦ فلك القراء ٩٩

ary.blogspot.com

zoolink-elibrary.blogspot.com

تمہید برائے جمیل اللطائف بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

والد محترم حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی قدس سرہ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں جبکہ ضعف بھی بہت زیادہ ہو گیا تھا، ہاتھ میں کچھ ریشہ بھی تھا اور نظر کی کمزوری کی وجہ سے بعض حروف بھی چھوٹ جاتے تھے، قرآنی آیات میں مذکور بعض تفسیری نکات کو جمع کرنا شروع کیا تھا۔ تین مختصر ترین آیات سے عظیم نکات کا استخراج کیا پھر زندگی نے وفانہ کی اور یہ کام درمیان میں ہی رہ گیا۔

اگر یہ کام مکمل ہو جاتا تو قرآن پاک کے نکات پر مبنی ایک عجیب و غریب تفسیر ہوتی۔ احقر نے ان کو مقالات قرآنی کا حصہ بنا دیا ہے تاکہ عوام اس سے محظوظ ہو سکیں۔ جہاں کوئی لفظ چھوٹ گیا تھا یا پڑھا نہیں گیا تو احقر نے قریب ترین معنی کا اعتبار کرتے ہوئے بنا دیا اور اس کو قوس میں کر دیا تاکہ حضرت کی عبارت سمجھ بھی آجائے اور فرق بھی رہے۔ حضرت نے صرف مسائل پر نمبر لگا کر استخراج کیا تھا احقر نے ان پر عنوانات قائم کر دیے ہیں۔

اللہ تعالیٰ احقر کی اس سعی کو قبول فرمائے، حضرت اقدس کیلئے بلندی درجات اور احقر کے لئے بخشش کا باعث بنائے۔ آمین

خلیل احمد تھانوی

جمیل اللطائف

بسم الله الرحمن الرحيم

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے بعض ملفوظات قلم بند کیے تو حضرت نے ان کا نام ”جمیل الکلام“ رکھا پھر خانقاہ امدادیہ اشرفیہ میں جب فتاویٰ کا کام کیا تو ان فتاویٰ کا نام ”جمیل الفتاویٰ“ تجویز فرمایا۔
اسی طریقہ پر اب بعض لطائف قرآنیہ کا نام ”جمیل اللطائف“ تجویز کرتا ہوں۔

فقط

(حضرت مولانا مفتی) جمیل احمد تھانوی (قدس سرہ)

آداب ضیافت

میزبانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد سے نافذ ہوئی ہے۔ قوم لوط کی ہلاکت کیلئے جو فرشتے آئے تھے وہ انسانی صورت میں حضرت ابراہیم کے ہاں پہنچے تو خوب ان کی ضیافت (میزبانی) فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے ان لفظوں میں ذکر فرمایا ہے۔ فما لبث ان جاء بعجل حنید (اور دیر نہ لگائی اس سے کہ لے آئے ایک چھڑا بھنا ہوا) اور ایک جگہ بجائے حنید کے سمین (موٹا تازہ) کا لفظ ہے۔

اب ان لفظوں میں غور کرنا ہے کہ کیا کیا کام مہمان کی میزبانی میں سنت ابراہیمی ہیں۔ یہاں وہ عرض کرتے ہیں۔

مہمان کو زیادہ انتظار نہ کرایا جائے

۱۔ فما لبث (دیر نہ کی) سے معلوم ہوا کہ ادب یہ ہے کہ مہمان کو انتظار میں نہ ڈالیں۔ جلد از جلد اس کی ضیافت کا انتظام ہونا چاہئے کہ نامعلوم وہ کن حالات سے دوچار ہو رہا ہو۔ بسا اوقات کئی وقت کا فاقہ بھی ہوگا۔

مہمان کی خدمت خود کرے

۲۔ انہوں نے دیر نہ لگائی۔ لبث کا فاعل حضرت ابراہیم ہیں جنہوں نے دیر نہ لگائی۔ کوئی اور عزیز یا خادم یا بیوی نہیں۔ خود خود ہی کام کر رہے ہیں انتظام کر رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مہمان کی میزبانی خود کرنی سنت ہے۔ ملازموں، خادموں بیوی وغیرہ پر نہ ڈالی جائے۔ اگر اپنے ہاتھ سے نہ کر سکیں تو خود اس کا انتظام اور نگرانی رکھیں۔

۳۔ جاء بعجل (لے آئے چھڑا) جا، کا فاعل حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں یعنی خود لائے کسی خادم سے نہیں دلوا یا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مہمان کی خدمت خود کرنا افضل ہے۔

سنت ابراہیمی ہے۔

۴۔ جاء آئے ب ساتھ یعنی پھڑے کے ساتھ آئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کھانا خود لے کر آئیں۔ کسی کے ساتھ نہ بھیجیں۔

ماضر پیش کرے

۵۔ عجل پھڑا جو کہ آپ کی گائے بیل کا تھا۔ تو گھر میں موجود پیش کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ نہ دیر لگائیں نہ ادھر ادھر سے منگائیں جو موجود ہو پیش کر دیں۔

مہمان کے لئے کھانا دافر ہونا چاہئے

۶۔ پھڑانہ کہ اس کا کوئی حصہ جو آنے والوں کیلئے کافی سے زائد ہے۔ اس لئے معلوم ہوا کہ مہمان کیلئے اندازہ سے زیادہ پیش کیا جائے۔ تاکہ اس کو اور مانگتے ہوئے شرم نہ آئے۔

کھانے میں درجہ تو وسط کا لحاظ رکھے

۷۔ پھڑالائے نہ بڑھانے نہ بڑھانے نہ پھڑی کہ بوڑھے جانوروں کا گوشت خوب نہیں گلتا۔ کھانے میں اچھا نہیں ہوتا۔ ہضم بھی دیر سے ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ مہمان کیلئے متوسط درجہ کا مال لانا چاہئے اور نر کی جگہ مادہ نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ غذاء طاقت ور مقدم رکھنی چاہئے۔

کھانا غذا سے بھرپور ہونا چاہئے

۸۔ پھڑے کا ذکر ہے۔ روٹی چاول یا پھل کسی چیز کا ذکر نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایسی چیز ہونی چاہئے جو غذا بن کر پیٹ بھرے۔ محض ذائقہ کی نہ ہو۔

گوشت بہترین غذا ہے

۹۔ گوشت سب غذاؤں میں بہترین ہے کہ تمام ہزیوں کا جو ہر نکل کر معدہ میں

خون بنتا ہے اور خون سے گوشت۔ اور ہر جو ہر جس قدر لطیف ہوگا لذیذ ہوگا۔ قوت والا ہوگا۔ بزیوں سے افضل ہوگا۔ اس لئے یہ اختیار کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ سب سے افضل ہے۔

۱۰۔ سب چیزوں سے اس کا انتخاب بتلاتا ہے کہ سب کھانوں کا سردار گوشت ہی ہے۔ جیسے حدیث میں ہے۔ سید الطعام اللحم (سب کھانوں کا سردار گوشت ہے)۔

قرض ادھار کر کے مہمانی کرنا ضروری نہیں

۱۱۔ اپنے پاس جو چیز موجود ہو اس میں سے سب سے بہتر پیش کی۔ اشارہ ہے کہ بازار یا ادھر ادھر سے تلاش سادگی کے خلاف ہے کہ باوجود موجود ہونے کے اس سے بہتر تلاش کریں۔

ذات و صنعت دونوں اعتبار سے کھانا بہتر ہو

۱۲۔ سمین (موٹا) سے معلوم ہوا کہ موجودہ اشیاء میں جو سب سے اعلیٰ ذائقہ ہو، قوت طبعی و بشاشت پیدا کرے اس کو پیش کرے۔

۱۳۔ ایک آیت میں حنیذ (بھنا ہوا) ہے۔ کچا نہیں۔ شور بانہیں۔ بلکہ اعلیٰ قسم کا بھنا ہوا۔ تو اشارہ ہے کہ جیسے قوت عمدگی اور خوش ذائقہ ہونا مقصود تھا۔ صنعت کے اعتبار سے بھی عمدہ ہو کہ شور یا مرغوب و پسندیدہ نہیں ہوتا۔

۱۴۔ موجودات میں عمدہ سے عمدہ جنس ہو صنعت کے اعتبار سے بھی اچھی ہو تقویت کے لئے بہت مناسب ہونا بہتر ہے۔ ہاں ان چیزوں کا اہتمام سادگی کے خلاف ہے جو ان اوصاف سے خالی صرف نمود و نمائش کے لئے ہوں۔

حضرت ابراہیمؑ کے پچھڑا ذبح کرنے کی وجہ

۱۵۔ بعض کافر پچھڑوں کو معبود مانتے تھے جس کا اثر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ظاہر ہوا کہ ”ہذا الہکم والہ موسیٰ“ کے دعویٰ سے بہکایا گیا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں اثر کچھ کچھ تھا۔ حضرت ابراہیمؑ نے اس کو مٹانے کے لئے اس کا انتخاب کیا کہ قتل کرنا، کھال اتارنا، بوٹی بوٹی کرنا، جلانا بھوننا اور کھا ڈالنا باتیں ہو کر اس کے معبود ہونے سے نفرت ہو جائیگی میلان دل بالکل نہ رہے گا۔ جیسے بعض ملکوں میں گائے کی پرستش اسی غلط خیال سے ہو رہی ہے اور مسلمان اس کی قربانی کر کے دلوں کو صحیح راستہ پر لگاتے ہیں۔

سنت کی اقسام

۱۶۔ سنت دو قسم کی ہوتی ہے۔ فعلی اور ترکی۔ جو جو کام کسی نبی نے کئے ہیں وہ تو فعلی سنت ہیں اور جو کام بظاہر پسندیدہ یا مفید معلوم ہوتے تھے اور نبی علیہ السلام نے ان کو ترک کیا ہے ان کی خرابیوں کی وجہ سے تو یہ سنت ترکی ہے۔

حضرت ابراہیمؑ نے کھانے میں اور چیزوں کا اضافہ باوجود رواج کے نہیں کیا تو یہ سنت ترک ہے۔ اس لئے ان کو ترک کرنا سنت ہوگا۔ جسے ہم آج کل فخر کا ذریعہ سمجھ رہے ہیں وہ اسراف و نمائش اور خود ستائی ہے۔

نمائش و نمود کی ایک صورت

۱۷۔ یہ عام رواج ہے کہ مہمان کے ساتھ اور بھی ملنے والے بلائیں اس سے مہمان کا اعزاز معلوم ہو۔ یہ یہاں نہیں کیا گیا اس سے معلوم ہوا کہ یہ اعزاز سنت ابراہیمی نہیں بلکہ فخر و نمود ہے۔

قربانی

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب دیکھا کہ حق تعالیٰ کا حکم ہوا ہے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر دیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے یہ تعبیر قرار دی کہ سواونٹ خیرات کر دے مگر پھر اگلی رات کو بھی خواب دیکھا تو سمجھ لیا کہ یہ ناکافی ہوئے پھر سواونٹ اور خیرات کر دے مگر تیسری رات پھر یہی خواب دیکھا تو اس سے چارہ نظر نہ آیا اور آنکھوں پر پٹی باندھ کر ذبح کر دیا تو حکم نازل ہوا (قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا) خواب سچا کر دیا۔ آنکھیں کھولیں تو جنتی مینڈھا ذبح ہوا پڑا تھا اور فرمایا ”وَفَدِينَا هَذَا بِذَبْحٍ عَظِيمٍ“ اور سب کے لئے یہ قربانی بدلہ والی ہوگئی اب اس میں غور کرنا ہے کہ قربانی کے کیا کیا مسئلے اس میں آگئے ہیں۔

قربانی جان کا فدیہ ہے

مسئلہ 1: فدینا (ہم نے فدیہ دیا) اس عوض کو فدیہ فرمایا اور فدیہ وہ ہوتا ہے کہ انسان کسی مصیبت یا تکلیف میں مبتلا ہو تو کچھ دے کر چھوٹ جائے اس کو فدیہ فرمانا اس کی دلیل ہے کہ انسان بعض تکالیف اور مصائب میں مبتلا ہو رہا ہے یا ہونے والا ہے اس کو اس کا فدیہ بنایا ہے اور اسے بچا دیا ہے۔

شکار کردہ جانوروں کی قربانی درست نہیں

مسئلہ 2: فدیہ میں وہ چیز دی جاتی ہے جو خود پروردہ ہو یا خرید کردہ ہو دل پر اس کے ذبح کرنے سے اثر ہوگا یعنی غم اور یہی مجاہدہ ہوگا۔ اس لئے اس سے معلوم ہوا کہ شکاری جنگلی جانوروں کی قربانی درست نہ ہونی چاہئے بڑے سے بڑا ہی کیوں نہ ہو۔ خود پروردہ یا خرید کردہ کی ہوگی تا کہ مجاہدہ بن سکے۔

مال و رقم بجائے قربانی دینا درست نہیں

مسئلہ: 3 چونکہ یہ جان کا فدیہ ہے اس لئے جاندار ہی فدیہ بننا چاہئے۔ غیر جاندار کی قربانی نہ ہو سکے گی نہ رقم کافی ہوگی نہ کوئی اور مال۔

حلال جانوروں کی قربانی

مسئلہ: 4 فدیہ میں حلال جان کا فدیہ حلال جاندار ہی ہوگا ہاتھی تک قربانی میں معتبر نہیں ہوگا۔

قربانی میں بکرا وغیرہ اور ساتواں حصہ مقرر ہونے کی وجہ

مسئلہ: 5 فدیہ اصل کے برابر یا قریب قریب ہونا ضروری ہے۔ کمی بیشی یا فدیہ میں کوتاہی کر گئی یا ضرورت سے زائد کا نقصان۔ اس لئے بکرا یا اسکی انواع دنبہ چھتر امینڈھا خواہ کسی قسم کا ہو، بھاری، باریک۔ اور جان جان یکساں ہے۔ نرمادہ یکساں ہیں۔ اس لئے مرد عورت کی طرف سے نرمادہ سب درست ہیں۔ اور اگر جانور اس انسان سے بہت بڑا ہو تو زیادہ کا فدیہ ہونا خوشی سے ہو سکتا ہے۔ اس لئے پورا اونٹ، اونٹنی، گائے، بھینس، بھینسا بھی درست ہیں مگر واجب سے زیادہ بے انصافی سی ہوگی۔ اس لئے $\frac{1}{2}$ یا ساتواں حصہ جو اسکے قریب ہو قربانی کیا کریں۔

مرغی وغیرہ کی قربانی درست نہیں

مسئلہ: 6 فدیہ کے قریب قریب ہونے کے انصاف (حصوں) سے کم کا (چونکہ فدیہ دنبہ بھیڑ وغیرہ یا ساتواں حصہ اونٹ گائے کو قرار دیا تھا اس لئے جو جانور حلال ہو لیکن اس سے کم ہو وہ فدیہ نہیں بن سکتا جیسے آگے مثال بطخ وغیرہ کی بیان کی) اور حلال ہونے کے سبب سے حلال جانور ہوگا۔ (مطلب یہ ہیکہ فدیہ میں شرط حلال ہونا بھی ہے اس لئے اگر حصہ میں

برابری ہو بھی گئی تو حلال نہ ہونے کی وجہ سے فدیہ نہیں بن سکتا جیسے کتا گدھا) اس لئے مرغی، بطخ، تیترو وغیرہ اور کبوتر چڑیا طوطے معتبر نہیں ہونگے۔ بلی کتا گدھا وغیرہ حلال نہیں اور گھوڑا غزوات کا ہتھیار ہونے سے جائز نہیں ہوگا۔

مسئلہ: 7 فدیہ کو اپنی طرف منسوب فرمایا "فدینا" لہذا جس کو خدا تعالیٰ نے فدیہ بنایا ہے وہی معتبر ہوگا اپنی طرف سے بنادینا درست نہ ہوگا۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے بجائے ۷/۱۱ اونٹ کے سوا اونٹ خیرات کئے مگر معتبر نہ ہوئے۔

قربانی میں نبی کی جان کا فدیہ

مسئلہ: 8 حضرت اسماعیلؑ کا فدیہ فرمایا "فدینا" کی ضمیر حضرت اسماعیلؑ کی طرف ہے۔ تو ان میں دو حیثیتیں ہیں۔ آدمی ہونا پھر نبی ہونا، بدل گو اللہ تعالیٰ ہی کی مقرر کردہ ہو مگر وہ آدمی کا فدیہ تو معتبر نہیں ہوگا چنانچہ "وعلى الذین بطبقونه فدية طعام مسکین" (اور ان لوگوں پر جو بڑھاپے سے روزہ کی طاقت نہ رکھیں فدیہ یہ ہے ایک غریب کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلانا) یہ فدیہ اللہ تعالیٰ ہی کا مقرر فرمایا ہوا ہے مگر یہ روزہ کا فدیہ آدمی کی جان کا فدیہ نہیں اس لئے یہاں "فدینا" میں معتبر نہ ہوگا۔

قربانی کے بجائے صدقہ خیرات درست نہیں

مسئلہ: 9 قربانی آدمی کا فدیہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ہے مگر قتل اگر غلطی سے ہو جائے تو سو (۱۰۰) اونٹ دینے میں قاتل وارثان مقتول کو دیتے ہیں تو یہ بھی جان کا فدیہ اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا ہے۔ لیکن یہاں نبی کی جان کا فدیہ ہے اس کا یہ فدیہ نہیں۔ اس لئے حضرت ابراہیمؑ سے قبول نہیں ہوئے۔ (کیونکہ اونٹ عام آدمی کی جان کا فدیہ ہے اگرچہ اللہ کا مقرر کردہ ہے لیکن قربانی نبی کی جان کا فدیہ ہے اس لئے سوا اونٹ حضرت ابراہیمؑ کے

قبول نہ ہوئے۔ لہذا قربانی کے بدلے کوئی مال قبول نہیں مردود ہے۔ یورپ زدہ لوگوں کا یہ کہنا کہ مقصود خیرات ہے۔ کسی بھی شے کو کسی بھی طرح کر دو، غلط ہے کہ یہاں نبی جیسی جان کا فدیہ درکار ہے۔ جب خلیل اللہ حضرت ابراہیمؑ کے سواوٹ بھی معتبر نہ ہوں تو ان سے بڑھ کر کون ہو سکتا ہے کہ اس کا صدقہ خیرات کافی ہوگا۔

قربانی میں ذبح ضروری ہے

مسئلہ: 10 ”بذبح“ حکم ہے۔ دیدینا، خیرات کر دینا یہاں معتبر نہیں۔ جان کا فدیہ خون ہے۔ ذبح کرنا ہی مفید ہوگا ویسے دینا نہیں ہوگا۔ حضرت ابراہیمؑ سے ویسے دینا مقبول نہ ہوا تو اوروں کا کیا درجہ ہے؟

قربانی کے فدیہ عظیم ہونے کی وجہ

مسئلہ: 11 ایک سوال ہوتا ہے کہ آدمی اور پھر نبی جیسا آدمی اس کا فدیہ یہ معمولی ذبیہ بکرا وغیرہ کیسے ہے؟ جبکہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور پھر نبی سب انسانوں سے افضل ہے تو ”عظیم“ فرما کر اشارہ فرما دیا کہ عظیم و حقیر تو ہم بنانے والے ہیں جسے حقیر بنائیں وہ حقیر جسے عظیم بنائیں وہ عظیم ہے۔ حجر اسود سب سے عظیم ہے پھر باقی سب پتھر حتیٰ کہ وہ پتھر بھی جو حضرت موسیٰؑ کے معجزے میں ان کے کپڑے لے کر بھاگتا تھا اس سے کم ہے۔ تو اسماعیلؑ کے بدل کے مینڈھا بلکہ اس کے موافق حکم والے ہر بکرا، دنبہ، چھترا، اونٹ، گائے یا بھینس کے حصہ کو بھی وہ عظمت عطا کر دی کہ قریب قرب ہو گیا۔ چنانچہ حدیثوں میں ہے کہ قربانی کے خون کا قطرہ زمین پر گرنے سے پہلے قبول ہو جاتا ہے۔

اور قربانی کے ہر ہر بال بلکہ اون والے بال کے برابر بھی نیکی درج ہوتی ہے اور یکم ذی الحجہ سے دس بلکہ ۱۲ ذی الحجہ تک اس خون کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے بہانے کا وہ اجر

ہے کہ کسی اور عبادت کا ان دنوں اتنا اجر نہیں ہے۔ اور قربانی کا گوشت خدائی دعوت کا کھانا ہے اسی لئے ان چاروں ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ کا روزہ ایسے ہی حرام ہے جیسے عید الفطر کا روزہ حرام ہے۔

اندازہ کیجئے کہ یہ جانور کتنا عظیم الشان ہے تبھی تو ایک ہونے والے معزز نبی کی جان کا فدیہ اور تاقیامت اس کے مشابہ جانوروں کا فدیہ قرار پایا۔

قربانی کا انکار موجب عذاب ہے

مسئلہ: 12 قربانی بیٹے کی بطور امتحان حضرت ابراہیمؑ پر فرض ہوئی تھی تو انہوں نے اتنا بڑا کام اور ایسے ہی ان کے صاحبزادے نے خوشی خوشی قبول کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی جان بخش دی اور ہمیشہ کیلئے فدیہ ہی مقرر کر دیا ہے۔ اگر ہم سب خوشی خوشی فدیہ منظور نہ کریں گے تو خدشہ ہے کہ سخت گرفت نہ ہو جائے۔ اس لئے کسی قسم کا عذر نہ بنایا جائے ورنہ فدیہ کا انکار عذاب کو دعوت دینا ہے۔

قربانی کس پر واجب ہے

مسئلہ: 13 قربانی ہر ہر مرد و عورت پر امراض و تکالیف کا فدیہ ہو کر واجب ہوئی تھی مگر فضل و کرم ہے کہ ہر شخص پر نہیں، نابالغ پر نہیں، ہر بالغ مرد و عورت پر ہے جو نصاب زکوٰۃ کا مالک ہے چاہے دس ذی الحجہ کی صبح سے بارہ کی عصر تک کسی وقت اتنے کا مالک ہوا ہو اس پر قربانی واجب ہے اور غرباء کی یہ رعایت ہے یعنی ان سے بغیر فدیہ کے ان چیزوں کو روک دیا جو فدیہ سے رکتی ہیں۔

صاحب ثروت پر وجوب

مسئلہ: 14 عظیم کی ہر طرح سے عظمت کا تقاضہ یہ ہے کہ ہر بالغ ہر چہ والے کو

بھی یہ عظیم دولت حاصل کرنی واجب ہو۔

قربانی کے لئے خرید کردہ جانور ایام قربانی کے بعد خیرات کرنا

مسئلہ: 15 مقررہ فدیہ کی تبدیلی جائز نہیں ہو سکتی۔ نہ بغیر ذبح نہ خیرات کرنے سے خواہ جانور کی کل قیمت ہو۔ یہ وقت کے اندر تو جائز نہیں ہاں جانور کسی وجہ سے لیا ہوا رہ گیا تو اسے خیرات کرنا واجب ہے کہ فدیہ دوسرے کام نہ آئے۔ کامل طریقہ سے نہ ہو سکا تو ایسے ہی سہی۔

بجائے قربانی بچہ کو ذبح کرنا حرام ہے

مسئلہ: 16 فدیہ اصل بچہ کی جگہ کرم و انعام ہے اس کو چھوڑ کر اصل بچہ کو ذبح کرنا حرام اور اس انعام کو رو کرنا انتہائی جرم ہے۔ انعام والے کی توہین ہوتی ہے اس لئے یہ مستحق سزا ہوگا۔

رضاعت (دودھ کا رشتہ)

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے قرآن پاک کی ایک مختصر آیت "واستعینکم اللاتنی ارضعنکم" سے بہت سے مسائل کا استنباط کیا ہے۔

اس آیت سے یہ مسئلہ ثابت کیا گیا ہے کہ جو عورت کسی غیر کے بچے کو دودھ پلا دے گی وہ اس بچے کی ماں ہو جائیگی اور وہ بچہ اس کے لئے بمنزل اولاد ہوگا اور اسکی اولاد اس کے لئے بمنزل بھائی بہن اور وہ سب رشتہ جو ان کے درمیان قائم ہیں اسکے بھی شمار ہوں گے۔ اور جن سے اس کی اولاد کا نکاح نہیں ہو سکتا اس کا بھی نہیں ہو سکے گا۔

نیز اس حرمت کے عقلی دلائل بھی ذکر کیے ہیں۔ زیر نظر نکات کے مطالعہ سے قبل اصل مسئلہ سمجھ لینا چاہئے۔

شرعی مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی عورت کسی غیر کے بچے کو دو یا ڈھائی سال (عند الاحناف) کی عمر کے اندر اندر دودھ پلا دے تو اس بچے سے اس کا رضاعت کا رشتہ قائم ہو جائے گا۔ زیادہ سے زیادہ دو سال کی عمر تک دودھ پلانا حلال ہے اسکے بعد حرام لیکن احناف کے نزدیک اگر ڈھائی سال کی عمر تک بھی پلا دیا تو حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ یہ بچہ اس عورت کا رضاعی بیٹا یا بیٹی بن جائے گا۔ اور وہ سب احکام نکاح سے متعلق ثابت ہوں گے جو اس کی اولاد کے بارے میں ہیں۔

البتہ وراثت میں حصہ دار نہیں ہوگا۔ دودھ پینے میں یہ بھی شرط ہے کہ ڈھائی سال کے اندر اندر نہ پئے اگر اس عمر کے بعد پئے گا یہ رشتہ قائم نہ ہوگا۔

احناف کے نزدیک چاہے تھوڑا دودھ پیے یا زیادہ ہر طرح حرمت قائم ہو جاتی ہے۔ پستان سے پیے یا تھچے وغیرہ میں نکال کر حتیٰ کہ اگر کسی چیز مثلاً دوا میں ملا کر پلائیں تو اگر دودھ کی مقدار زائد ہے تو بھی حرمت ثابت ہوگی۔

اگر دو الگ الگ عورتوں کے بچوں نے کسی ایک تیسری عورت کا دودھ پیا ہے، چاہے اکٹھے چاہے الگ الگ تب بھی ان دونوں بچوں میں اس عورت مرضعہ کی رضاعی اولاد ہونے کی وجہ سے حرمت قائم ہو جائے گی اور یہ آپس میں رضاعی بہن بھائی کہلائیں گے۔ اور ان کا آپس میں نکاح نہیں ہو سکتا۔

ایک مسئلہ یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ یہ حرمت رضاعت صرف عورت کا دودھ پینے اور اس میں شریک ہونے سے ہوتی ہے کسی بکری، گائے، بھینس وغیرہ کا دودھ اگر دو بچے پی لیں تو یہ حرمت قائم نہیں ہوتی۔

مفتی صاحبؒ نے اس مضمون میں اس بات کی بھی وضاحت کی ہے کہ نسبی رشتوں ماں، باپ، بھائی، بہن، بھانجے بھتیجیوں سے جو نکاح حرام ہے تو اس کی وجہ علاقہ جزئیت ہے کہ ایک دوسرے کا جزو ہوتے ہوئے نکاح حرام ہے۔ یہی علاقہ جزئیت دودھ پینے سے بھی ثابت ہوتا ہے اس لئے وہاں بھی نکاح حرام ہے۔

زیر نظر مضمون چونکہ مفتی صاحب قدس سرہ نے عمر کے آخری ایام میں تحریر فرمایا تھا جس میں ہاتھ میں ریشہ ہونے کی وجہ سے حروف چھوٹ گئے اور کہیں عبارت بہت مغلق ہو گئی تھی تو احقر نے بین القوسین یا حاشیہ میں اس کی وضاحت کر دی ہے۔ نسب کی طرح رضاعت سے حرمت ثابت ہونے کی (۲۰) عقلی حکمتیں حضرت نے لکھی تھیں جو ابلاغ میں چھپی تھیں افادہ عام کیلئے احقر نے ان کو بھی اس میں شامل کر دیا ہے۔

فقط
خلیل احمد تھانوی

رضاعت (دودھ کا رشتہ)

محرم عورتوں کے بیان میں ہے وامہنتکم اللاتى ارضعنکم (اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے)

دودھ پلانے والی ماں ہے

مسئلہ ۱: دودھ پلانے والی کو ام (ماں) سے تعبیر فرمانا بتاتا ہے کہ جس جس عورت نے دودھ پلایا ہے، ایک، دو تین یا چار، یہ سب عورتیں اس کی مائیں بن گئیں اور یہ سب محرم ہو گئیں۔

مرضعہ کے رشتہ داروں سے رشتہ داریوں کا قیام

مسئلہ ۲: ام (ماں) فرمانا بتاتا ہے کہ یہ ماں ہے اس کا خاوند باپ اس کی ماں ثانی اور اس کی بہن خالہ ہے۔

مسئلہ ۳: اس کی عینی بہن (۱)، علاتی بہن (۲)، اخینانی بہن (۳) سب خالائیں ہو گئیں اور اس کے سب بھائی عینی، علاتی، اخینانی ماموں ہو کر سب محرم ہو گئے (۴)۔

مسئلہ ۴: اور اس (ماں) کی سب اولادیں بھائی بہن اور ان کی اولادیں بھانجے بھانجیاں بھتیجے بھتیجیاں بن گئیں (۵)۔

مسئلہ ۵: اور عینی علاتی اخینانی ہر قسم کے بہن بھائی کی اولاد بھی بھتیجے بھتیجیاں

(۱) جن دونوں بہن بھائیوں کے ماں باپ ایک ہوں یعنی گئے بہن بھائی (۲) جن دونوں بھائی بہنوں کا باپ ایک ہو، ماں الگ الگ (۳) جن کی ماں ایک ہو اور باپ الگ الگ (۴) رضاعی ماں کے یہ سب قسم کے بہن بھائی جو اوپر ذکر کیے گئے ہیں اس دودھ پینے والے بچے کے سکے خالہ ماموں کی طرح محرم ہو گئے اور ان سے نکاح حرام ہو گیا (۵) اور اس رضاعی ماں کی عینی بھی اولادیں ہیں خواہ حقیقی یا رضاعی سب اس دودھ پینے والے بچے کے بھائی بہن ہو گئے اور ان کی اولادیں اس بچے کے بھانجے بھتیجے ہو گئے اور ان سب سے نکاح حرام ہو گیا۔

بھانجے بھانجیاں ہوں گیں۔

مرضعہ کے دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ رشتہ حرمت کی حد

مسئلہ ۶: رضاعی ماں کا خاوند سگا باپ، اور اس دودھ سے پہلے والا یا بعد والا

دوسرا سوتیلے باپ (۱)، اور سگے باپ کی دوسری بیوی (۲) کی اولاد سوتیلے بہن بھائی اور ان کی اولادیں سوتیلے بھتیجے بھتیجیاں، بھانجے بھانجیاں ہیں۔

مسئلہ ۷: رضاعی باپ کے یعنی علاقائی اخائی بھائی، چچا تایا ہوں گے، یہ تو محرم

ہیں مگر ان کی اولاد نامحرم ہوگی۔ (۳)

مسئلہ ۸: رضاعی باپ کی دوسری بیوی اور اس کی اولاد سوتیلے رضاعی ماں اور

بہن بھائی ہیں۔

جو رشتے نسب میں حرام رضاعت میں بھی حرام

مسئلہ ۹: نسبی رشتہ داروں کی طرح یہاں بھی محرم و نامحرم ہوں گے۔

(۱) جس وقت اس بچے نے دودھ پیا ہے اس وقت جس شخص کے نکاح میں یہ عورت ہے وہ اس بچے کا سگار رضاعی باپ ہوگا، اور اگر عورت نے اس شخص سے پہلے کسی شخص سے نکاح کیا تھا جو مر گیا یا طلاق دے دی تھی وہ بھی اس بچے/بچی کا سوتیلے رضاعی باپ شمار ہوگا۔ اور اس سے نکاح حرام ہوگا۔ اسی طرح اگر اس مذکورہ شوہر جس کے نکاح میں ہوتے ہوئے اس نے دودھ پلایا ہے اس کے مرنے یا طلاق دینے کے بعد کوئی نکاح کیا تو وہ بھی اس رضاعی بچے کا سوتیلے باپ ہوگا اور اس سے نکاح حرام ہے (۲) جس عورت کا اس بچے نے دودھ پیا ہے اگر اس کے شوہر کی کوئی اور بیوی یا بیویاں ہیں تو ان کی سب کی اولاد بھی اس بچے کے سوتیلے بھائی بہن بن جائیں گے۔ اور ان کے بچے بھانجے بھتیجے ہوں گے جن سے نکاح حرام ہوگا۔

(۳) جس عورت کا دودھ پیا ہے اس کا موجود شوہر جس سے یہ دودھ اتر رہا ہے اس بچے کا سگار رضاعی باپ ہے اور اس باپ کے جو بھی بہن بھائی ہیں چاہے حقیقی ہوں یا چاہے باپ شریک ماں شریک سب اس بچے کے چچا تایا پھوپھیاں ہو جائیں گی اور ان سے نکاح حرام ہے۔ اور ان کی اولادیں نامحرم ہوں گی۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔ یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب (دودھ سے وہ سب محرم ہیں جو نسب سے محرم ہیں) نسب سے محرم ہیں اصل و نسل یعنی جن جن سے یہ پیدا ہوا، اور جو دوسرے پیدا ہوئے (کہ سب میں علاقہ جزئیت کا ہے کہ سب ماں باپ ہی کے اجزاء ہیں اس لئے آپس میں محرم ہیں) بلا واسطہ یا درمیان میں واسطہ ایک دو تین وغیرہ (۱)، یعنی ماں، باپ، دادا، دادی، نانا، نانی حضرت آدم اور حضرت حوا تک اور جو اس سے پیدا ہوئے ہیں، بیٹا بیٹی، پوتا پوتی اور ان کی اولاد قیامت تک وہ بھی اس کی محرم (۲) ہیں۔ مرد عورتوں کیلئے عورتیں مردوں کیلئے محرم ہیں۔ اور اصل بلا واسطہ یعنی ماں باپ کی نسل بلا واسطہ یعنی جو خود ان سے پیدا ہوئے ہیں جیسے بھائی بہن عینی (سگے) ماں باپ شریک ہیں۔ علاقہ صرف باپ میں شریک۔ اخیانی صرف ماں میں شریک۔

اور ماں باپ کی اولادیں ایک واسطہ سے یا دو تین چار واسطوں سے ہوں قیامت تک سب اس کے محرم ہیں۔ اور اصل بواسطہ خواہ ایک واسطہ ہو جیسے نانا، نانی، دادا، دادی خواہ دو واسطے ہوں جیسے پردادا، پردادی، پر نانا، پر نانی، یا تین چار واسطے ہوں حضرت آدم و حضرت حوا تک۔ انکی بلا واسطہ نسل یعنی ان کے بیٹا بیٹی تو محرم ہیں اور ایک دو تین چار یا زیادہ واسطوں سے ہیں تو محرم نہیں (۳) ہیں۔ یہی حال رضاعت میں ہے کہ اصل و نسل

(۱) مطلب یہ ہے کہ ماں باپ کا تو یہ خود جز ہے اور دادا دادی نانا نانی حضرت آدم تک ایک دو تین یا زیادہ واسطوں میں اجزاء بنتے ہیں اس لئے ان سے بھی علاقہ جزئیت کا قائم ہو کر نکاح حرام ہے۔ اس لئے کہ یہ سب اس بچے کی اصل ہیں۔ جن سے یہ پیدا ہوا ہے (۲) اور جو اس کی اولاد ہیں یا اولاد کی اولاد ہیں چاہے جتنے واسطے درمیان میں ہوں وہ سب اس کا جز ہیں اور یہ ان کے لئے بمنزل باپ ہے اس لئے ان سب سے نکاح حرام ہے (۳) مطلب یہ ہے کہ جن واسطوں کا تعلق اس سے ذاکر کثرت بنتا ہے وہ تو اس کے محرم ہوں گے اور جن کا کسی واسطے کے ذریعہ بنتا ہو وہ محرم نہیں ہوگا۔ مثلاً پردادا تو محرم ہے لیکن پردا سے کے بھائی کا بیٹا جو رشتہ میں اس کا دادا لگتا ہے محرم ہوگا۔ اس لئے کہ پردادا سے تو علاقہ جزئیت ہے لیکن اس کے بھائی کے بیٹے سے اس کا کوئی علاقہ جزئیت کا نہیں ہے۔

سب محرم ہیں اصل بلا واسطہ کی نسل تا قیامت اس کی محرم اور اصل بواسطہ خواہ ایک واسطہ ہو یا چند۔ ان کی نسل بلا واسطہ محرم بالواسطہ یا بالوسا نط محرم (۱) نہیں۔

رضاعی بہن بھائیوں کی اولاد میں کون کون محرم ہے

مسئلہ ۱: رضاعی بھائی بہن جنہوں نے ایک ساتھ دودھ پیا ہے اس کی کل اولاد دودھ پینے والے کی محرم (۲) ہیں انکے یعنی یعنی رضاعی ماں باپ دونوں کی اولاد محرم (۳) اور علاتی صرف باپ کی شریک کہ مرضعہ کے خاوند کی دوسری بیوی کی اولاد بھی محرم (۴) ہے اور اخیانی کہ مرضعہ کی دوسرے خاوند کی اولاد بھی محرم (۵) ہے۔ و اخواتکم من الرضاعة میں داخل ہیں جس نے دودھ پیا تھا اس کیلئے نہ اس کے بہن بھائی کیلئے (۶)۔

(۱) یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب والی مذکور حدیث کی وجہ سے یہ سب احکام حرمت کے اس بچے میں بھی ثابت ہوں گے جو رضاعی بیٹا بنی ہو (۲) مطلب یہ ہے کہ جن دو بچوں نے ایک عورت کا دودھ پیا ہے ان میں سے ہر ایک کی کل اولاد دوسرے کے لئے محرم ہے (۳) ان دودھ پینے والے بچوں کے رضاعی ماں باپ کی کل اولاد سب سوتیلی ہر قسم کی ان کی محرم ہوگی (۴) جس عورت کا دودھ پیا ہے اس کے شوہر کی وہ اولاد جو اس کی کسی دوسری بیوی سے ہو اس دودھ پینے والے بچے کی محرم ہے (۵) اسی طرح جس عورت کا اس بچے نے دودھ پیا ہے تو ایک تو اس عورت کا وہ شوہر جس سے یہ دودھ اتر ا تھا اور ایک سابقہ اگر اس کا کوئی شوہر تھا جس نے طلاق دی ہو یا مر گیا ہو اور اس سے کوئی اولاد تھی تو وہ بھی اس دودھ پینے والے بچے کے محرم ہوں گے۔ اسی طرح اگر اس شوہر کے بعد کہ جس سے یہ دودھ اتر ا ہے۔ اس نے کوئی اور شادی کی اور اس سے کوئی اولاد ہوئی تو وہ بھی اس بچے کے محرم ہوں گے (۶) یہ سب مذکورہ رشتے اس بچے کے لئے ثابت ہوں گے جس نے کسی عورت کا دودھ پیا ہے لیکن اگر اس دودھ پینے والے بچے کے دوسرے بہن بھائی ہیں جنہوں نے اس دودھ پلانے والی کا دودھ نہیں پیا تو ان کیلئے یہ رشتے حرمت کے ثابت نہیں چنانچہ اس بچے کے لئے کسی بھائی کی شادی اس کی مرضعہ بہن سے ہو سکتی ہے جبکہ اس کی اپنی نہیں ہو سکتی۔

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ سے ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد موسیٰ صاحب روحانی البازی استاذ الحدیث جامعہ اشرفیہ نے سوال کیا کہ دودھ پینے سے حرمت رضاعت کے ثبوت کے عقلی دلائل اگر بتلا دئے جائیں تو عنایت ہوگی حضرت نے اس کے جواب میں بیس (۲۰) عقلی دلائل عربی میں لکھ کر دئے تھے پھر خود ہی ان کا ترجمہ کر کے رشتہ رضاعت کی حقیقت کے عنوان سے ماہنامہ البلاغ کو بھیج دیا تھا جو جمادی الاولیٰ ۱۳۹۷ھ میں طبع ہوا تھا۔ افادہ عام کے لئے پیش خدمت ہے

خلیل احمد تھانوی

رشتہ رضاعت کی حقیقت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً و مصلیاً و مسلماً -----

ایک صاحب نے سوال کیا ہے کہ حدیث شریف ”یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب“ (رضاعت یعنی دودھ کے رشتہ سے وہ سب محرم ہوتے ہیں جو نسب سے ہوتے ہیں) بخاری و مسلم کی اس حدیث میں یقیناً بہت حکمتیں ہیں امید ہے کہ ان کو ظاہر کیا جائے گا۔

جواباً عرض ہے کہ شریعت کی حقیقی مصلحتوں تک کسی کی نظر پہنچ نہیں سکتی جو اس وقت حکمتیں ذہن میں موجود ہیں پیش ہیں مگر اصل حکمتوں کے مقابلے میں سب ہی ناقابل التفات ہوں گی ہاں ایک معمولی عقل کی رسائی یہاں تک دیکھ کر شاید یہ اندازہ لگانا سہل

ہو جائے گا کہ ان سے لاکھوں درجہ بلند و بالا حکمتیں ہونگی جو خدا اور رسولؐ اور ان کے مخلصین بندوں کو معلوم ہونگی۔ ہم لوگوں کو اسی پر ایمان رکھنا چاہئے آخر حکیم مطلق کا کوئی حکم حکمت سے خالی کیسے ہو سکتا ہے؟

۱۔ نسب کے رشتہ سے جو محرم ہونا ثابت ہوتا ہے علمائے دین نے اس کی حکمت ایک کا دوسرے کے لئے جز ہونا قرار دیا ہے کیونکہ نطفہ تمام اعضاء کا جوہر اور ہر ہر جز کا ایک خلاصہ ہے تو جو بچہ اس سے بنے گا اس میں اس کل کے جوہر ہونے کی شان لازم ہے (۱) دوسری بات یہ کہ اس کے لئے جو قرار گاہ ہے (۲) وہ پشت اور رحم ہے قرار گاہ سے فوائد (۳) حاصل کرنے کی بناء پر یہ ان کے بھی جز ہونے کی صورت اختیار کرتا ہے یعنی ان قرار گاہوں میں سب اولاد کا مشترک ہونا جز ہونے کا علاقہ قائم کر دیتا ہے تو جیسے ہر بچہ کا وجود اجزائے رحم سے حاصل ہونے سے ایک دوسرے کا محرم بن جاتا ہے ایسے ہی ہر بچہ کا وجود دودھ سے جو عورت کا بچہ ہے حاصل ہونے سے جز ہونے کا علاقہ قائم ہو کر ایک دوسرے کا محرم بننا ضروری ہے (۴)

۲۔ رحم میں بچہ کا نشو و نما ایک غذا سے ہوتا ہے جو عورت کا خون ہوتا ہے اسی سے تندرست عورتوں میں سے ایام حمل میں کسی کو خون نہیں آتا جو جو بچے اس غذا سے نشو و نما پاتے ہیں گو مختلف سالوں میں پیدا ہوں وہ سب ایک دوسرے کے محرم ہوتے ہیں۔ پھر قرب ولادت کے وقت یہی خون عورت کے دودھ کی صورت اختیار کر لیتا ہے تو جب اس ایک ہی غذا سے نشو و نما ہو جائے تو جیسے حیض اور قبل تبدیلی کے یہ حرمت ابدی کا سبب ہے

(۱) یعنی جس کا یہ نطفہ ہے یہ بچہ اس کا جز ہے (۲) نطفہ کے رہنے کی جگہ (۳) پشت و رحم میں رہتے ہوئے چونکہ اس کے اجزاء میں زیادتی ہوتی ہے اس لئے گویا اس کا بھی جز ہوتا ہے (۴) دودھ چونکہ عورت کا جز ہے جس سے بچہ کے اجزاء بنے تو وہ جز ہو عورت کا اور دوسرا بھی جز ہو اس لئے ایک دوسرے کے محرم ہوئے۔

اب اسی اصلی غذا کے تبدیل پیمات کے بعد کے نشوونما سے بھی حرمت ابدی یعنی ہمیشہ کے لئے محرم ہونا لازم ہوگا خواہ تفاوت (۱) سالوں کا بھی ہو جائے اور دس بیس سال آگے پیچھے ہو جائیں۔

۳۔ نطفہ کی اصل قرار گاہ مرد میں پشت ہے اور عورت میں پسلیاں جیسے کہ خود خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے ”یُخْرِجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ“ (نطفہ پشتوں اور پسلیوں کے درمیان سے نکلتا ہے) جیسے مردوں کی پشت میں شرکت ہونا محرم ہونے کا سبب ہے ایسے ہی عورتوں کی پسلیوں میں شرکت بھی محرم ہو جانے کا ذریعہ ہے اور دودھ کی قرار گاہ بھی عورت کی پسلیاں ہی ہیں قرار گاہ کی شرکت (۲) ہی محرم ہونے کا ذریعہ بنی تو دودھ بھی محرم ہونے کا سبب ہے۔

۴۔ دودھ کے پیدا ہونے میں مرد کی صحبت کو بھی دخل ہے کیونکہ عورت میں بے صحبت عادتاً دودھ نہیں ہوتا اس لئے مرد کو بھی دودھ میں دخل ہوا مرد کے جز ہونے میں شرکت اور محرم بننے میں شرکت بلکہ تینو قسموں (۳) کے محرم ہونے کی صورت ہوئی اعیانی (ماں باپ شریک) علانی (صرف باپ شریک) اور اخیانی (صرف ماں شریک) بھائی بہن بھی ہونے لگے یعنی عمر نے زید کی بیوی ہندہ کا دودھ پیا تو دونوں کی مشترکہ اولاد اخیانی (۴) رضاعی بھائی بہن اور زید کی دوسری بیوی سے اولاد علانی (۵) اور ہندہ کے دوسرے خاوند سے اولاد اخیانی (۶) بہن بھائی ہو گئے۔

۵۔ پھر چونکہ محرم ہونا دودھ سے غالب نشوونما پانے سے ہوتا ہے اس لئے ایسی مدت

(۱) گنی سال کا ایک دوسرے کی پیدائش میں یا دودھ پینے میں فرق ہی کیوں نہ ہو یہ ایک دوسرے کے محرم ہو گئے (۲) اس قرار گاہ یعنی پسلیوں میں دونوں کا مشترک اجزاء سے ہونا محرم ہونے کا سبب ہے (۳) اولاد کی تمام قسموں میں حرمت ثابت ہوگی جیسے آگے ذکر کرتے ہیں۔ (۴) ماں باپ شریک بھائی بہن (۵) باپ شریک (۶) ماں شریک

میں دودھ کا پینا اثر انداز ہو سکتا ہے جب اکثری نشوونما دودھ سے ہوتا ہو وہ عمر دو سال کی ہوتی ہے لہذا دو سال سے بڑی عمر والے پر محرم بنانے کا اثر نہیں ہوگا کیونکہ اکثری نشوونما اس دودھ سے نہیں ہے اور کم کم مثل معدوم کے ہوتا ہے۔

۶۔ جب کہ نسب میں جز ہونا خواہ حقیر سا جز ہونا ہی ہو محرم ہونا ثابت کرتا ہے تو یہاں بھی قطرہ کا حلق میں جانا خواہ ایک قطرہ ہی کیوں نہ ہو محرم ہونا ثابت کر دے گا۔

۷۔ جب کہ بچہ کا نشوونما حلق میں دودھ پہنچنے سے ہونے پر محرم ہونے کا مدار ہے تو یہ اس سے عام ہونا ضروری ہے پلایا جائے یا ویسے ہی حلق میں ڈال دیا جائے یا ناک کے ذریعہ پہنچایا جائے یا کسی سیال چیز میں زیادہ یا برابر کا ملا کر پلا دیا جائے نہ کہ کم کہ قلیل مثل معدوم (۱) کے ہے اس سے کچھ نہ ہوگا۔

۸۔ ماں اور باپ باپ اسی لئے تو ہوتے ہیں کہ بچہ کا نشوونما ان کے اجزا سے ہوتا ہے تو جب نشوونما دو سالہ عمر تک دودھ سے ہوتا ہے اور دودھ دونوں کا جز ہے تو دودھ پلانے والی اس کی ماں اور پھر اس کا باپ اس کا نانا اس کی ماں نانی بہن خالہ اس کا بھائی ماموں اور دادھیال نانہیال اور اس کی سب اولاد اس کے بھائی بہن اور ان کی اولادیں بھائی بہن کی اولاد ہو جائیگی اور اس کا شوہر بچہ کا باپ پھر اس کا باپ دادا اس کی ماں دادی بھائی بہن چچا پھوپھی ان کی اولاد میں چچا زاد پھوپھی زاد اور باپ کی دادیاں نانیاں اس کی دادیاں اس کی اولاد بہن بھائی وغیرہ محرم غیر محرم کی طرح ہو جاتے ہیں اور دونوں کے اقارب اس کے اقارب ہو گئے جیسے نسب سے تھے۔ یہی تو حضور ﷺ کا ارشاد ہے رضاعت سے وہ سب محرم ہو جاتے ہیں جو نسب سے محرم ہوتے ہیں۔

۹۔ اگر اکثری نشوونما کا وقت نہ ہو پاوے کہ مثلاً بچہ کی عمر دو سال سے زیادہ ہو تو

(۱) اگر عورت کا دودھ کم ہو نس میں ملائیں وہ زائد ہو تو حرمت ثابت نہیں ہوگی کہ کم مقدار نہ ہونے کے برابر ہے۔

نشوونما کم مثل معدوم (۱) کے ہو کر محرم ہونے کا اثر انداز نہ ہوگا گو اس وقت پلانا گناہ ہوگا یا دودھ ہی اس تک نہ پہنچے تو محرم ہونا ثابت نہ ہوگا جیسے لڑکی کے لئے اس کے رضائی بھائی نسبی بھائی وغیرہ (۲)۔

۱۰۔ جب کہ اعتبار وقت نشوونما میں نشوونما کے سبب ہونے کا ہے اگر نشوونما کا سبب نہ ہو تو محرم ہونا ثابت نہ ہوگا مثلاً بذریعہ حقنہ (۳) (عمل) دودھ چڑھا دیا جائے تو اس سے کچھ نہ ہوگا۔

۱۱۔ نشوونما بچوں میں دودھ سے ہوتا ہے لہذا اگر کسی بڑھیا نے جس کے دودھ میں صرف پسینہ یا پانی نکلتا ہو وہ پلا دیا تو محرم ہونا ثابت نہ ہوگا۔

۱۲۔ چونکہ نشوونما ہو سکتے پر مدار ہے اس لئے اگر ایسے پہنچایا گیا کہ معدہ میں نہیں جاتا تو محرم ہونا ثابت نہ ہوگا۔ کان میں ٹپکانے سے کچھ نہ ہوگا گو استعمال درست نہیں۔

۱۳۔ آنکھوں میں ڈالنے سے بھی محرم ہونا ثابت نہ ہوگا گو اس استعمال سے گناہ ہوگا۔ (۴)

۱۴۔ انجکشن کرنے سے رگوں میں جاتا ہے معدہ میں نہیں اور وہ نشوونما کا سبب نہیں ہے اس سے بھی محرم ہونا ثابت نہ ہوگا۔

۱۵۔ مالش کرنے سے خواہ سر پر ہو یا جسم پر یا زخموں پر سبب نشوونما میں اس کا اثر نہیں ہوگا۔

(۱) کیونکہ دو سال کے بعد بچہ کی نشوونما میں دخل دودھ کی نسبت دوسری غذاؤں کو زیادہ ہوتا ہے تو اگر اس کے بعد دودھ پیے گا تو بھی اس سے زیادہ نشوونما نہیں ہوگی جس کا اعتبار نہ ہونے کی وجہ سے حرمت ثابت نہ ہوگی (۲) مثلاً زید نے رشیدہ کی ماں کا دودھ پیا ہے تو وہ اس کا رضائی بھائی ہے اور اس کا رشیدہ سے نکاح حرام ہے لیکن زید کا نسبی بھائی عمر جس نے رشیدہ کی ماں کا دودھ نہ پیا ہو اس سے رشیدہ کا نکاح جائز ہے (۳) بیٹھانہ کے رستہ بذریعہ انہما دودھ پہنچایا جائے (۴) اس لئے کہ یہ آدمی کا جز ہے اور اس سے انتفاع درست نہیں۔

- ۱۶۔ مسامات کے ذریعہ پہنچنے پر بھی اثر انداز نہ ہوگا وہ نشوونما کا ذریعہ نہیں بنتا۔
- ۱۷۔ چونکہ نشوونما اور رشتہ عورت کے دودھ سے ہوتا ہے اس لئے مردہ عورت اور کنواری بالغ عورت کا دودھ بھی محرم بنادے گا لیکن اگر کسی مرد کے دودھ ہو جائے یا جانور کا دودھ ہو تو کچھ نہ ہوگا۔
- ۱۸۔ حرمت ابدی یعنی محرم ہو جانا بڑا سخت معاملہ ہے اس لئے چشم دید دو (۲) عادل مرد یا ایک مرد اور دو عادل عورتوں سے کم کی گواہی سے ثبوت نہ ہوگا فقط پلانے والی کا اعتبار نہیں ہے۔
- ۱۹۔ رضاعت یعنی دودھ کا رشتہ محرم ہونے میں تو معتبر ہے مگر میراث ملنے میں اس کا کوئی دخل نہیں گو میراث اجزاء یعنی اولاد کے لئے تھی اس کا راز یہ ہے کہ نطفے تمام افراد بدن کا خلاصہ جو ہر ہیں جیسے ہر بیج کہ اس سے رنگا رنگ شاخیں نئے پھول پھل پیدا ہوتے ہیں اور خون جو رحم میں غذا بنتا ہے وہ بھی ایسا ہی ایک جوہر ہے جس سے گوشت پوست ہڈیاں پٹھے سب اعضاء سب رطوبات بنتی ہیں یہ دونوں اصلی و حقیقی جز ہیں جن میں تبدیلی نہیں آتی یہ دو قسم کا جز ہونا نسبی اولاد میں تو ہے اس لئے وہ وارث بن جاتی ہے اور دودھ بھی اگر چہ جز ہے کہ خون کی تبدیلی سے حاصل ہوا ہو لیکن دودھ بن جانے میں اس کی حقیقت بالکل بدل گئی ہے خون اپنی اصل حقیقت پر باقی نہیں رہا بلکہ تبدیل ماہیت ہو گئی کہ پاک اور مشروب بن گیا جب کہ پہلے ناپاک ناقابل شرب تھا اس لئے اس تبدیلی کے بعد اس کے جز ہونے میں ہلکا پن آ گیا ہے جز غیر اصلی ہو گیا اس لئے میراث کے لئے معتبر نہیں ہوتا مگر عصمت و عفت کا معاملہ نہایت نازک ہے بڑی احتیاط کی ضرورت ہے اس لئے وہاں اثر انداز ہوا۔

۲۰۔ اور چونکہ دودھ کے جز ہونے میں خفت پیدا ہوگئی تبدیلی حقیقت ہوگئی اور وہ جزء حقیقی ہونے کی قوت جو نطفہ رحم خون کی تھی نہیں رہی اس لئے رضاعت و نسب کے حقوق میں بھی تفاوت لازمی ہے نسبی ماں باپ بھائی بہن اقرباء کے حقوق رضاعی اقرباء سے بڑھ کر ہیں۔ واللہ اعلم۔

ary.blogspot.com

zoolen-elibrary.blogspot.com



اعجازِ گوشتِ

ما قبل سورة سے تقابل

اس سورہ مبارکہ میں اختصار کے باوجود کئی لطائف و نکات ہیں۔ سب سے عجیب نکتہ یہ ہے جس کو ہم ذکر کرتے ہیں کہ یہ سورہ کوثر ما قبل والی سورہ کے مقابلہ میں ہے کیونکہ اللہ پاک نے سورہ متقدمہ میں منافق کے چار اوصاف ذکر فرمائے ہیں۔ وصف اول بخل ہے جس کو (يدع اليتيم ولا يحض على طعام المسكين) میں ذکر فرمایا ہے دوسرا وصف ترک صلوٰۃ ہے جس کو (الذين هم عن صلوٰتہم ساهون) میں ذکر فرمایا ہے اور تیسرا وصف مراۃ فی الصلوٰۃ یعنی نماز ریا کاری کے لئے پڑھنی ہے جس کو (الذين هم يراءون) میں ذکر فرمایا ہے اور چوتھا وصف منع من الزکوٰۃ یعنی زکوٰۃ نہ دینا ہے جس کو (ويمنعون الماعون) میں ذکر فرمایا ہے۔

تو اللہ پاک نے اس سورہ کوثر میں ان صفات اربعہ مذکورہ (۱) کے مقابل چار صفات حمیدہ (۲) ذکر فرمائی ہیں اور بخل کے مقابلہ میں فرمایا ہے (انا اعطینک الکوثر) ہم نے آپ کو خیر کثیر عطاء کی ہے آپ بھی کثرت سے عطا فرمائیں اور بخل مت کریں۔ اور ترک صلوٰۃ کے مقابلہ میں (فصل) فرمایا کہ آپ نماز پر مداومت فرمائیں۔ اور ریا کاری کے مقابلہ میں (لربک) فرمایا کہ آپ اپنے رب کی رضا کے لئے نماز ادا فرمائیں نہ کہ لوگوں کو دکھاوے کے لئے۔ اور منع من الزکوٰۃ (۳) کے مقابلہ میں (واضح) فرمایا اور مراد یہ ہے کہ آپ قربانی کر کے قربانی کے گوشت کو صدقہ فرمائیں اور پھر سورہ کوثر (ان شانک ہو الابتر) پر ختم فرمایا یعنی وہ منافق اور آپ کا دشمن ان افعال قبیحہ (۴) مذکورہ کا ارتکاب کریگا جو گذشتہ سورہ میں ذکر کئے گئے ہیں وہ مرجائے گا اور دنیا میں اس کا کوئی نام و نشان تک باقی نہ

(۱) ذکر ثانی چار صفات کے مقابل (۲) اچھی صفات (۳) زکوٰۃ نہ دینے کے مقابل (۴) ان ذکر کئے گئے نرے

افعال کو اختیار کریگا (۵) عمدہ ذکر (۶) نہ ختم ہونے والا ثواب اور مفید مر ہے باقی رہے گا۔

رہیگا۔ آپ کے لئے دنیا میں ذکر جمیل (۱) اور آخرت میں ثواب جزیل و مراتب علیاء (۲) باقی رہیں گے (ورفعنا لك ذكرك) آھ۔ تفسیر کبیر ص ۱۱۷ ج ۳۲۔
اختصار کے پیش نظر ہم نے صرف ایک ہی نکتہ ذکر کیا ہے مزید تفصیل تفسیر کبیر میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

تفسیر اعجاز کوثر

تفسیر سورة الكوثر

سورة الكوثر میں اللہ جل شانہ ارشاد فرماتے ہیں ” انا اعطینک الكوثر “
ہم نے آپ کو نہر کوثر عطاء فرمائی ہے اور عطاء کے معنی دینے کے ہیں جبکہ عطاء کے مترادف (یعنی ہم معنی الفاظ) تقریباً ۲۲ ہیں ان میں سے کسی کو بھی ذکر نہیں فرمایا۔ اس کے متعلق ذیل میں تحریر کیا جاتا ہے کہ لفظ ”عطاء“ میں کیا خصوصی معنی ہیں اور دیگر الفاظ میں وہ معنی خصوصی نہیں پائے جاتے۔ ”اعطاء“ کے معنی خصوصی کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے ہم ”کوثر“ کے معنی سمجھ لیں تاکہ ”اعطاء“ کو دوسرے ہم معنی الفاظ پر ترجیح دینے کی وجہ سمجھنے میں آسانی ہو جائے اور یہ بات بآسانی سمجھ میں آجائے کہ اس مقام کے مناسب ”اعطاء“ ہی ہے دوسرا کوئی بھی لفظ اس مقام کے مناسب نہیں ہے لہذا ہم ”اعطاء“ اور اس کے ہم معنی الفاظ کی بحث کو شروع کرنے سے پہلے ”الکوثر“ کی تحقیق عرض کرتے ہیں۔

(۱) عمدہ ذکر (۲) نہ ختم ہونے والا ثواب اور مفید مرتبے باقی رہینگے۔

تحقیق معنی ”الْكَوْثَرُ“

علامہ فخر الدین رازیؒ نے تفسیر کبیر ص ۱۴۳ ج ۳۲ میں فرمایا ہے ”کہ کوثر“ کے معنی کے بارے میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ پہلے معنی لغوی کو درج کیا جاتا ہے پھر معنی اصطلاحی کو ذکر کرتے ہیں۔

معنی لغوی: ”کوثر“ ”فعل“ کے وزن پر ہے اور کثرة سے مشتق (۱) ہے کثیر کے معنی میں۔ اور ”کوثر“ و کثیر ایک ہی ہیں۔ کذا (۲) فی لسان العرب ص ۱۳۳ ج ۵۔

القول الاول: یہی سلف وظف سے مستفیض (۳) ہے اور یہی معنی مشہور ہیں کہ ”کوثر“ کے معنی جنت میں ایک نہر کے ہیں ”عن انس عن النبی ﷺ قال (رأیت نہرا فی الجنة حافتاه قباب اللؤلؤ المجوف فضربت بیدی الی حجری الماء فاذا انا بمسک اذفر فقلت ماذا؟ قبل الکوثر الذی اعطاک اللہ) اور اس نہر کا نام کوثر اس وجہ سے رکھا گیا ہے کہ اس نہر نے جنت کی نہروں کی خیر اور پانی کو زیادہ کر دیا پھر اس وجہ سے کہ جنت کی تمام نہریں اس سے پھوٹی ہیں جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ جنت کے ہر باغ میں نہر کوثر سے ایک نہر جاری ہے، یا پھر اس وجہ سے کہ اس نہر سے پینے والے بکثرت ہو گئے، یا پھر اس نہر میں منافع کثیرہ (۴) کی وجہ سے جیسا کہ ایک روایت ہے (انہ نہر وعد نیہ ربی فیہ خیر کثیر)

القول الثانی: یہ حوض ہے اور اس کے بارے میں متعدد اخبار مشہور ہیں۔ اور دونوں اقوال میں جمع کی صورت یہ ہے کہ ممکن ہے کہ تمام نہریں اس حوض سے بہتی ہوں تو یہ حوض منبع (۵) کے مثل ہوگا۔

(۱) نکلا ہے (۲) جیسا کہ کتاب لسان العرب میں ہے (۳) یہی معنی پچھلے بزرگوں سے منقول ہیں (۴) بہت سے فائدے ہونے کی وجہ سے (۵) سرچشمہ۔

القول الثالث: ”کوثر“ سے مراد نبی ﷺ کی اولاد ہے۔ علماء کرام نے فرمایا ہے کیونکہ یہ سورۃ ان لوگوں کی تردید میں اتری ہے جنہوں نے نبی ﷺ میں عیب لگایا تھا کہ ان کی اولاد نہیں ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ پاک آپکو ایسی نسل عطاء فرمائیں گے جو قیامت تک باقی رہیگی۔ تو دیکھ لیں کہ کتنے اہل بیت کرام شہید کر دئے گئے پھر بھی عالم (۱) آپکی اولاد سے بھرا ہوا ہے۔

القول الرابع: ”کوثر“ سے مراد امت محمدیہ کے علماء کرام ہیں۔ خدا کی قسم یہ علماء امت خیر کثیر ہیں کیونکہ امت محمدیہ کے علماء کرام انبیاء بنی اسرائیل کے مثل ہیں رسول اللہ ﷺ کے ذکر مبارک کو پسند کرتے ہیں اور دین کے آثار کو اور آپکی شریعت کے اعلام (۲) کو پھیلاتے ہیں۔ اور امت محمدیہ کے علماء کی انبیاء بنی اسرائیل سے تشبیہ کی وجہ یہ ہے کہ تمام انبیاء کرام معرفت اللہ کے اصول میں متفق ہوتے ہیں اور شرائع میں مختلف ہیں مخلوق پر مہربانی و شفقت کی وجہ سے۔ اسی طرح نبی ﷺ کی امت کے تمام علماء کرام اصول شریعت پر متفق ہیں اور فروع شریعت میں مختلف مخلوق پر مہربانی کی وجہ سے (۳)۔

القول الخامس: ”کوثر“ سے مراد نبوت ہے اور یہ بلا شک و شبہ خیر کثیر ہے اس کی مزید تفصیل تفسیر کبیر ص ۱۴۵ ج ۳۲ پر ملاحظہ فرمائیں۔

القول السادس: ”کوثر“ سے مراد قرآن حکیم ہے اور قرآن حکیم کے فضائل لا تعد ولا تحصى ہیں (۴) ص ۱۴۶ ج ۳۲

القول السابع: ”کوثر“ سے مراد اسلام ہے۔ اور خدا کی قسم اسلام تو خیر کثیر ہی ہے کیونکہ اسلام ہی کی وجہ سے دنیا و آخرت کی خیر حاصل ہوتی ہے اور اسلام کے نہ ہونے سے دنیا

(۱) پوری دنیا (۲) نشانیاں (۳) ائمہ اربعہ امام اعظم ابوحنیفہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا اختلاف اسی قسم کا ہے (۴) قرآن پاک کے فضائل احاطہ اور شمار سے زائد ہیں۔

و آخرت کی تمام خیرات ہو جاتی ہے۔

القول الثامن : ”کوثر“ سے مراد نبی ﷺ کے اتباع کرنے والوں کا کثیر ہونا ہے اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ حضور ﷺ کے متبعین کا اللہ کے سوا کوئی بھی احصاء (۱) نہیں کر سکتا۔ ص ۱۲۶ ج ۳۲

القول التاسع : ”کوثر“ سے مراد وہ تمام فضائل ہیں جو نبی ﷺ میں موجود تھے کیونکہ بالاتفاق آپ ﷺ تمام انبیاء میں سب سے افضل ہیں۔ مفضل بن سلمہ کہتے ہیں کہ جب کوئی بہت ہی نئی و کثیر الخیر ہو تو کہا جاتا ہے ”رجل کوثر“۔ ص ۱۲۷ ج ۳۲

القول العاشر : ”کوثر“ سے مراد نبی ﷺ کا رفعت (۲) ذکر ہے۔

القول الحادی عشر : ”کوثر“ سے مراد علم ہے علماء کرام نے ذکر فرمایا کہ ”کوثر“ سے علم مراد لینا پیچند و جوہ اولیٰ (۳) ہے علم خیر کثیر ہے اللہ جل شانہ فرماتے ہیں (و علمک سالم تکن تعلم و کان فضل اللہ علیک عظیماً) اور طلب علم کا حکم فرمایا ہے ارشاد ہے (وقل رب زدنی علماً) اور حکمت کا نام خیر کثیر رکھا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے (ومن یؤت الحکمة فقد اوتی خیراً کثیراً) مزید و جوہ امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں ذکر فرمائی ہیں۔ فلیراجع الیہ (۴) ص ۱۲۷ ج ۳۲

القول الثانی عشر : کوثر سے مراد حسن خلق ہے اخلاق حسنہ کا نفع عام ہے اور عالم و جاہل و عاقل اور چوپائے وغیرہ سب ہی اس سے مستفیع (۵) ہوتے ہیں۔ انتفاع بالعلم (۶) صرف عقلاء کے ساتھ خاص ہے لہذا ”کوثر“ سے حسن خلق ہی مراد لینا مناسب ہے اور نبی ﷺ بھی اخلاق حسنہ کے ساتھ متصف تھے اجنبی لوگوں کے لئے والد کی طرح تھے ان

(۱) اس کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا (۲) آپ کے ذکر کی بلندی ہے (۳) چند وجوہات کی وجہ سے افضل ہے (۴) پس اس میں دیکھ لی جائیں (۵) فائدہ اٹھاتے ہیں (۶) علم سے فائدہ اٹھانا

کی پریشانیوں کو حل فرماتے اور نبی ﷺ کے اخلاق حسنیہ کی انتہا یہ تھی کہ جب دشمنوں نے آپ کا دندان مبارک (۱) شہید کیا تو آپؐ نے فرمایا (اللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِي فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ)۔

القول الثالث عشر: ”کوثر“ سے مراد مقام محمود ہے جو کہ مقام شفاعت ہے دنیا کے بارے میں فرمایا (وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ) اور آخرت کے بارے میں فرمایا (شفاعتي لا هلك الكبائر من امتي)۔

القول الرابع عشر: ”کوثر“ سے مراد یہ سورۃ ”کوثر“ ہی ہے کیونکہ یہ سورۃ اپنے اختصار کے باوجود دنیا و آخرت کے تمام منافع کو کافی دانی ہے۔ اور یہ سورت چند معجزات پر مشتمل ہے جن کو علامہ رازیؒ نے تفسیر کبیر ص ۱۲۸ ج ۳۲ پر تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

القول الخامس عشر: ”کوثر“ سے مراد اللہ جل شانہ کی وہ تمام نعمتیں ہیں جو حضور ﷺ پر اللہ پاک نے نازل فرمائی ہیں اور یہی حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے منقول ہے کیونکہ لفظ ”کوثر“ کثرۃ و کثیرۃ کو شامل ہے لہذا مناسب نہیں ہے کہ آیت کو بعض نعمتوں پر محمول کیا جائے اور باقی پر نہ کیا جائے لہذا ضروری ہے کہ تمام نعمتوں پر محمول کیا جائے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت سعید بن جبیرؓ نے جب یہ قول حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے نقل کیا تو ان کو لوگوں نے کہا کہ لوگوں کا گمان ہے کہ ”کوثر“ جنت میں ایک نہر ہے تو حضرت سعیدؓ نے فرمایا کہ یہ جنت کی نہر خیر کثیر کا ایک فرد ہے جو اللہ نے آپ کو عطاء فرمائی ہے۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ اللہ پاک کے قول (اِنَّا اعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ) کا ظاہر مقتضی (۲) یہ ہے کہ اللہ پاک نے آپ کو یہ ”کوثر“ عطاء فرمائی ہے۔ لہذا یہ ضروری ہے کہ اس آیت کو ایسے

(۱) دانت (۲) یہ الفاظ اس بات کا تقاضا کرتے ہیں۔

معنی پر محمول کریں جو معنی ان تمام نعمتوں کو شامل ہوں جو اللہ پاک نے آپ کو عطا فرمائی ہیں یعنی نبوة، قرآن حکیم، والذکر الحکیم، والنصرة علی الاعداء (دشمنوں کے خلاف مدد) اور حوض اور وہ تمام درجات و ثوابات جن کا اللہ پاک نے وعدہ فرمایا اور آپ کے لئے تیار کیں وہ سب اس میں داخل ہیں کیونکہ جو بھی درجہ ثواب و نعمت وغیرہ کا اللہ کے وعدہ کے حکم سے ثابت ہو جائے وہ واقع اور موجود کی طرح اور اس کے حکم میں ہے۔ تفسیر کبیر ص ۱۲۸ ج ۳۲۔

اور ”کوثر“ میں بہت زیادہ کثرت کے معنی ہیں اور زیادتی فی الکثرة کے معنی واؤ کی زیادتی سے مستفاد ہیں کیونکہ ”کوثر“ کثرت سے مشتق ہے اور واؤ کی زیادتی الفاظ میں معنی کی زیادتی پر دال ہے۔ قنوی علی ہامش البیضاوی ص ۱۹۸ ج ۷۔

القول السادس عشر: یہ ہیکہ ”کوثر“ سے مراد ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ ہے۔ قرطبی ص ۲۱۸ ج ۲۔

القول السابع عشر: ”کوثر“ سے مراد صلوات خمس (۱) ہیں۔ قرطبی ص ۲۱۸ ج ۲۰۔

القول الثامن عشر: یہ ہیکہ ”کوثر“ سے مراد الفقہ فی الدین (۲) ہے قرطبی ص ۲۱۸ ج ۲۰۔

القول التاسع عشر: یہ ہے کہ کوثر سے مراد ایثار ہے قرطبی ص ۲۱۷ ج ۲۔

القول العشرون: یہ ہے کہ ”کوثر“ سے مراد تیسیر قرآن و تخفیف شرائع (۳) ہے قرطبی ص ۲۱۷ ج ۲۰۔

ان تمام اقوال مذکورہ میں سے رائج و اولیٰ و انسب چند ہر واس (۴) قول ہے کیونکہ اس قول میں (۱) پانچ نمازیں، (۲) دین کی کجھ (۳) قرآن کا آسان ہونا اور شرعی احکام کا ہلکا ہونا۔ (۴) سب سے بہتر مناسب

تمام نعمتوں کا مجموعہ مراد ہے اور مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اسی کو پسند فرمایا ہے

لفظ ”اعطاء“ اور اس کے ہم معنی الفاظ (متراوقات) کی لغوی تحقیق

اب ہم اعطاء اور اس کے متراوقات کے بیان کو شروع کرتے ہیں اور یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس مقام کے مناسب یعنی بلیغ و مقتضاء حال کے مطابق صرف اعطاء ہی ہے دوسرا کوئی صیغہ مناسب نہیں ہے۔ اسی وجہ سے اس کو اختیار فرمایا ہے۔ اول الفاظ متراوۃ کو نمبر وار درج کیا جاتا ہے پھر تفصیلاً ذکر کیا جائے گا۔

(۱) وصلۃ	(۲) جبرۃ	(۳) حبوۃ
(۴) خولۃ	(۵) رفدۃ	(۶) رشیتہ
(۷) سوغتہ	(۸) منحتہ	(۹) نحلۃ
(۱۰) نفلۃ	(۱۱) اجدیتہ	(۱۲) اولیتہ
(۱۳) اصفیتہ	(۱۴) اسعفتہ	(۱۵) انلتہ
(۱۶) ازللتہ	(۱۷) اتحفۃ	(۱۸) اسدیت الہ
(۱۹) اجریت علیہ	(۲۰) واسیتہ	(۲۱) اعطیتہ
(۲۲) اتیتہ		

اب تک یہ الفاظ معلوم ہو سکے ہیں (۱) پس اب لفظ اعطاء کا دیگر الفاظ سے موازنہ کرتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ بلیغ و مقتضاء حال کے مناسب یہی ہے کوئی دوسرا لفظ

(۱) مطلب یہ کہ اعطاء کے معنی میں جو لفظ عربی میں مستعمل ہیں ان میں سے یہ ۲۲ معلوم ہوتے ہیں ممکن ہے ان کے علاوہ بھی عربی لغت میں کچھ الفاظ اسکے ہم معنی اور پائے جاتے ہوں لیکن مفتی صاحب نے زیادہ تاثر کی جستجو نہیں کی کہ ان کو دیکھ کر باقی کا حال بھی معلوم ہو جائے گا ۱۲ خ

نہیں ہے نمبر وار ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) وصلۃ

ٹلائی مجرد میں اس لفظ کے معنی جوڑنے و جمع کرنے و احسان کرنے اور تعلق رکھنے و دینے و نیکی کرنے وغیرہ کے آتے ہیں۔ اور ٹلائی مزید فیہ میں ایصال کے معنی پہنچانے کے آتے ہیں اور ان معانی مذکورہ میں سے کسی میں تملیک کے معنی نہیں پائے جاتے حالانکہ اس مقام کے مناسب تخصیص و تملیک کے معنی ہیں (ہم نے آپ کو ”کوثر“ عطا کیا یعنی ہم نے آپ کو ”کوثر“ کا مالک بنا دیا) ملانے اور جمع کرنے و جوڑنے وغیرہ کے معانی کو تملیک (۱) لازم نہیں ہے۔

(۲) جبرۃ

اس فعل کے ٹلائی مجرد سے معنی حقیقی ٹوٹی ہوئی ہڈی کے درست کرنے کے آتے ہیں۔ اور ٹلائی مزید فیہ میں جب اس کا صلۃ الفقیر ہو تو اس کے معنی مجازی غنی بنانے کیلئے آتے ہیں۔ کذا فی لسان العرب

مناسبت: تو اس کے معنی کمی بیشی دور کرنے و اصلاح کے ہوئے یعنی درست کرنے وغیرہ کے اور مالک بنانے کے معنی نہیں ہے اور اعطاء میں عطاء نئی اشیاء کا ہوتا ہے تملیک کے ساتھ تو معلوم ہوا کہ درست کرنے وغیرہ کو تملیک لازم نہیں ہے۔

(۳) حیوۃ:

اس فعل کے ٹلائی مجرد سے معنی آدمی کو دینے کے آتے ہیں۔ اور حیوۃ الحیوۃ سے بنا ہے اور حیوۃ کے معنی ہیں دونوں گھٹنے کھڑے کر کے ہاتھ باندھ کر بیٹھنا یعنی

گوٹ مار کر بیٹھنا اور حبابہ بہ کے معنی ہیں ہاتھ کو اسکی وجہ سے کھول کر دینا اور یہ معنی شان الہی کے خلاف ہے۔

(۴) خولتہ:

اس فعل کے ثلاثی مجرد میں مواشی^(۱) کی نگہبانی کرنا اور اپنے اہل کے امور کا انتظام و انصرام کے معنی آتے ہیں اور باب تفعیل سے مالک بنانے اور بخشے کے معنی آتے ہیں۔

(۵) رفلدہ:

اس فعل کے ثلاثی مجرد میں دینے اور عطیہ بخشنے کے معنی آتے ہیں اور باب افعال سے بھی یہی معنی آتے ہیں۔

(۶) رشیتہ:

اس فعل کے ثلاثی مجرد میں ”رشوت دینے“ کے معنی آتے ہیں اور یہ فعل الرشوة کے مادہ سے بنا ہے۔

(۷) سو غتہ:

اس فعل کے ثلاثی مجرد میں ”خوشگوار کرنے کے معنی آتے ہیں اور ثلاثی مزید فیہ باب تفعیل میں ”لہ کذا کے ساتھ دینے اور کسی کیلئے خاص کرنے“ کے معنی آتے ہیں۔

(۸) منحتہ:

اس فعل کے ثلاثی مجرد میں ”دینے عطاء کرنے اور اونٹنی یا دودھ والے جانور کو قائدہ اٹھانے کیلئے دینے وغیرہ کے معنی آتے ہیں۔

(۱) جانوروں کی نگرانی

(۹) نحلۃ:

اس فعل کے ثلاثی مجرد میں الرجل دینے اور المرأة مہر دینے اور القول غلط بات منسوب کرنے وغیرہ کے معنی آتے ہیں۔

(۱۰) نفلۃ:

اس فعل کے ثلاثی مجرد میں ”کسی کو بغیر ارادہ و ثواب کے عطیہ دینا“ اور زائد عطیہ دینے اور مال غنیمت تقسیم کرنے وغیرہ کے معنی آتے ہیں۔

(۱۱) اجدیتہ:

اس فعل کے ثلاثی مجرد میں ”علیہ (۱)، عطیہ دینے“ کے معنی آتے ہیں اور باب افعال میں عطیہ پانے کے معنی آتے ہیں۔

(۱۲) اولیتہ:

اس فعل کے ثلاثی مجرد میں ”الرجل و علیہ“ مدد کرنے کے معنی آتے ہیں اور ثلاثی مزید فیہ باب افعال میں والی مقرر کرنے اور احسان کرنے کے معنی آتے ہیں۔

(۱۳) اصفیتہ:

(۱۴) اسعفتہ:

اس فعل کے ثلاثی مجرد میں بحاجت کسی کی حاجت پوری کرنے کے معنی آتے ہیں اور باب افعال سے بھی اس کے یہی معنی آتے ہیں۔

(۱۵) انلتہ:

اس فعل کے ثلاثی مجرد میں فلانا المعطیۃ دینے کے معنی آتے ہیں اور باب افعال میں بھی اس کے یہی معنی آتے ہیں۔

(۱۶) ازللتہ:

اس فعل کے ثلاثی مجرد میں گذر جانے کے معنی آتے ہیں اور باب افعال میں ازل الیہ نعمۃ اس نے اس کے ساتھ بہتری کا سلوک کیا اور نعمت دی کے معنی آتے ہیں۔

(۱۷) اتحفۃ:

اس فعل کے معنی ہدیہ دینے و تحفہ دینے کے آتے ہیں۔

(۱۸) اسدیت الیہ:

اس فعل کے ثلاثی مجرد میں بیدہ نخواستی، کسی چیز کی طرف ہاتھ بڑھانا کے معنی آتے ہیں اور باب افعال سے الیہ احسان کرنے کے معنی آتے ہیں۔

(۱۹) اجریت علیہ:

اس فعل کے ثلاثی مجرد میں جاری ہونے بہنے واقع ہونے وغیرہ کے معنی آتے ہیں اور باب افعال میں علیہ الرزق معین کرنے و جاری کرنے وغیرہ کے معنی آتے ہیں۔

(۲۰) واسمیتہ:

اس فعل کے ثلاثی مجرد میں رأسہ ”سر مونڈنا“ کے معنی آتے ہیں اور باب مفاعلة سے مدد دینے کے معنی آتے ہیں۔

(۲۱) اعلیتہ:

اس فعل کے ثلاثی مجرد میں "الشیشی الیہ ولینا دینا یدہ بلند کرنے" کے معنی آتے ہیں اور باب افعال میں الشیشی دینے کے معنی آتے ہیں۔

(۲۲) اتیتہ:

اس فعل کے ثلاثی مجرد میں آنا حاضر ہونا و کرنا و نافذ کرنے وغیرہ کے معنی آتے ہیں اور باب افعال میں دینے کے معنی کیلئے آتا ہے۔

"اعطینا" کہنے کی وجہ

تفسیر کبیر میں امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اس مقام کے مناسب اعطی ہی ہے۔ جبکہ اس معنی کو اداء کرنے کیلئے اتی بھی آتا ہے کیونکہ الاعطاء کا استعمال شئی قلیل و کثیر (۱) دونوں میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے (واعطی قلیلاً و اکثراً)

اور ایفاء کا استعمال صرف عظیم المرتبہ اشیاء کیلئے ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے "واناہ اللہ الملک والحکمة" یا "ولقد اتینا داؤد میناً فضلاً"

تو معلوم ہوا کہ محمد ﷺ ایسے عظیم المرتبہ ہیں کہ یہ حوض اگرچہ بنفسہ (۲) عظیم چیز ہے لیکن حضور ﷺ کیلئے اللہ پاک نے اس "کوثر" میں جو درجات عالیہ و مراتب علیاء اور ثوابات شریفہ جمع فرمائے ہیں اس اعتبار سے شئی قلیل (۳) ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ایفاء کا استعمال استحقاتاً (۴) و تفضلاً دونوں طرح دینے کے معنی

(۱) تھوڑی اور زیادہ (۲) یہ حوض اگرچہ اپنی ذات کے اعتبار سے بہت بڑا ہے (۳) لیکن حضور ﷺ کے اعتبار سے ایک چھوٹی چیز ہے (۴) اس کا مستحق ہونے کی وجہ سے یا احساناً۔

میں مستعمل ہے اور اعطاء صرف تفصلاً ہی دینے کے معنی میں مستعمل ہے اور سبب استحقاق بقدر الاستحقاق ہوتا ہے اور یہ بندہ کا فعل ہے تو جو استحقاق بندہ کے فعل سے حاصل ہوتا ہے وہ متناہی ہوتا ہے اور تفصلاً دینا یہ اللہ کے کرم کے نتیجہ میں ہوتا ہے اور اللہ کے کرم کی کوئی انتہاء ہوگی لہذا جو شے بھی تفصلاً دی جائے گی وہ غیر متناہی ہوگی۔

واللہ اعلم بالصواب تفسیر کبیر ص ۱۴۳، ج ۳۲۔

اور اللہ پاک نے (اَنَا اعطینَاک) فرمایا ہے اور (اعطینَا الرسولِ اوالنبی اوالمطیع اوالعالم) وغیرہ نہیں فرمایا کیونکہ اگر ان اوصاف کے ساتھ ذکر کیا جاتا تو یہ معلوم ہوتا کہ یہ عطیہ اس وصف کی وجہ سے اعطاء کیا گیا ہے اور جب ان اوصاف میں سے کسی کو بھی ذکر نہیں کیا اور مطلق (اَنَا اعطینَاک) فرمایا تو معلوم ہو گیا کہ یہ اعطاء بغیر کسی علت و وصف کے ہے اور محض اللہ تبارک تعالیٰ کی مشیت و اختیار و پسند سے ہے۔ تفسیر کبیر ص ۱۴۳، ج ۲۳۔

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ یہ عطیہ کثیرہ ایسی ذات کی طرف سے ہے جو غنی و سعت والا ہے۔ آیت کو ”اِنْ“ کیساتھ شروع کیا جو تاکید و تحقیق پر دلالت کرتا ہے۔ اور پھر فعل کو لفظ ماضی کے ساتھ ذکر کیا وہ بھی تحقیق پر دلالت کرتا ہے اور ”کوثر“ کے موصوف کو حذف کر کے صرف صفت کو اس لئے ذکر کیا ہے تاکہ اپنے عموم کو ادا کرنے میں ابلغ ہو جائے۔ کیونکہ اس میں عدم تعین پائی جاتی ہے وَالْعَلَمُ عِنْدَ اللّٰهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰی۔ تفسیر کبیر لابن تیمیہ ص ۴۷، ج ۷۔

مختلف قابل الاستعمال صیغے

اللہ پاک نے اس سورۃ کے شروع میں جو صیغہ اَنَا اعطینَاک فرمایا ہے اور اس

کے علاوہ۔

۱	اعطاه الكوثر	بناء على المعروف مع ضمير المفعول للفاع	واحد مذكر غائب	بدون التاكيد
۲	اعطى الكوثر	بناء على المجهول بدون ضمير المفعول	واحد مذكر غائب	=
۳	اعطيت الكوثر	بناء على المعروف بدون ضمير المفعول	واحد متكلم	=
۴	اعطيتك الكوثر	بناء على المعروف مع ضمير المفعول المحصل للفاع	واحد متكلم	=
۵	اعطيتك الكوثر	بناء على المعروف مع ضمير المفعول المحصل للمخاطب	واحد متكلم	=
۶	اعطى اياه الكوثر	بناء على المعروف مع ضمير المفعول المنفصل للمخاطب	واحد مذكر غائب	=
۷	اعطى اياك الكوثر	بناء على المعروف مع ضمير المفعول المنفصل للمخاطب	واحد مذكر غائب	=
۸	اعطيت اياه الكوثر	بناء على المعروف مع ضمير المفعول المنفصل للفاع	واحد متكلم	=
۹	اعطيت اياك الكوثر	بناء على المعروف مع ضمير المفعول المنفصل للفاع	واحد متكلم	=
۱۰	اعطيت الكوثر	بناء على المجهول بدون ضمير المفعول	واحد مذكر حاضر	=
۱۱	اعطيتك الكوثر	بناء على المعروف مع ضمير المفعول المحصل للمخاطب	جمع متكلم	=

١٢	اعطيناه الكوثر	بناء على المعروف مع ضمير المفعول المنفصل للغائب	جمع متكلم	=
١٣	اعطينا اياك الكوثر	بناء على المعروف مع ضمير المفعول المنفصل للمخاطب	جمع متكلم	=
١٤	اعطينا اياه الكوثر	بناء على المعروف مع ضمير المفعول المنفصل للغائب	جمع متكلم	=
١٥	انذا اعطاه الكوثر	بناء على المعروف مع ضمير المفعول المفصل للغائب	واحدة مكرغائب	مع التاكيد
١٦	انذا اعطاك الكوثر	بناء على المعروف مع ضمير المفعول المفصل للمخاطب	واحدة مكرغائب	مع التاكيد
١٧	انذا اعطاه اياها الكوثر	بناء على المعروف مع ضمير المفعول المنفصل للغائب	واحدة مكرغائب	مع التاكيد
١٨	انذا اعطاه اياك الكوثر	بناء على المعروف مع الضمير المفعول المنفصل للمخاطب	واحدة مكرغائب	مع التاكيد
١٩	انذا اعطى الكوثر	بناء على المجهول بدون ضمير المفعول	واحدة مكرغائب	مع التاكيد
٢٠	انك اعطيت الكوثر	بناء على المجهول بدون ضمير المفعول	واحدة مكرحاضر	مع التاكيد
٢١	انذا اعطى الكوثر	بناء على المعروف بدون ذكر ضمير المفعول الاول	واحدة مكرغائب	مع التاكيد
٢٢	اني اعطيت الكوثر	بناء على المعروف بدون ذكر ضمير المفعول الاول	واحد متكلم	مع التاكيد

۲۳	انی اعطیک الکوث	بناء علی المعروف مع ذکر ضمیر المفعول المنفصل للمنی طب	واحد متکلم	مع التاکید
۲۴	انی اعطیت الکوث	بناء علی المعروف مع ذکر ضمیر المفعول المنفصل للغائب	واحد متکلم	مع التاکید
۲۵	انی اعطیت ایاہ الکوث	بناء علی المعروف مع ذکر ضمیر المفعول المنفصل للغائب	واحد متکلم	مع التاکید
۲۶	انی اعطیت ایاک الکوث	بناء علی المعروف مع ذکر ضمیر المفعول المنفصل للمنی طب	واحد متکلم	مع التاکید
۲۷	انا اعطیناہ الکوث	(۱)		
۲۸	انا اعطیناک الکوث			
۲۹	يعطيه الکوث			
۳۰	يعطیک الکوث			
۳۱	يعطى الکوث			
۳۲	تعطى الکوث			
۳۳	اعطيه الکوث			
۳۴	اعطیک الکوث			
۳۵	نعطيه الکوث			

(۱) مفتی صاحب قدس سرہ نے ان معنیوں کی تفصیلی چونکہ ذکر نہیں کی اس لئے اسی طرح شائع کئے جا رہے ہیں۔
یہ مضمون مفتی صاحب نے علامت کے زمانے میں لکھا تھا نظر ثانی کی نوبت نہیں آئی کتاب میں ہر کھ کر بھول گئے تھے
اور اس کی گمشدگی پر اظہار افسوس فرمایا کرتے تھے۔ مقالات القرآن کی طباعت کے وقت کتابوں میں سے مل گیا تو
انعام کی غرض سے اس کا حصہ بنا کر شائع کیا جا رہا ہے ۱۲ خلیل

			٣٦	تُعْطِيكَ الْكُوْثْرَ
			٣٧	اِنَّهٗ يُعْطِيهِ الْكُوْثْرَ
			٣٨	اِنَّهٗ يُعْطِيكَ الْكُوْثْرَ
			٣٩	اِنَّهٗ يُعْطِي الْكُوْثْرَ
			٤٠	اِنَّهٗ يُعْطِي الْكُوْثْرَ
			٤١	اِنَّكَ تُعْطِي الْكُوْثْرَ
			٤٢	اِنِّىْ اَعْطِي الْكُوْثْرَ
			٤٣	اِنِّىْ اَعْطِي الْكُوْثْرَ
			٤٤	اِنِّىْ اَعْطِيهِ الْكُوْثْرَ
			٤٥	اِنِّىْ اَعْطِيكَ الْكُوْثْرَ
			٤٦	اِنَّا نُعْطِي الْكُوْثْرَ
			٤٧	اِنَّا نُعْطِيهِ الْكُوْثْرَ
			٤٨	اِنَّا نُعْطِيكَ الْكُوْثْرَ
			٤٩	اِنَّهٗ لَيُعْطِيَنَّ الْكُوْثْرَ
			٥٠	اِنَّهٗ لَيُعْطِيَنَّ الْكُوْثْرَ
			٥١	اِنَّهٗ لَيُعْطِيَنَّ الْكُوْثْرَ
			٥٢	اِنَّهٗ لَيُعْطِيَنَّ الْكُوْثْرَ
			٥٣	اِنِّىْ لَآ اَعْطِيَنَّ الْكُوْثْرَ
			٥٤	اِنِّىْ لَآ اَعْطِيَنَّ الْكُوْثْرَ
			٥٥	اِنِّىْ لَآ اَعْطِيَنَّ الْكُوْثْرَ

۵۶	انی اے عطیہ الکوثر		
۵۷	اے عطیہ الکوثر		
۵۸	اے عطیہ الکوثر		
۵۹	اے عطیہ الکوثر		
۶۰	اے عطیہ الکوثر		
۶۱	اے عطیہ الکوثر		
۶۲	اے عطیہ الکوثر		
۶۳	اے عطیہ الکوثر		
۶۴	اے عطیہ الکوثر		
۶۵	اے عطیہ الکوثر		
۶۶	اے عطیہ الکوثر		

”نحر“ کے معنی

۱۔ روی عن علی رضی اللہ عنہ (فصل لربك وانحر) قال وضع اليمين على الشمال في الصلوة (اخرجه الدارقطني قرطبي ص ۲۲۰ ج ۲۰)۔ وقال علی کرم اللہ وجہہ رفع الیدين قبل الصلوة عادة المستجير العائد ووضعهما على النحر عادة الخاضع الخاشع۔ کبیر ص ۱۳۹ ج ۳۲

۲۔ وقال سليمان التيمي يعني وارفع يدك بالدعاء الى نحرک ص ۲۲۰ ج ۲۰ قرطبي

٣- وعن ابي صالح عن ابن عباس قال استقبل القبلة
بتحرك وقاله الفراء والكلمى وايو الاحوص ومنه قول الشاعر
ابا حكم ما انت عم مجالد وسيد اهل الابطح المتناحر
اي المتقابل قال الفراء سمعت بعض العرب يقول
منازلنا تتناحر اي تتقابل نحر هذا ينحر هذا - قرطبي ص ٢١٩
ج ٢٠

٤- يقال استوف الركوع والسجود حتى يبدو نحره -
تفسير ابن عباس ص ٥٨٢ ج ٢ مجموعة التفاسير

٥- يقال فصل لربك صلاة يوم النحر وانحر البدن - تفسير
ابن عباس ص ٥٨٢ ج ٢ - مجموعة التفاسير -

٦- قال الواحدى واصل هذه الاقوال كلها من النحر الذى
هو الصدر يقال لمذبح البعير النحر لان منخره فى صدره حيث
يبدو الحلقوم من اعلى الصدر فمعنى النحر فى هذا الموضع
هو اصابة للنحر كما يقال راسه و بطنه اذا اصاب ذلك منه -

ان استعمال لفظة النحر على نحر البدن اشهر من
استعماله فى سائر الوجوه المذكورة فيجب حمل كلام الله
عليه واذا ثبت هذا فنقول استدلت الحنفية على وجوب
الاضحية بان الله تعالى امره بالنحر ولا بد ان يكون قد فعله لان
ترك الواجب عليه غير جائز واذا فعله النبي ﷺ وجب علينا

مثله لقوله تعالى (واتبعوه) ولقوله (فاتبعوني يحببكم الله) واصحابنا الى اصحاب الشافعية قالوا الامر بالمتابعة مخصوص بقوله (ثلاث كتبت على ولم تكتب عليكم الضحى والاضحى والوتر) ودلت الآية على وجوب تقديم الصلوة على النحر لقوله عليه السلام قال الا كثرون حملوا على نحر البدن اولى لوجوه (احدها) هو ان الله تعالى كلما ذكر الصلوة في كتابه ذكر الزكوة بعدها وان القوم كانوا يصلون وينحرون للاوثنان فقل له فصل وانحر لربك وان هذه الاشياء آداب الصلوة وابعضها فكانت داخلية تحت قوله (فصل لربك) فوجب ان يكون المراد من النحر غيرها اي صلوة يوم النحر لانه يبعدان يعطف بعض الشئ على جميعه وان قوله (فصل) اشارة الى التعظيم لامر الله وقوله (وانحر) اشارة الى الشفقة على خلق الله وجملة العبودية لا تخرج عن هذين الاصلين - تفسير كبير ص ۱۳۰ ج ۳۲ -

”فَصَلِّ“ کے معنی

قال الامام الرازي في الكبير ص ۱۳۰ ج ۳۲ اختلف من فسر قوله (فصل) بالصلوة على وجوه (احدها) الاول انه اراد بالصلوة جنس الصلوة لانهم كانوا يصلون لغير الله تعالى وينحرون بغير الله فامرهم ان لا يصلوا ولا ينحروا لله (القول الثاني) اراد صلوة

العید والاضحی لانہم كانوا یقدمون الاضحیۃ علی الصلوۃ
 فنزلت هذه الآیۃ قال المحققون ہذا قول ضعیف لان عطف
 الثمنی علی غیرہ بالنواو لا یوجب الترتیب (القول الثالث) عن
 سعید بن جبیر صلی الفجر بالمزدلفة وانحر بمنی والاقرب القول
 الاول لانه لا یجب اذا قرن ذکر النحر بالصلوۃ ان تحمل الصلوۃ
 علی ما یقع یوم النحر۔

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ

اس آیت مبارکہ کی ماقبل والی آیت کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ اللہ پاک
 فرماتے ہیں بیشک ہم نے آپکو خیر کثیر اور ایسے مناقب متکاثر (۱) عطاء فرمائے ہیں کہ
 ان میں سے ہر ایک پوری دنیا کی بادشاہت سے بھی عظیم ترین ہے تو اب آپ اپنے
 رب کی عبادت میں مشغول ہوئے۔ اور عبادت دو قسم کی ہے تو عبادت بدنیہ کا حکم
 (فصل لربک) میں فرمایا اور عبادت مالیہ کا حکم (وانحر) میں فرمایا ہے۔ اب سوال
 یہ ہوتا ہے کہ صلوٰۃ کے بجائے صوم کیوں نہ فرمایا جبکہ صوم بھی عبادت بدنیہ ہے اور حج
 عبادت بدنیہ و مالیہ کا مجموعہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے، اس جگہ شکر ان نعمت کا وہ طریقہ
 تعلیم فرمایا جو نبی ﷺ کو پسند و محبوب تھا۔ جمع اس طرح ہے کہ نماز دیگر انواع عبادات
 کا مجموعہ ہے۔ قرآن قرآن شہادتین کے کلمے یہ زبان کا عمل (۲) ہے اور قیام و رکوع و
 سجود عمل جوارح (۳) ہے۔ اخلاص نیت دل کا عمل ہے۔ تفسیر کبیر ص ۱۱۹ ج ۳۲

(۱) بہت سے بلند مرتبے (۲) یعنی نماز میں قرأت وغیرہ کرنا یہ زبان کا عمل ہے (۳) رکوع سجدہ وغیرہ اعضاء کا
 عمل نیت دل کا تو اس طرح تینوں قسم کی عبادات جمع ہو گئیں۔

فصل لربك، اس فاء میں چند احتمال ہیں [1] اول یہ ہے کہ فاء اس پر تنبیہ کے لئے ہے کہ نعمت پر شکر کرنا علی الفور (۱) واجب ہے نہ کہ علی التراخی (۲)۔ [2] دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس جگہ فاء کو تعقیب کے معنی میں لیں۔ اور اشارہ کیا گیا ہے اس طرف جس کو اللہ پاک نے (وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون) میں بیان فرمایا اور اس میں نبی ﷺ کو مزید مبالغہ کے ساتھ خاص کیا ہے اور آپ کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہے (واعبد ربك حتى يأتبك اليقين) تفسیر کبیر ص ۱۲۹ ج ۳۲۔

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ اللہ پاک نے اعطاء ”کوثر“ کے بعد (فصل لربك) فرمایا ہے حالانکہ اعطاء نعمت کے بعد تو ”فاشکر لربك“ ہونا چاہئے تو اس کا جواب یہ ہے کہ شکر کے معنی تعظیم کے ہیں اور شکر کے تین ارکان ہیں [1] یہ ہے کہ دل سے شکر کا تعلق ہو یعنی یہ جانتا ہو کہ یہ نعمت اسی معطی کی طرف سے ہے کسی اور کی عطاء نہیں ہے [2] زبان سے شکر ادا کرنا ہے کہ معطی (دینے والے) کی تعریف کرے۔

[3] تیسرا یہ ہے کہ دینے والی کی خدمت اور اس کے سامنے تواضع کیساتھ پیش آئے۔ اور نماز ان امور ثلاثہ پر مشتمل ہے اور اسکے علاوہ بھی کئی امور تعظیم پائے جاتے ہیں لہذا شکر کے بجائے نماز کا حکم دینا ہی زیادہ احسن واولیٰ وبلغ ہے۔ اور اگر ”فاشکر“ کہہ دیا جاتا تو اس میں یہ وہم ہو سکتا تھا کہ نبی ﷺ شکر کرنے والے نہیں ہیں لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ تو اول امر یعنی ابتدا ہی سے اللہ کی نعمتوں کا شکر کرنے والے اور اپنے رب اطاعت کرنے والے اور اپنے رب کی معرفت

رکھنے والے تھے اور نماز کی نبی ﷺ نے بذریعہ وحی معرفت حاصل فرمائی ہے۔
 تیسرا یہ احتمال ہے کہ فصل میں فادو امروں کی سبیت کا فائدہ دینے کیلئے ہے
 اور یہ بتانے کیلئے کہ آپکو جو عبادت کا حکم دیا گیا ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ آپ پر
 کثرت انعامات الہیہ نے اللہ کی بندگی و عبودیت میں مشغولی کو واجب قرار دیا ہے اور
 دوسرا یہ بتانے کیلئے یہ لوگ جو آپ کو ”اہتر“ (۱) کہتے ہیں آپ اسکی پرواہ مت کیجئے ہم
 نے آپ کو کثیر خیریں مرحمت کی ہیں آپ تو اپنے رب کی اطاعت میں مشغول
 ہو جائیں۔

اور یہ بات بھی جان لینی چاہئے کہ نعمت کثیرہ محبوبہ ہیں اور محبوب کا لازم بھی
 محبوب ہوا کرتا ہے تو یہ فاء اس بات کو متقاضی (۲) ہے کہ نماز ان نعمتوں کے لوازمات
 میں سے ہو لہذا یہ بات یقینی ہوئی کہ نماز نبی ﷺ کی محبوب اشیاء میں سے ہے کیونکہ
 نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے (جعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ) میری
 آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے اور دوسری روایت میں ہے (ولقد صلی حتی
 تورست قدماء، فقیل له اولیس قد غفرنک ما تقدم من ذنبک و
 ما تاخر؟ فقال افلا اکون عبداً شکوراً) نبی ﷺ اس قدر طویل نماز ادا
 فرماتے کہ آپ کے قدم مبارک پر درم آ جاتا تو جب آپ سے عرض کیا گیا کہ کیا اللہ
 پاک نے آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف نہیں کر دیے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ
 میں شکر گزار بندہ نہ ہوں؟ تفسیر کبیر ص ۱۳۱ ج ۴

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ نماز کے اندر شکر نعمت خود بخود پایا جاتا ہے اور

(۱) نسل بریدہ (۲) اس بات کا تقاضا کرتی ہے

شکرِ نعمت ادا کرنے کا نماز ہی سب سے اعلیٰ اور افضل طریقہ ہے۔ کیونکہ نبی ﷺ نے شکر ان نعمت کیلئے اسی طریقہ کو پسند فرمایا ہے جو سب سے اعلیٰ و افضل ممکن ہو سکتا تھا۔

لِرَبِّكَ

لربك میں لام نماز اور رب کو ملانے کیلئے ہے جیسے کہ کالروح للبدن^(۱) میں جیسا کہ سر سے پاؤں تک جسم تب اچھا لگتا ہے جبکہ اس میں روح بھی ہو۔ اور جب مردار ہو جائے اور روح نکل جائے تو وہ کسی قابل نہیں رہتا بلکہ اسکو دبا دیا جاتا ہے۔ اسی طرح نماز ہے کہ رکوع و سجود و طویل قیام صورت میں اچھے ہیں لیکن اگر اس میں لربك کا لام نہ ہو تو پھر منہ پر ماردی جاتی ہے۔ اھ کبیر ص ۱۳۱ ج ۳۲۔ جیسا کہ ایک حدیث میں ہے اور لام لربك میں اختصا ص کیلئے ہے یعنی صرف اخلاص کیساتھ اللہ کے لئے نماز پڑھیں۔ قنوی ص ۱۹۹ ج ۷

ومن فوائدها اللطيفة الالتفات في قوله (فصل لربك وانحر) الدالة على ان ربك مستحق لذلك وانت جدير بأن تعبده و تنحر له والله اعلم اه تفسیر کبیر لابن تیمیہ ص ۵۰ ج ۷
تو گویا کہ اللہ پاک نے گذشتہ سورۃ میں فرمایا تھا کہ وہ لوگ ریاکاری کیلئے نماز پڑھتے تھے۔ پس آپ دکھانے کیلئے نماز نہ پڑھئے بلکہ صرف اخلاص کے ساتھ اللہ کی بندگی کریں۔

(۱) جیسے روح کی اہمیت بدن کے لئے (۲) یعنی وہ نماز اللہ کے لئے نہ ہو تو منہ پر ماردی جائے گی۔

وَأَنْحَرْ

اللہ پاک نے اس مقام پر وانحر فرمایا ہے اور واذبح وزك من التزكية نہیں فرمایا بظاہر مناسب انا اعطیناک الکواثر فصل لنا وانحر تھا لیکن فصل لنا ترک کر کے فصل لربك فرمایا ہے اور یہ کہنے میں چند فوائد ہیں اولی یہ ہے کہ مضمربے مظہر کی طرف کلام کو پھیرنا عظمت کو واجب کرتا ہے۔

قَوْلُهُ تَعَالَى وَأَنْحَرْ

الهمون التي هي خيار اموال العرب و تصدق على المحاويع خلافا لمن يدعهم ويمنع منهم الماعون فالسورة كالمقابلة للسورة المتقدمة: حاشية شيخ زاده على البيضاوي ص ۴۰۳ ج ۴

اور اس جگہ اذبح بھی لا سکتے تھے مگر اذبح کے بجائے انحر لفظ اسی لئے استعمال کیا گیا ہے۔

إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ

الشانئى بمعنى المبغض فالمعنى ان من ابغضك اى من لا يحبك بل يعاديك مخالفتك له هو الابتر لبغضه لك۔
الابتر اى الذى لا عقب له اذ لا يبقى منه نسل ولا حسن ذكر
حاشية شيخ زاده ص ۴۰۳ ج ۴

وفى قوله تعالى (ان شانك هو الابتر) انواع من التاكيد۔

(احدها) تصدير الجملة بان (ثانيها) الاتيان بضمير الفصل الدال على قوة الاسناد والاختصاص۔

(الثالث) مجئ الخبر على افعال التفضيل دون اسم المفعول۔

(الرابع) تعريفه باللام الدالة على حصول هذا الموصوف له بتمامه وانه احق به من غيره۔

و نظير هذا في التاكيد قوله تعالى (لا تخف انك انت الاعلى) اه تفسير كبير لابن نعيمه ص ۵۰ ج ۷

ابترا کے لفظ کو عرب اس شخص کے متعلق استعمال کرتے ہیں جس کی اولاد میں لڑکے اور لڑکیاں ہوں پھر لڑکے مرجائیں اور لڑکیاں باقی رہ جائیں۔ قرطبی ص ۲۲۲ ج ۲۔

ابترا يستعمل في قطع الذنب ثم اجري قطع العقب
سجراہ فقيل فلان ابترا اذا لم يكن له عقب يخلفه قوله تعالى (ان
شأنك هو الابترا) ای المقلوع الذکر وذلك انهم زعموا ان
محمد ﷺ ينقطع ذكره اذا انقطع عمره لفقدان نسله فنبهه تعالى
ان الذي ينقطع ذكره هو الذي يشنؤه اه۔ كذا في المفردات
للمراغب ص ۳۶ ج ۱

شنائے اور اس کے مترادفات کی تحقیق

شنأشنتہ ای تقدرتہ بغضالہ ومنہ قوله تعالى (ان شأنك

ہوا لا بشر) کذا فی المفردات ص ۲۶۷ ج ۱

شأنك ای مبغضك وهو العاص بن وائل - قرطبی

ص ۲۲۲ ج ۲

الشنآن هو البغض والشأنی هو المبغض کبیر للرازی

ص ۱۳۳ ج ۲۲

العدو، معناه عدا علیہ عدوا ای ظلمہ وعدا بنو فلان

علی بنی فلان ای ظلموہم۔ العدا، بالفتح والمد، الظلم وتجاوز

الحد، قوله تعالى (وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا

تعتدوا) کذا فی لسان العرب ص ۳۱ ج ۱۵ قال ابوبکر قول

العرب فلان عدو فلان معناه فلان یعدو علی فلان بالمکروه

ویظلمہ لسان العرب ص ۳۳ ج ۱۵۔

العدو التجاوز و منافاة الالتئام فتارة یعتبر بالقلب فیقال

لہ العداوة والمعاداة۔ العدو ضربان، احدهما بقصد من المعادی

نحو قوله تعالى (وان کان من قوم عدوانکم، جعلنا لکل نبی

عدوا من المجرمین) والثانی لا بقصده بل تعرض لہ حالة یتأذى

بہا کما یتأذى مما یمکن من العدى نحو قوله تعالى (فانهم

عدولی الارب العالمین وقوله تعالى فی الاولاد (عدواکم
فاحذروهم)، اہ کذا فی المفردات للمراغب ص ۳۲۶ ج ۱
المخاصم، سمي المخاصم خصما واستعمل للواحد
والجمع وثنی۔ واصل المخاصمة ان يتعلق کل واحد بخصم
الآخرای جانبہ کذا فی المفردات للمراغب ص ۳۹ ج ۱
المبارز۔ معناه خرج الیه فقاتله فتبارزا۔

دلائل اعجاز قرآن بصورت تحدی

(۱) شعبی سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر بن الخطابؓ امیر
مغیرہ بن شعبہؓ کو لکھا کہ آپ اپنے شہر کے مشہور شعراء کے اشعار لکھ کر بھیجیں تاکہ مجھے
یہ معلوم ہو کہ مسلمان ہونے کے بعد ان کے کیا خیالات ہیں؟ حضرت مغیرہ رضی اللہ
عنه نے حضرت لبید رضی اللہ عنه کو لکھ دیا تو انہوں نے جواباً تحریر کیا کہ زمانہ جاہلیت کے
جس قدر چاہیں اشعار مجھ سے لے لیں مگر مسلمان ہونے کی حالت میں اللہ جل شانہ
نے مجھے قرآن کریم نعم البدل عطا فرمایا ہے اب شعر و شاعری کی طرف مطلق خیال نہ
رہا اور فوراً سورۃ البقرہ ایک کاغذ پر لکھ کر بھیج دی۔ حضرت مغیرہ نے یہ حضرت عمرؓ کی
خدمت میں ارسال کر دیا پھر حضرت عمرؓ نے اغلب شاعر کے وظیفہ میں سے پانچ سو
درہم کم کر کے حضرت لبیدؓ کے وظیفہ میں زیادہ کر دیے۔ الاصابۃ للسيوطی
ص ۳۲۶ ج ۳۔

فصاحت و بلاغت صرف قواعد اور انکی دلیلوں پر منطبق ہونے پر ہی موقوف

نہیں اصل جوہر اور شئی ہے جو زبان یا تحریر میں نہیں لایا جاسکتا۔

وہ ایک ادبی لسانی اور ذوقی کیفیت ہے جو خود ماہر کو ہی اس قدر حظ حاصل کراتی ہے کہ از خود رفتہ بن جاتا ہے۔ بغیر اس ذوق کے نہ وہ کیفیت حاصل ہو سکتی ہے نہ بیان کی جاسکتی ہے۔

دیکھئے زبان کا ماہر شاعر ذوق سلیم رکھنے والا تو عمدہ نظم و نثر پر بے خودی کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔ مگر بے ذوق یا غیر زبان والا اس میں کوئی مزہ نہیں پاسکتا بلکہ بے وقوف قرار دیتا ہے کہ اس میں ہے کیا چیز جس پر ناچ پڑے۔ حسن کلام، حسن روانی، حسن زبان، حسن تلفظ، حسن معانی، حسن استدلال اصل تو وہی معلوم کر سکتا ہے جو خود ان امور کا شدید ذوق رکھتا ہو۔ دوسرے کو ایک فیصد بھی اس کا حصہ نہیں مل سکتا۔ اگر اس کو معلوم کرنا چاہیں تو ایسے شاعر کے سامنے جو بہت ماہر ہو کوئی بہترین شعر پڑھئے، پھر معمولی سا پڑھئے پھر دیکھئے اس کی کیا حالت ہوتی ہے۔ بس یہی فرق ہے عربی ادب کے ذوق اور بے ذوق کا۔

اسی سے بے قرار ہو کر ماہر شاعر چلا اٹھا ”ماہذا قول البشر“ (یہ آدمی کا قول نہیں)

غیر زبان یا غیر ذوق والا تو کمالات میں ایک کا کم ایک کا زائد ہونا معلوم ہی نہیں کر سکتا یہ اہل ذوق ہی کا کام ہے۔

ہم تو سب فن والوں کو یکساں ہی سمجھتے ہیں مگر فن کا ماہر ہی ماہر کو شناخت کرتا ہے اور جیسے دینوی امور میں ہے اخروی امور میں بھی ہے کہ ولی را ولی می شناسد“ (ولی ہی ولی کو پہچانتا ہے)

اس وقت کے سب اہل ذوق (سلیم العقل فصحاء) نے قرآن کے چیلنج کے بعد کہ یہ کاروبار ہی چھوڑ دیا۔ کسی کا اس کی مثل پیش نہ کرنا یہ دلیل ہے ان کے عاجز ہونے کی۔ جیسے فرعون کے زمانہ میں اس نے حضرت موسیٰ کے مقابلہ کیلئے ماہر جادو گروں کو جمع کیا اور مقابلہ میں پیش کیا جب سب بیکار رہ گئے تو فوراً ایمان لے آئے۔ اور بے ساختہ پکار اٹھے۔ آمنا برب ہارون و موسیٰ“ اسی طرح نزول قرآن کے بعد عرب کے بڑے بڑے ماہرین اہل ذوق شعراء کا وہی حال ہوا جو حضرت لبید نے کیا کہ شعر ہی کہنا ترک کر دیا۔ اور قرآن کی تلاوت کو حرز جان بنایا۔ قولہ تعالیٰ وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فأتوا بسورة من مثله سورة البقرة پ ۱۔

(۲) قولہ تعالیٰ ام یقولون افتراء قل فأتوا بسورة مثله وادعوا من استطعتم من دون الله۔ سورة یونس پ ۱۱۔

(۳) قولہ تعالیٰ ام یقولون افتراء قل فأتوا بعشر سور مثله مفتریات وادعوا من استطعتم من دون الله۔ سورة ہود پ ۱۳۔

(۴) قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل هذا القرآن لا یأتون بمثله ولو کان بعضهم لبعض ظہیراً
اس آیت کریمہ میں اعجاز قرآن کی واضح دلیل ہے۔

فمن الناس من یقول اعجازه فی النظم علی حوالہ وفی المعانی وترتیبها علی حوالہ ویستدل علی ذلك بتحدیة فی هذه الایة العرب والعجم والجن والانس و معلوم ان العجم لا

يتحدون من طريق النظم فوجب ان يكون التحدى لهم من
 جهة المعانى وترتيبها على هذا النظام دون نظم الالفاظ
 ومنهم من يابى ان يكون اعجازه الا من جهة نظم الالفاظ
 والبلاغة فى العبارة فانه يقول ان اعجاز القرآن من وجوه كثيرة-
 منها حسن النظم وجودة البلاغة فى اللفظ والاختصار
 وجمع المعانى الكثيرة فى الالفاظ اليسيرة مع تعرية من ان
 يكون فيه لفظ مسخوط او معنى مدخول ولا تناقض ولا
 اختلاف تضاد وجميعه فى هذا الوجوه جار على منهاج واحد و
 كلام العباد لا يخلوا اذا طال من ان يكون فيه الالفاظ المساقطة
 والمعانى الفاسده والتناقض فى المعانى وهذه المعانى التى
 ذكرناها من عيوب الكلام موجودة فى كلام الناس من اهل
 سائر اللغات لا يختص باللغة العربية دون غيرها فجائز ان يكون
 التحدى واقعا للعجم بمثل هذه المعانى فى الاتيان بها عارية
 مما يعيها ويهجنها من الوجوه التى ذكرناها ومن جهة ان
 الفصاحة لا تختص بها لغة العرب دون سائر اللغات وان كانت
 لغة العرب افصحها وقد علمنا ان القرآن فى اعلى طبقات
 البلاغة فجائز ان يكون التحدى للعجم واقعا بان ياتوا بكلام فى
 اعلى طبقات البلاغة بلغتهم التى يتكلمون بها

(٥) قل فاتوا بكتاب من عند الله هو اهدى منهما اتبعه ان كنتم صادقين) اعلم ان التحدى بالقرآن جاء على وجوه احدها (قل فاتوا بكتاب من عند الله هو اهدى منهما) و مافيهما قوله (قل لئن اجتمعت الانس والجن على ان ياتوا بمثل هذا القرآن لا يأتون بمثله ولو كان بعضهم لبعض ظهيراً) وثالثها قوله (فاتوا بعشر سور مثله مفتريات) ورابعها (فاتوا بسورة مثله) ونظير هذا كمن يتحدى صاحبه بتصنيفه فيقول ائتني بمثله وائتني بتصفه ، ائتني بربعة ائتني بمسئلة منه وان هذا هو النهاية في التحدى وازالة العذر فان قيل قوله (فاتوا سورة مثله) يتناول سورة الكوثر و سورة العصر و سورة قل يا ايها الكافرون ونحن نعلم بالضرورة ان الاتيان بمثله او بما يقرب منه ممكن -

فان قلتم ان الاتيان بامثال هذه السور خارج عن مقدور البشر كان ذلك مكابرة والاقدام على امثال هذه المكابرات مما يطرق التهمة الى الدين قلنا فلم هذا السبب افترنا الطريق الثاني قلنا ان بلغت هذه السورة في الفصاحة الى نهاية الاعجاز فقد فصل المقصود وان لم يكن الامر كذلك كان امتناعهم عن المعارضة مع شدة دوا عيهم الى توهين امره معجزاً فعلى هذين التقديرين يحصل المعجز كبير ص ١٤٠ ج ٢ -

(٦) ام يقولون نقوله بل لا يؤمنون فليأتوا بحديث مثله ان كانوا

صنفین سورة الطور پ ۲۷۷

فلما عجزت قريش عن الاتيان بمثله وقالت ان النبی ﷺ تقوله
انزل الله تعالى (ام يقولون تقوله بل لا يومنون فليأتوا بحديث
مثله ان كانوا صادقين) ثم انزل تعجيزاً ابلغ من ذلك فقال (ام
يقولون افتراه قل فاتوا بعشر سور مثله مفتریات) فلما عجزوا
حطهم عن هذا المقدار الى مثل سورة من السور القصار فقال
جل ذكره (وان كنتم في ريب مما نزلنا على عبدنا فاتوا بسورة
مثله) فافحموا عن الجواب و تقطعت بهم الاسباب و عدلوا في
الحروب والعناد۔ اہ قرطبی۔ ص ۷۷ ج ۱

اور قرطبی ص ۲۹ ج ۱ سے ص ۷۸ ج ۱ تک ملاحظہ فرمائیں۔

اور امام رازی کی نہایت الایجاز الامام الرازی ص ۱۶۱ تا ص ۱۶۳ تک ملاحظہ فرمائیں

اعطاء کوثر کے فوائد

الفصل الاول فی وجه الاعجاز فی سورة الکوثر

لجار الله العلامة فی ذلك رسالة وانا اذكر حاصل مافیها فی هذا
الموضع قوله تعالى (انا اعطيناك الکوثر) فیہ ثمان فوائد ۔

(الفائدة الاولى) انه يدل علی عطية كثيرة مستندة الى

مسعط كبير ومشي كان ذلك كانت النعمة عظيمة

واراد "بالكوثر" اولاده الى يوم القيامة من امته - جاء فى قراءة عبد الله (النبي اولى بالمؤمنين من انفسهم) (وهو ابوهم) وازواجه امهاتهم) وايضاً ما اعطاه الله فى الدارين من مزايا الاثرة والتقديم والشواب لم يعرف كنهه الا الله ومن جملة الكوثر ما اختصه به من النهر الذى طينه المسك ورضراضه التوم - وعلى حافاته من اوانى الذهب والفضة ما لا تعداه النجوم -

(الفائدة الثانية) انه نبي الفصل على المبتداء فدل على الخصوصية و تحقيقه ما بينا فى باب التقديم والتاخير ان تقديم المحدث عنه أكد لاثبات الخبر -

(الفائدة الثالثة) انه جمع ضمير المتكلم وهو يشعر بعظم الربويته -

(الفائدة الرابعة) انه صدر الجملة بحرف التوكيد الجارى مجرى القسم -

(الفائدة الخامسة) انه اورد الفعل بلفظ المضى دلالة على ان "الكوثر" لم يتناول عطاء عاجلة دون عطاء الآجلة دلالة على ان المتوقع من سيب الكريم فى حكم الواقع -

(الفائدة السادسة) جاء بالكوثر محذوف الموصوف لان المشيت ليس فيه ما فى المحذوف من فرط الابهام والشياخ والتناول على طريق الاتساع -

(الفائده السابعة) اختار الصفة الموزنة بالكثرة ثم جاء

بها مصروفة من صيغتها-

(الفائده الثامنة) اتى بهذه الصيغة مصدرة باللام

المعرفة لتكون لما يوصف بها شاملة وفي اعطاء معنى الكثرة

كاملة ولما لم تكن للمعهود وجب ان تكون للحقيقة وليس

بعض افرادها اولى من بعض فتكون كاملة وقد دخل فيه

الجواب عن كونه غير معقب ابنا لان بقاء الابن بعده لا يخلوا

عن امرين اما ان يجعل نبيا وذلك محال لكونه خاتم الانبياء

اولا يجعل نبيا وذلك يوهم انه خلف سوء فصين عن تلك

الوصية بما اعطى من الخير الكثير وهو حصول الغرض

المتعلق بهم مع انتفاء الوصية اللازمة لو كانوا ولم يكونوا

انبياء-

نماز و قربانی کے حکم کے فوائد

قوله عز وجل (فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَأَنْحَرْ) فيه ثمان فوائد

(الاولى) فاء التعقيب ههنا مستعارة من معنى التسبيب

لمعنيين (احدهما) جعل الانعام الكثير سببا للقيام بشكر المنعم

و عبادته و (ثانيهما) جعله سببا لترك المبالاة بقول العدو فان

سبب نزول السورة ان العاص بن وائل قال ان محمدا

صنوبر (١) -

فشق ذلك على رسول الله ﷺ فأنزل الله هذه السورة
(الثانية) قصده باللامين التعريض بدين العاص واشباهه بمن
كانت عبادته و نحره لغير الله و تثبت قد مى رسول الله ﷺ
على الصراط المستقيم و اخلاصه العبادة لوجهه الكريم
(الثالثة) اشار بها تين العبادتين الى نوعى العبادات اعنى بهما
الاعمال البدنية التى الصلاة اما منها والمالية التى نحر البدن
سنامها -

(الرابعة) التنبيه على ما لرسول الله ﷺ من الاختصاص
بالصلاة حيث جعلت لعينيه قرّة و بنجر البدن التى كانت همته
فيه قوية و روى عنه ﷺ انه اهدى ماته بدنة فيها جمل لاني جهل
فى انفه برة من ذهب -

(الخامسة) حذف اللام الاخرى لدلالته عليها بالاولى
(السادسة) مراعاة حق التسييح الذى هو من جملة
صنعة البديع اذا ساقه قائله مساقا مطبوعا ولم يكن متكلفا ولا
مصنوعا -

(السابعة) انه قال " لربك " و فيه حسنان و روده على
طريق الالتفات التى هى ام من الامهات و صرف الكلام عن

(١) الصنوبر سعت ينبت فى ساق النخلة لا يثمر شينا

لفظ المضممر الى لفظ المظهر وفيه اظهار لكبرياء شانه وابانة
لعزة سلطانه ومنه اخذ الخلفاء قولهم يامرك امير المؤمنين
بكذا وعن عمر رضى الله عنه انه حين خطب الازدية الى اهلها
قال خطب اليكم سيد شباب قريش مروان بن الحكم وسيدا
هل المشرق جرير بحيلة و يخطب اليكم امير المؤمنين يعنى
نفسه-

(الثامنة) علم بهذا ان من حق العبادة ان يخص العباد
بها ربهم وما لكهم وعرض بخطاء من عبد مربوبا وترك عبادة
ربه-

وقوله (ان شائئك) فيه خمس فوائد

(الاولى) علل الامر بالاقبال على شائئته وترك الاحتفال
بشائئته على سبيل الاستئناف الذى هو جنس حسن الموقع وقد
كثرت فى التنزيل مواضعه-

(الثانية) وينجوه ان تجعلها جملة الاعتراض مرسلة
ارسال الحكمة لخاتمة الاغراض كقوله تعالى (ان خير من
استأجرت القوى الامين) وعنى بالشانى العاص بن وائل-

(الثالثة) انما ذكره بصفته لاياسمه ليتناول من كان فى
مثل حاله فى كيدته لدين الحق-

(الرابعة) صدر الجملة بحرف التوكيد وفيه انه لم يتوجه بقلبه ولم يقصده الا فصاح عن الحق - ولم ينطق الا عن الشمنان الذي هو قريب البغي والحسد - وعن البغضاء التي هي نتيجة الغيظ والحر - ولذلك وسمه بما ينبئ عن المقت الاشد -

(الخامسة) جعل الخبر معرفة ليتم البتر للعدو الشانئ حتى كانه الجمهور الذي يقال له الصنوبر - ثم هذه السورة مع علو مطلعها وتمام مقطعها واتصافها مما هو طراز الامر كله من مجيئها مشخوة بالنكت الجلائل مكتنزة بالمحاسن غير القلائل فهي خالية من تصنع من يتناول التنكيت وتعمل من يتعاطى التبكيت آه

قرآن ہزاروں معجزات پر مشتمل ہے

فی القرآن آلاف المعجزات

علمنا من قبل ان القرآن يزيد على مائتي آية وستة آلاف آية وعلمنا ان حبل التحدي قد طال حتى صار بسورة وان السورة تصدق بسورة الكوثر وهي ثلاث آيات قصار وان مقداما من آية او آيات طويلة له حكم السورة وان لاسلوب التنزيل سبع خواص لا توجد واحده منها على كمالها في أي كلام

آخر -

فيخلص لنا في ضوء هذه الحقائق ان القرآن مشتمل على آلاف من المعجزات لا معجزة واحدة كما يبدو لبعض السندج والسطحين؟ واذا اضعنا الى هذا ما يحمل القرآن من وجوه الاعجاز التالية تراءت لنا معجزات متنوعة شتى تجل عن الاحصاء والتعداد وسبحان من يجعل من الواحد كثيرة ومن الفرد امة (او لم يكفهم انا انزلنا عليك الكتاب يتلى عليهم ان في ذلك لرحمة وذكرى لقوم يؤمنون) (لوانزلنا هذا القرآن على جبل لرأيته خاشعاً متصدعاً من خشية الله) (ولو ان قرآناً سيرت به الجبال او قطععت به الارض او كلم به الموتى) اى لكان هذا القرآن -

قرآنى معجزات ہمیشہ کے لئے ہیں

معجزات القرآن خالدة

وهنا نلفت النظر الى ان القرآن بما اشتمل عليه من هذه المعجزات الكثيرة قد كتب له الخلود فلم يذهب بذهاب الايام ولم يموت بموت الرسول عليه الصلوة والسلام بل هو قائم في فم الدنيا يحاج كل مكذب ويتحدى كل منكر ويدعو اسم العالم جمعاء الى ما فيه من هداية الاسلام وسعادة بنى الانسان

ومن هذا يظهر الفرق جليابين معجزات نبي الانسان ﷺ
ومعجزات اخوانه من الانبياء عليهم ازكى الصلوة واتم السلام
فمعجزات محمد ﷺ في القرآن وحده آلاف مؤلفة وهي متممة
بالبقاء الى اليوم والى ما بعد اليوم حتى يرث الله الارض ومن
عليها اما معجزات سائر الرسل فمحدودة العدد قصيرة الامد
ذهبت بذهاب زمانهم وماتت بموتهم ومن يطلبها الآن الا في
خبر كان ولا يسلم له شاهد بها الا هذا القرآن؟ وتلك نعمة يمنها
القرآن على سائر الكتب والرسل وما صح من الاديان كافة قال
تعالى (وانزلنا اليك الكتاب بالحق مصدقاً لما بين يديه من
الكتاب ومهيمناً عليه) وقال عز اسمه (آمن الرسول بما انزل اليه
من ربه والمؤمنون كل آمن بالله وملائكته وكتبه ورسله لا نفرق
بين احدهم رسله) اه مناهل العرفان في علوم القرآن ص ۲۳۲

ج ۲

ساری دنیا کے لئے چیلنج

سورہ ہود پ ۱۱ "ام یقولون افتراه قل فأتوا
بعشر سور مثله مفتریات وادعوا من استطعتم من دون الله ان
کنتم صادقین -

(ترجمہ: یا یہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے خدا پر قرآن کی تہمت لگائی ہے کہد تجھے ایسا

ہے تو تم دس سورتیں ان جیسی گھڑی ہوئی لاؤ، اور خدا کے علاوہ جس کو چاہو یہ دعوت دے سکو، دیدو، اگر تم سچے ہو۔)

ایک سو چودہ سورتوں میں بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی تک دس سورتوں کے لانے پر پوری دنیا کو چیلنج رہا۔ عوام کو ہی نہیں خواص سے زیادہ خواص کو بھی خدا تعالیٰ کے سوا ہر بڑے سے بڑے کو یہ چیلنج چودہ سو سال سے اب تک سب کو اور سب کے معبودوں کو رہا اور کسی کی رگ غیرت نہ پھڑک سکی۔

پھر اور گنجائش دی کہ دس سورت نہیں تو ایک ہی سورت لا دو۔ سورۃ یونس پ ۱۱ میں ارشاد ہے ”ام یقولون افتراء قل فأتوا بسورة مثله وادعوا من استطعتم من دون الله“ ترجمہ (یا یہ لوگ کہتے ہیں کہ نبی نے تہمت لگائی ہے تو تم ایک ہی ایسی سورت لا دو)۔ اور سورۃ بقرہ پ ۱ میں ہے ”وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فأتوا بسورة من مثله“ ترجمہ (اگر تم شک کرتے ہو اس میں جو ہم نے اپنے بندے پر اتارا ہے تو تم ایک ہی سورۃ مثل لاؤ! یعنی اس جگہ دو معجزے ہیں ایک تو ایسی ایک بھی سورۃ نہ لا سکتا۔ دوسرا معجزہ ان جیسے شخص سے جو امی ہو، عربی پڑھا لکھا نہ ہو، اس سی لا دو۔ اب خیال کریں کہ شاعری و بلاغت کا فطری غرور کس قدر تلملایا ہوگا کہ ساری دنیا کو چیلنج ہے اور کوئی بھی نہیں لا سکا۔

شبہ ہو سکتا ہے کہ شاید کوئی لایا ہو مگر نقل نہیں کیا گیا ہوگا۔ جواب یہ ہے کہ یہ شبہ بے اصل ہے کیونکہ کافروں کی اکثریت تھی اور مسلمان تھوڑے تھے۔ (۱)

(۱) مطلب یہ ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو کفار اسکو ضرور نقل کرتے کیونکہ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان کا نقل نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ کسی نے اس کی مثل آج تک پیش ہی نہیں کیا نہ آئندہ کر سکے گا۔ ۱۲ ذیل احمد تھانوی

مبارک باد حفظ قرآن (مولانا) حافظ محمود اشرف عثمانی پسر مولانا محمد زکی کی

خدائے وحدہ کا خاص جب احسان ہوتا ہے

تو پتلا خاک کا یوں حافظ قرآن ہوتا ہے

قوی، کمزور حافظ دیکھ کر ایمان ہوتا ہے

کہ ”یسرناہ للذکر“ آج تک اعلان ہوتا ہے

”فہل من مذکر“ کا یوں ظہور شان ہوتا ہے

کہ کمسن بچہ تک بھی حامل قرآن ہوتا ہے

کتاب اتنی بڑی اور ہفت سالہ بچہ حافظ ہو

کھلے اعجاز پر حساس دل قربان ہوتا ہے

کلاموں میں کلام اللہ کی اک شان عالی ہے

کہ ہر موجود سے اللہ عالیشان ہوتا ہے

وہ دل جس میں کلام اللہ ہو کیا پوچھنا اس کا

یقیناً وہ ہر اک دل سے بڑا ذیشان ہوتا ہے

کلام اللہ دوزخ میں کبھی جا ہی نہیں سکتا

یہ جس رگ رگ میں ہو اس کا بھی یوں حفظان ہوتا ہے

خدا کا وعدہ ہے لا ریب قرآن کی حفاظت کا

دل حافظ خدائی جوہروں کی کان ہوتا ہے

شفاعت جبکہ خود قرآن کر دیتا ہے حافظ کی

اعزہ اقربا کا کام بھی آسان ہوتا ہے

AF:164

ملے حافظ کے ماں اور باپ کو جب تاج نورانی
تو پھر ہر شخص کو اس وقت کا ارمان ہوتا ہے

تلاوت میں جو ایک اک حرف پر دس نیکیاں ہونگی
تو ساری عمر کتنا دیکھے سامان ہوتا ہے

مبارک ہو میاں محمود^(۱) تم کو اس قدر نعمت

کہ تم پر حق تعالیٰ کا بڑا احسان ہوتا ہے

خدا نے آج تو حافظ بنایا تم کو قرآن کا
مگر حافظ وہ ہے جو ماہر قرآن ہوتا ہے

خدا وہ دن کرے تم حافظ وقاری ہو عالم ہو

وہ عالم ہو کہ جس پر سایہ رحمان ہوتا ہے

کرو تم نام روشن خاندان علم و تقویٰ کا

وہ رتبہ پاؤ جو علم و عمل کی جان ہوتا ہے

مبارک ہو تمہارے سب عزیزوں کو مبارک ہو

کہ آغاز اب سے تم پر علم کا فیضان ہوتا ہے

(۱) یہ لفظ حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانویؒ نے مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندؒ کے پوتے مولانا مفتی محمود اشرف عثمانی کے ختم قرآن کے موقع پر لکھی تھی جبکہ انہوں نے سات سال کی عمر میں تکمیل قرآن حکیم کی سعادت حاصل کی۔ مفتی صاحبؒ نے اگلے اشعار میں جن دعاؤں کا ذکر کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو پورا کیا کہ اس وقت کے میاں محمود آج دارالعلوم کراچی میں مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی مسند افتاء پر فائز ہیں اور استاد الحدیث ہیں اور حافظ قرآن ہونے کے ساتھ ماہر قرآن و عالم باعمل بھی ہیں (ظلیل)